

بحث و تحقیق، ہیئت و تفسیر، سلوک و احسان اور تصوف و تکشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارف بہلوی

جلد چہام

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ



ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

بحث و تحقیق، سیرت و تفسیر، سلوک و احسان اور تصوف و تکشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارف سلوک

تالیف

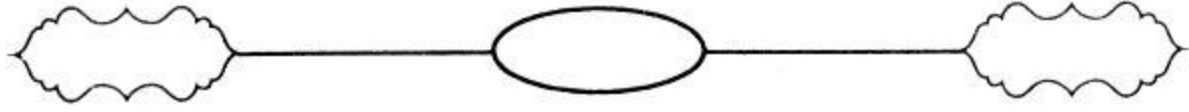
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

جلد چہارم

ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی



نام کتاب: _____ معارفِ بہلوی
تالیف: _____ حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ
ترتیب و تہہیل: _____ مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب
تاریخ اشاعت: _____ جولائی ۲۰۰۶ء
قیمت: _____

ناشر: _____ مکتبہٴ دہلیانوی
18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
برائے رابطہ: _____ جامع مسجد باب رحمت
پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی
فون: 2780337 - 2780340



اجمالی فہرست

- ۳۱ الوفاء بعہد الاولیاء یعنی سالکین سے لئے گئے وعدے
- فوائد مہمات تصوف و دفع مغالطات یعنی تصوف کے اہم امور اور مغالطوں
- ۷۵ کا ازالہ
- ۱۳۳ آداب الذکر و اقسام الفکر یعنی ذکر کے آداب اور غور و فکر کی اقسام
- ۱۵۵ انکشاف الاحوال والاوہام یعنی احوال و اوہام کا انکشاف
- ۱۷۳ التنبیہ فی ہمزات الشیاطین یعنی شیطانی مغالطوں کا بیان
- ۲۰۱ مکائد شیطان یعنی شیطانی مکر و فریب
- ۲۷۳ صبغة اللہ، طب روحانی یعنی خدائی رنگ
- ۳۳۳ لتحلی فی الانوار و التحلی یعنی انوار و تجلی کی حقیقت
- ۳۵۵ عمدة الذاکر فی علاج قلوب الابرار یعنی ابرار کے قلوب کا علاج
- ۵۰۱ ضرورة الشریعة والطریقة

فہرست

۳۱	الوفاء بعہد الاولیاء
	یعنی سالکین سے لئے گئے وعدے
۳۵	بھول چوک پر سزا.....
۳۶	وہ عہد جو مشائخ مریدوں سے لیتے ہیں.....
۳۷	عادل کی کنیت.....
۳۷	متواضع صحیح کی چند علامات.....
۳۸	ہر طعن و تشنیع کو برداشت کرے.....
۳۹	صفات خبیثہ، حجابات کا ذریعہ.....
۳۹	دوئی مٹنے کی علامات.....
۳۹	جماعت سے پہلے نہ آئیں.....
۴۰	عہدہ داروں کے لئے دل سے دُعا کریں.....
۴۱	مسلمانوں کے ساتھ نرم رہیں.....
۴۱	حرام کلام و طعام سے بچنے کا حکم کریں.....
۴۲	مناظرہ و مباحثہ نہ کریں.....
۴۲	دُشمن سے بھلائی کریں.....
۴۲	اپنے آپ کو کم تر سمجھے.....
۴۳	پختہ ہونے کی علامت.....
۴۳	طالب کو پوری محبت کے بعد بیعت کریں.....

- ۴۳ شیخ سے نفع لینے کی شرط
- ۴۴ دُنیا کی کسی چیز میں جھگڑا نہ کریں
- ۴۵ مسجد کی خدمت کریں
- ۴۵ ظالمین، فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں
- ۴۵ شیطان سے ہر وقت ڈرنا ہے
- ۴۶ ایثارِ نفس سے پہلے بڑوں اور مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھائے
- ۴۶ علماء اور صوفیہ کی بُرائی کرنے والوں کو خوب جواب دیں
- ۴۷ لوگوں سے تعلقات نہ بڑھائیں، عملِ تعویذ میں نہ بڑھیں
- ۴۸ قرض سے سبکدوش ہوں
- ۴۸ دُنیا کی لذات و رونق میں نہ پڑیں
- ۴۹ مزارعین کی زیادہ رعایت کرے
- ۴۹ اپنا ظاہر و باطن یکساں کریں
- ۴۹ مرید کو توجہ سے مجبور نہ کریں و حقیقت توجہ
- ۵۰ آبروریزی کرنے والے سے میل جول کم کریں
- ۵۰ تمام اعمال و معاملات میں توحید حاصل کریں
- ۵۱ شیخ میں جو عیب نظر آئے اس کو اپنا عیب سمجھیں
- ۵۲ ما سوا اللہ کی محبتِ دل میں جمع نہ ہونے دیں
- ۵۲ مطالب و مفاہیم قرآن میں احتیاط
- ۵۲ حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہمیشہ نظر رکھیں
- ۵۳ دوست و دشمن کی پہچان
- ۵۳ نرمی سے بات کریں

- ۵۴ بدگمانی سے بچیں
- ۵۴ مشہور مہمان نواز کے پاس قیام نہ کریں
- ۵۴ عمل میں کوتاہی کی علامات
- ۵۶ دُنیا دار لوگوں سے دوستی نہ کریں
- ۵۷ بڑا بن کر نہ رہیں
- ۵۷ مقاماتِ عالیہ کی تحصیل کی ترغیب
- ۵۸ دین والے کو نصیحت اور اسلام کی تبلیغ و نصرت کی وجہ
- ۵۸ مجرم پر رحمت نہ ہونی چاہئے
- ۵۹ عقیدے میں شریک نہ ہوں
- ۵۹ عرس میں شرکت نہ کرنا چاہئے
- ۶۰ مشتبہ جگہ کی دعوت قبول نہ کرنا
- ۶۱ میں اسی ظلم کے لائق تھا
- ۶۱ سائل کو واپس نہ کریں
- ۶۲ ممتاز ہو کر نہ رہیں
- ۶۲ اللہ تعالیٰ کی جانب کو اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں
- ۶۲ سید کی عزت
- ۶۳ بیعت کی شرائط
- ۶۳ بیعت کے بعد شیخ پر لازم ہے
- ۶۴ پیر بھائی کی زیارت
- ۶۴ یادداشت کا طریقہ
- ۶۴ مصیبت زدہ کی حاجت روائی ضرور کریں

- ۶۵ حکومت میں دخل نہ دیں
- ۶۵ مجامعت کے بعد بغیر غسل نہ سویا کریں
- ۶۶ مجلس ذکر کی حمایت
- ۶۶ طعن کرنے والے کو نصیحت
- ۶۶ ان راتوں میں کم سویا کریں
- ۶۷ نفس کے باریک مکر کو خوب سوچیں
- ۶۷ طاعت کرنے سے حق ادا نہ سمجھیں
- ۶۷ مدح کرنے والوں کو روکیں
- ۶۸ مدح کرنے والے کو نرمی سے سمجھائیں
- ۶۸ خادم مسجد سے دشمنی نہ کریں
- ۷۰ اذکار سلسلہ قادریہ رضی اللہ عنہم
- ۷۱ سبق ۱... ذکر قلبی
- ۷۱ سبق ۲... ذکر رُوحی
- ۷۱ سبق ۳... ذکر سری
- ۷۱ سبق ۴... ذکر نفسی
- ۷۱ سبق ۵... ذکر خفی
- ۷۱ سبق ۶... ذکر انہی
- ۷۲ سبق ۷... پاس انفاس
- ۷۲ سبق ۸... ذکر اڑہ
- ۷۲ سبق ۹... مراقبہ سبع صفات
- ۷۲ سبق ۱۰... سلطان الاذکار

- سبق ۱۱... نفی اثبات ۷۳
- سبق ۱۲... مراقبہ نورانی ۷۳
- دیگر اسباق و مراقبات ۷۳

۷۵ فوائد مہماتِ تصوّف و دفع مغالطات

یعنی تصوّف کے اہم امور اور مغالطوں کا ازالہ

- تصوّف کیا چیز ہے؟ ۷۹
- تصوّف کے بغیر مسلمان، کامل مسلمان نہیں رہ سکتا! ۸۰
- ایک مغالطے کا ازالہ ۸۱
- دوسرا مغالطہ ۸۲
- کثرتِ ذکر ۸۵
- ذکر اللہ کے مراتب ۸۷
- ذکر کے درجات ۸۷
- محبوب سے تعلق کے درجات ۸۸
- قلب کا جاری ہونا، ایک مغالطے کا ازالہ ۸۹
- دوسرے مغالطے کا جواب ۹۰
- مشائخِ کرام کے لئے ۹۰
- شیخ کیسا ہونا چاہئے؟ ۹۱
- پیر و مرید کی حیثیت طیب و مریض کی سی ہے ۹۲
- مغالطے کا ازالہ ۹۲
- شیخِ کامل کی پہچان ۹۳

۹۴ رسمی بیعت ضروری نہیں
۹۴ تعلیم و تربیت کے لئے ضروری چیزیں
۹۷ رُوح سلوک
۹۷ ریاضت سے رذائل کا استیصال نہیں ہوتا
۹۹ بیعت و ارادت
۹۹ بیعت کی حقیقت
۹۹ ضرورتِ پیر و مرشد
۱۰۱ محبت و اتباعِ شیخ
۱۰۱ صحبتِ شیخ
۱۰۲ وحدتِ شیخ
۱۰۳ محبت قائم رکھنے کا طریقہ
۱۰۳ دفعِ مغالطات
۱۰۵ عشق و محبت
۱۰۶ ”أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ“ میں کون سی محبت مراد ہے؟
۱۰۷ محبت بڑھانے کا طریقہ
۱۰۸ مغالطوں کا ازالہ
۱۰۹ تصوف کی باطنیت
۱۰۹ اخفاء کی وجہ
۱۱۱ علم شریعت افضل ہے یا علم باطن؟
۱۱۳ ایک مغالطہ
۱۱۳ دوسرا مغالطہ

- ۱۱۴ وحدۃ الوجود کے متعلق مغالطے کا جواب
- ۱۱۵ وجود و شہود کا اصطلاحی فرق
- ۱۱۶ عینیت کے معنی
- ۱۱۸ وحدت وجود کے قول سے چارہ نہیں
- ۱۱۹ توحید ذات، صفات اور افعال میں مغالطے کا جواب
- ۱۲۰ علمی وحدۃ الوجود سے قرب مطلوب حاصل نہیں ہوتا
- ۱۲۰ قرب خداوندی اور اتصال کا مطلب
- ۱۲۱ قرب مطلوب کیا ہے؟
- ۱۲۱ جنت بھی مطلوب بالذات نہ ہو
- ۱۲۲ قرب، کمال دین کا نام ہے
- ۱۲۳ درجہ کمال کے تین اجزا ہیں
- ۱۲۴ عبدیت
- ۱۲۵ تفویض و دُعا کے متعلق مغالطے کا جواب
- ۱۲۷ حیات طیبہ
- ۱۲۷ اصل راحت قلب کی راحت ہے
- ۱۲۹ عافیت اور اطمینان کے دشمن
- ۱۲۹ اصول الوصول اور ضوابط سالک میں فائدہ عجیبہ
- ۱۳۳ آداب الذکر و اقسام الفکر
- یعنی ذکر کے آداب اور غور و فکر کی اقسام
- ۱۳۸ فنا کی اقسام

- ۱۳۹ توحید کی چار اقسام
- ۱۴۰ ذکر کے آداب
- ۱۴۲ سنن و مستحبات ذکر
- ۱۴۶ ذکر کے بعد کے آداب
- ۱۴۸ ذکر اور فکر میں سے کون افضل ہے؟
- ۱۴۹ فائدہ
- ۱۵۱ دُرود شریف
- ۱۵۲ تتمہ رسالہ آداب الذکر
- ۱۵۵ انکشاف الاحوال والاوہام
یعنی احوال و اوہام کا انکشاف
- ۱۵۸ بعض واقعات انکشافیہ کی تشریح و فوائد
- ۱۵۹ انکشافات کی تشریح
- ۱۶۰ انکشافات والوں کی علاماتِ صحت
- ۱۶۱ مرشد کی ضرورت
- ۱۶۱ انوار پر غرہ نہ ہونا چاہئے
- ۱۶۳ حجاباتِ نورانیہ زیادہ مضر ہیں
- ۱۶۴ شبہ کا جواب
- ۱۶۵ راہِ سلوک میں ابتدا و انتہا
- ۱۶۶ ”النهاية هي الرجوع الى البداية“ کا مطلب؟
- ۱۶۷ ترقی کی نہایت ہے یا نہیں؟

- ۱۶۷ فنا کامل آنی ہوگی یا زمانی
- ۱۶۸ ظلوم و جہول کا مطلب
- ۱۶۹ نماز بے خطرہ کب ہوگی؟
- ۱۶۹ فنا سالک کو ہوتی ہے یا مطلوب کو؟
- ۱۷۰ سالک کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟
- ۱۷۳ التنبیین فی ہمزات الشیاطین
یعنی شیطانی مغالطوں کا بیان
- ۱۷۶ فصل اول
- ۱۷۷ فصل دوم: خواطرِ ملکی و حقی
- ۱۷۸ فصل سوم: دجلات و ملمع شدہ وساوس
- ۱۷۹ فصل چہارم: صوفیوں اور پیروں کے لئے دجل و فریب
- ۱۸۱ فصل پنجم: اجابتِ دُعا مقبولیت کی علامت نہیں
- ۱۸۲ اچھا خواب آنا نعمت ہے
- ۱۸۳ فصل ششم: حسن پرستی کا وسوسہ
- ۱۸۳ فصل ہفتم: ملفوظات و مثنوی وغیرہ کے متعلق شیطانی مغالطہ
- ۱۸۵ فصل ہشتم: توحید و جودی اور اس میں مغالطہ
- ۱۸۷ فصل نہم: بزرگانِ اہل قبور سے استفادہ میں دھوکا
- ۱۸۹ فصل دہم: ”غفور رحیم“ کے لفظ سے شیطان کی فریب کاری
- ۱۹۰ فصل یازدہم: صوفیائے کرام کے مجاہدات میں دھوکا دہی
- ۱۹۳ فصل دوازدہم: سماعِ سرود میں شیطانِ لعین کی دھوکا دہی

- ۱۹۴ فصل سیزدہم: تعلیم متعلم میں شیطانِ رحیم کی دھوکا دہی
- فصل چہار دہم: قرآن مجید اور حدیث کے سوا دوسرے علم کو ذریعہ
- ۱۹۵ نجات سمجھنا
- ۱۹۷ فصل پانزدہم: چندہ وصول کرنے میں اور زکوٰۃ کے مال میں مغالطہ
- ۱۹۹ فصل شانزدہم: اموال یتامیٰ میں شیطانی دھوکا
- ۲۰۱ مکائدِ شیطان یعنی شیطانی مکر و فریب
- ۲۰۴ تمہید
- ۲۰۷ باب اول: سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید
- ۲۰۹ باب دوم: بدعتیوں کی مذمت میں
- ۲۱۲ متصوفین کی غلطی
- ۲۱۴ باب سوم: ابلیس کے مکر و فریب سے ڈرانا
- ۲۱۵ اغوائے شیطانی کے اسباب
- ۲۱۶ باب چہارم: شیطان کے مکر و اغوا کا معنی؟
- ۲۱۸ باب پنجم: عقائد و دیانات میں مکر
- ۲۱۹ ملحدین کی خفیہ تدبیریں
- ۲۲۰ روافض کے بعض حالات
- ۲۲۲ باب ششم: علماء کو فنونِ علم میں دھوکا
- ۲۲۲ قاریوں کو دھوکا
- ۲۲۳ اغلاط کی مختصر تشریح
- ۲۲۶ محدثین و فقہاء کی بعض اغلاط

- ۲۲۸ واعظوں اور قصہ گو لوگوں کے لئے تلمیس
- ۲۳۰ عالم و متعلم کے لئے ابلسی دھوکا
- ۲۳۱ شعراء کے متعلق
- ۲۳۱ علمائے کرام کے لئے دھوکا دہی
- ۲۳۳ باب ہفتم: سلاطین کے لئے تلمیس
- ۲۳۵ باب ہشتم: عابدوں کی عبادت میں شیطانی دھوکا
- ۲۳۸ باب نہم: زاہدوں کے زہد میں اغوائے شیطانی
- ۲۴۱ باب دہم: صوفیوں کی اغلاط
- ۲۴۳ متصوفین کی بعض اغلاط
- ۲۴۷ لباسِ شہرت
- ۲۴۸ سماع اور رقص کے بارے میں اغلاط
- ۲۵۲ آج کل کے صوفیہ کے عجائبات
- ۲۵۵ تنہا اور بغیر اسباب کے سفر کرنے میں اغلاط
- ۲۶۳ اُمید کے متعلق
- ۲۶۴ باب یازدہم: مشابہ کرامت کو ولایت سمجھنا
- ۲۶۶ باب دوازدہم: عوام پر تلمیس
- ۲۶۹ ضروری گزارش
- ۲۶۹ عرض
- مجید الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ
- ۲۷۱ کی چند وصیتیں اور مشورے

۲۷۳	صبغة اللہ، طبِ رُوحانی یعنی خدائی رنگ
۲۷۵	تصوف کی تعریف.....
۲۷۵	ولایت و نسبت.....
۲۷۶	تطہیر الظاہر کے دس اُصول.....
۲۷۶	۱... نماز.....
۲۷۶	۲... زکوٰۃ، خیرات.....
۲۷۷	۳... روزہ.....
۲۷۸	روزہ کی تین قسمیں.....
۲۷۹	۴... حج.....
۲۷۹	۵... تلاوت و آدابِ تلاوت.....
۲۷۹	تلاوت کے ظاہری آداب.....
۲۸۰	تلاوت کے باطنی آداب.....
۲۸۰	۶... ذکرِ الہی.....
۲۸۱	ذکر کے لئے ایک مغز اور تین پوست.....
۲۸۱	۷... طلبِ حلال.....
۲۸۲	تقویٰ کے چار درجے.....
۲۸۳	۸... مسلمانوں کے حقوق محفوظ رکھو.....
۲۸۳	۹... امر بالمعروف و نہی عن المنکر.....
۲۸۵	۱۰... اتباعِ سنت.....
۲۸۷	تعمیر الباطن کے دس اُصول.....

- ۲۸۷ ۱... کثرتِ اکل و حرصِ طعام
- ۲۸۸ ۲... کثرتِ کلام و فضول گوئی کی ہوس
- ۲۸۹ فضول جھگڑا کرنا
- ۲۹۰ ۳... غصے کا بیان
- ۲۹۱ ۴... حسد کا بیان
- ۲۹۲ ۵... بخل اور محبتِ مال
- ۲۹۳ ۶... رعونت، شہرت اور جاہ کی محبت اور اس کا علاج
- ۲۹۵ ۷... دُنیا کی محبت اور اس کا علاج
- ۲۹۵ ۸... نخوت و تکبر اور اس کا علاج
- ۲۹۶ تکبر کے اسباب
- ۲۹۸ ۹... خود پسندی کا علاج
- ۳۰۰ ۱۰... ریا کا بیان
- ۳۰۱ ریا کی اقسام
- ۳۰۳ ریا جلی و خفی
- ۳۰۴ تعمیر الباطن کے دوسرے جزو، اخلاقِ محمودہ کی تفصیل
- ۳۰۵ ۱... توبہ کا بیان
- ۳۰۷ توبہ کی حقیقت اور اقسام
- ۳۰۷ ۲... خوفِ الہی کا بیان
- ۳۰۷ تحصیلِ خوف کا طریقہ
- ۳۰۸ خوف کی حد
- ۳۰۸ رجائے مقبول

- ۳۰۸ ۳... زُہد کا بیان
- ۳۰۹ زُہد کی حقیقت، ثمرہ اور درجات
- ۳۰۹ زُہد کے اسباب
- ۳۱۰ ۴... صبر کا بیان
- ۳۱۱ صبر کے درجات
- ۳۱۲ صبر طاعت
- ۳۱۲ صبر عن المعصیت
- ۳۱۲ صبر علی المکارہ
- ۳۱۲ ۵... شکر کا بیان
- ۳۱۳ شکر کے ارکان
- ۳۱۴ ۶... اخلاص اور صدق کا بیان
- ۳۱۵ ایک عمل میں کئی نیتیں
- ۳۱۶ صدق کے درجات
- ۳۱۸ ۷... توکل کا بیان
- ۳۱۸ توکل کے ارکان
- ۳۲۰ ۸... محبت کا بیان
- ۳۲۱ اسباب محبت
- ۳۲۲ ۹... رضا بر قضا کا بیان
- ۳۲۳ معصیت و کفر کی دو حیثیتیں
- ۳۲۳ ۱۰... فکر موت کا بیان
- ۳۲۵ خاتمہ در حسن خلق

- ۳۲۶ شجاعت
- ۳۲۶ پارسائی
- ۳۲۷ بداخلاقوں کا علاج
- ۳۲۹ سلسلہ قادریہ کے اسباق
- ۳۳۳
- الستحلی فی الانوار والستحلی**
یعنی انوار و تجلی کی حقیقت
- ۳۳۶ انوار کس کس چیز سے پیدا ہوتے ہیں؟
- ۳۳۷ انوار کا اعلیٰ درجہ
- ۳۴۰ مکاشفات اور ان کی اقسام کا مختصر نقشہ
- ۳۴۲ کشفِ نظری
- ۳۴۲ کشفِ شہودی (قلبی)
- ۳۴۳ مکاشفاتِ سری
- ۳۴۳ مکاشفاتِ رُوحی
- ۳۴۴ مکاشفاتِ خفی
- ۳۴۵ تجلیٰ ذات و صفاتِ خداوندی
- ۳۴۶ تجلیٰ رُوحانی اور تجلیٰ ربانی میں فرق
- ۳۴۷ تجلیٰ حضرتِ حق دو قسم پر ہے
- ۳۴۸ تجلیٰ صفات کی قسمیں
- ۳۵۰ صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں
- ۳۵۱ مکاشفہ اور تجلی میں فرق

۳۵۵	عمدۃ الازکار فی علاج قلوب الابرار
	یعنی ابرار کے قلوب کا علاج
۳۵۸	عقائد
۳۶۰	عبادات
۳۶۰	معاملات
۳۶۳	آداب معاشرت
۳۶۳	ولایت اور مقامات سلوک
۳۶۳	اثبات رتبہ ولایت
۳۶۶	فصل: تحقیق ولایت
۳۶۶	ولایت کیا چیز ہے اور وصول الی اللہ کا معنی کیا ہے؟
۳۶۶	فصل: مدار ولایت
۳۶۸	تصوف کی تعریف، موضوع اور غایت
۳۶۹	فصل: تحصیل نسبت اور ضرورت شیخ و مرشد
۳۶۹	علامات شیخ کامل
۳۷۱	فصل: ریاضت و مجاہدہ
۳۷۲	مجاہدہ اجمالی
۳۷۲	مجاہدہ تفصیلی
۳۷۳	توبہ
۳۷۴	طریق تحصیل
۳۷۴	احکام

۳۷۴	صبر
۳۷۵	شکر
۳۷۶	خوف
۳۷۶	رِجَا
۳۷۷	زُہد
۳۷۸	توحید
۳۷۹	توکل
۳۸۰	محبت
۳۸۰	شوق
۳۸۱	اُنس
۳۸۲	رضا
۳۸۲	نیت و ارادہ
۳۸۳	إِخْلَاص
۳۸۴	صدق
۳۸۵	مراقبہ
۳۸۶	اخلاقِ ذمیمہ
۳۸۶	شہوت
۳۸۷	آفاتِ لسانی
۳۸۷	غضب
۳۸۸	حقد
۳۸۹	حسد

۳۸۹	حب دُنیا
۳۹۰	بجَل
۳۹۱	حِص
۳۹۱	حب جاہ
۳۹۲	ریا
۳۹۳	تکبر
۳۹۴	عجب
۳۹۵	فصل: آدابِ اُستاد و پیر
۳۹۵	حقوقِ اُستاد
۳۹۶	حقوقِ پیر
۴۰۳	فصل: شیخ کا مرید سے برتاؤ
۴۰۴	فصل: طریقِ تربیت
۴۱۰	فصل: ترتیبِ مراقبات
۴۱۰	مراقبہ کی تعریف
۴۱۳	مراقبہٴ اُحدیت
۴۱۳	مراقباتِ مشارب
۴۱۳	مراقبہٴ لطیفہٴ قلب، مشربِ آدم
۴۱۵	مراقبہٴ لطیفہٴ رُوح مشربِ ابراہیم و نوح
۴۱۶	مراقبہٴ لطیفہٴ سر مشربِ موسیٰ
۴۱۷	مراقبہٴ لطیفہٴ خفی مشربِ عیسیٰ
۴۱۸	مراقبہٴ لطیفہٴ انہی مشربِ محمدی
۴۱۹	نیتِ مراقبہٴ معیت

۲۲۰ توحید و جودی کی تشریح
۲۲۳ مراقباتِ ولایتِ کبریٰ
۲۲۹ نیتِ دائرہٴ اُولیٰ
۲۳۰ دائرہٴ ثانیہ
۲۳۰ دائرہٴ ثالثہ
۲۳۱ مراقبہٴ اسمِ "الظاہر"
۲۳۱ مراقبہٴ اسمِ "الباطن"
۲۳۲ مراقبہٴ کمالاتِ نبوت
۲۳۳ مراقبہٴ کمالاتِ رسالت
۲۳۴ مراقبہٴ کمالاتِ اولوالعزم
۲۳۵ مراقبہٴ حقیقتِ کعبہ ربانی
۲۳۵ مراقبہٴ حقیقتِ قرآن مجید
۲۳۶ مراقبہٴ حقیقتِ صلوة
۲۳۷ مراقبہٴ معبودیتِ صرفہ
۲۳۸ مراقبہٴ حقیقتِ ابراہیمی
۲۳۹ مراقبہٴ حقیقتِ موسوی
۲۴۰ مراقبہٴ حقیقتِ محمدی
۲۴۰ مراقبہٴ حقیقتِ احمدی
۲۴۱ مراقبہٴ حبِ صرف
۲۴۱ مراقبہٴ دائرہٴ لاتعین
۲۴۳ فصل: توجہ معمولہ حضراتِ نقشبندیہ ^۲
۲۴۳ تعریفِ توجہ

۲۴۳	طریق توجہ
۲۴۳	شرائط توجہ
۲۴۵	آداب توجہ
۲۴۵	فصل: تعدد پیر
۲۴۷	فصل: نقشبندیہ کے بعض اصطلاحی کلمات
۲۴۷	ہوش در دم
۲۴۷	نظر بر قدم
۲۴۸	سفر در وطن
۲۴۸	خلوت در انجمن
۲۴۸	یاد کرد
۲۴۹	بازگشت
۲۴۹	نگاہداشت
۲۵۰	یادداشت
۲۵۰	وقوفِ زمانی
۲۵۰	وقوفِ عددی
۲۵۰	وقوفِ قلبی
۲۵۱	فصل: در معارف
۲۵۱	وحدة الوجود
۲۵۳	فصل: تنزلاتِ ستہ
۲۵۵	فصل: در بابِ احوال
۲۵۵	قبض و بسط
۲۵۶	انس و ہیبت

۴۵۶	وجد اور اُس کے مراتب
۴۵۶	فرق، جمع اور جمع الجمع
۴۵۷	تمکین و تلوین
۴۵۷	فنا و بقا
۴۵۸	غیبت و حضور
۴۵۹	سکر و صحو
۴۵۹	محو و اثبات
۴۵۹	تجلی و استتار
۴۶۱	فصل: در اصطلاحات
۴۶۱	ملا متی و قلندر
۴۶۱	مجزوب سالک
۴۶۱	اتصال
۴۶۲	وقت و نفس
۴۶۲	تجرید و تفرید
۴۶۲	حریت
۴۶۳	قرب و بُعد
۴۶۳	خاطر و اقسام
۴۶۴	وارد
۴۶۴	شاید
۴۶۵	شطح
۴۶۵	تمثل
۴۶۶	خلع

۴۶۶	بروز
۴۶۷	فارسی کے بعض اصطلاحی الفاظ
۴۷۰	تصویرِ شیخ
۴۷۱	فصل: حجاب کی اقسام اور وقوفِ سالک
۴۷۲	فصل: در اقسام اولیاء
۴۷۳	فصل: اصلاح اغلاط میں
۴۷۷	مسائل فرعیہ
۴۸۰	مسئلہ سماع
۴۸۲	تمتہ
۴۸۷	تحقیقات مفیدہ
۴۸۸	آثار سلوک ولایت
۴۸۸	آثار سلوک نبوت
۴۹۱	تحقیق لطائف ستہ
۴۹۲	مقامات لطائف
۴۹۲	ہر لطیفہ کا رنگ
۴۹۴	مراتب یقین
۴۹۳	نصیحت
۴۹۴	وصیت
۴۹۷	مراقبہ موت
۵۰۱	ضرورت الشریعہ والطریقہ
۵۰۷	نبوت، ولایت سے افضل ہے

۵۰۹	تصوف کے متعلق عرض
۵۰۹	تصوف و شریعت ایک دوسرے کے عین ہیں
۵۱۰	تصوف کے بغیر کامل مسلمان ہونا مشکل ہے
۵۱۱	باطن کی صفائی وہی معتبر ہے جو اتباع شریعت میں ہے
۵۱۱	ضرورتِ شیخ
۵۱۲	اذکار، اشغال اور مجاہدات بدعت نہیں
۵۱۳	بعض اذکارِ صوفیہ کے چند فوائد کا بیان
۵۱۴	بعض معروضاتِ ضروریہ
۵۱۶	خلاصہ و مختصر نقشہ تصوف
۵۱۸	وحدة الوجود
۵۱۹	فنا
۵۱۹	بقا
۵۱۹	اجابتِ دُعا
۵۲۰	فراستِ صادقہ
۵۲۰	رُویا صالحہ
۵۲۰	وجد
۵۲۰	تصویرِ شیخ
۵۲۰	عشقِ مجازی
۵۲۱	سمع
۵۲۱	تصرف
۵۲۱	کشفِ کونی
۵۲۲	کشفِ الہی

- ۵۲۲ وحدۃ الوجود مع السکر
- ۵۲۲ موانع طریق
- ۵۲۳ فوائد مختلفہ
- ۵۲۳ دُرود شریف کا حکم
- ۵۲۴ ثمرات مقصود نہیں، صرف رضائے الہی مقصود ہے
- ۵۲۴ مشورہ کی برکت
- ۵۲۴ تصوف کا ہر شخص اہل ہے
- ۵۲۵ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی حقیقت
- ۵۲۵ عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کرنے کا نکتہ
- ۵۲۵ توحید کی برکت
- ۵۲۵ دین بزرگوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے
- ۵۲۶ قرآن رُونمائے حق ہے
- ۵۲۶ وحدۃ الوجود کی حقیقت
- ۵۲۶ فنا و بقا کی تعریف
- ۵۲۶ عقائد
- ۵۲۷ عظمتِ حق کا اثر
- ۵۲۷ بچوں پر زیادتی
- ۵۲۷ بچوں سے خدمت لینے کا حکم
- ۵۲۷ فوت شدہ اور لاپتہ کے حقوق کی ادائیگی
- ۵۲۸ دین کا کمال کس پر موقوف ہے؟
- ۵۲۸ دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے
- ۵۲۸ نورِ ایمان کی تحصیل کا طریقہ

- ۵۳۰ احوالِ تصوف میں بعض ارشادات
- ۵۳۰ اپنے آپ کو بدترین خلایق سمجھنا
- ۵۳۰ غم کی حکمت
- ۵۳۰ علومِ مکاشفہ کا درجہ
- ۵۳۱ کرامت کا رتبہ
- ۵۳۱ علومِ کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے
- ۵۳۲ جو کیفیت معصیت کے ساتھ ہو وہ مردود ہے
- ۵۳۲ خواب کا درجہ
- ۵۳۲ جب نورانیہ، جب ظلمانیہ سے اشد ہیں
- ۵۳۳ مطلوب، عقلی گریہ ہے، نہ کہ طبعی گریہ
- ۵۳۳ ذکر اللہ اور اس کے متعلقات
- ۵۳۳ ذکر میں ضرب کا حکم
- ۵۳۳ تصورِ بوقتِ ذکر
- ۵۳۳ تصورِ الی السماء کا حکم
- ۵۳۳ ذکر میں عدم لذتِ انفع ہے
- ۵۳۳ ذکر میں وضو کا حکم
- ۵۳۵ ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق
- ۵۳۵ نماز میں ذکر کا حکم
- ۵۳۵ ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج
- ۵۳۶ دُرود شریف
- ۵۳۷ اللہ اور رسول کا مقصود
- ۵۳۷ تمام کاموں میں نفس کو مشقت کا عادی بناؤ

- ۵۳۸ حصولِ نسبت کی حقیقت
- ۵۴۰ تحصیلِ نسبت کے لئے اکسیر نسخہ
- ۵۴۱ اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج
- ۵۴۱ خلاصہ تصوف علم مع العمل ہے
- ۵۴۳ اصلاحِ رذائل
- ۵۴۳ دُنیاۓ مذموم کی شناخت
- ۵۴۳ حبِ دُنیا کی علامت
- ۵۴۳ غفلتِ مذموم
- ۵۴۳ مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زہد نہیں
- ۵۴۴ حصولِ دُنیا پر فخر کرنے کی مثال
- ۵۴۴ کسبِ دُنیا مذموم نہیں
- ۵۴۴ دُنیا کی مثال
- ۵۴۵ حرصِ مذموم کی شناخت
- ۵۴۵ حرص کا علاج اور خوشی کا راز
- ۵۴۵ بخلِ مذموم
- ۵۴۵ بخیل کی اجازت
- ۵۴۶ اِسراف سے بچنے کا طریقہ
- ۵۴۶ حرصِ طعام اور اس کا علاج
- ۵۴۶ آدابِ طعام
- ۵۴۷ کثرتِ کلام کی مذمت
- ۵۴۷ نقصان دہ بات کی شناخت
- ۵۴۸ معصیتِ لسانی سے بچنے کا طریقہ

۵۴۸	جھوٹ کا عملی علاج
۵۴۸	حبِ جاہ کی حقیقت
۵۴۹	ترقیِ مروّجہ اور ترقیِ حقیقی کا فرق
۵۵۰	انفاسِ طیبات اولیائے کرامؑ
۵۵۲	توحیدِ فعلی
۵۵۳	توحیدِ صفاتی
۵۵۳	توحیدِ ذاتی
۵۵۷	چند نکاتِ تصوف منقولہ از مکاتیب حضرت مجدد الف ثانیؒ
۵۵۷	دُرود شریف
۵۵۷	بڑی چوری
۵۵۷	تجلی دو قسم ہے
۵۵۸	عشق و محبت
۵۵۸	گناہِ کبیرہ
۵۵۹	علم، شہود، معرفت اور حیرت
۵۵۹	استغراق و استہلاک
۵۵۹	حسن و کمال
۵۶۰	سنت و بدعت
۵۶۱	احوال، مواجید، علوم اور معارف
۵۶۲	مبشراتِ منامیہ
۵۶۷	تمہ حقوق الزوجین

الْوَقْفُ بَعْدَ الْأَوْلِيَاءِ

یعنی

سامین سکے گئے وعدے



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
 عَلَى سَيِّدِ الْأَوْلِيَاءِ وَالْآخِرِينَ مُحَمَّدٍ خْتَمِ الْمُرْسَلِينَ مُرَادُ
 الْعَاشِقِينَ مُرَامِ الْمُشْتَاقِينَ وَعَلَى أَصْحَابِهِ وَعِزَّتِهِ
 الطَّاهِرِينَ الطَّيِّبِينَ صَلَاةً وَسَلَامًا دَائِمِينَ مُتَلَازِمِينَ إِلَى
 يَوْمِ الدِّينِ كَمَا يُحِبُّ وَيَرْضَى، آمِينَ، أَمَا بَعْدُ!

جاننا چاہئے کہ ہر مسلمان کو عموماً اور سالکین کو خصوصاً واجب ہے کہ تزکیہ
 اخلاق، دُستی معاملات و معاشرت، پاس آداب، انتظام امور اور مصالح عباد کا تمام تر
 اہتمام کریں۔

تصوف صرف اس کا نام نہیں کہ اُردو و اشغال کی کثرت کی جائے، تسبیحیں
 اور نوافل زیادہ پڑھ لیں، پاس انفاس کی مشق بڑھالیں، انوارات و انکشافات ہونے
 لگیں، دل جاری ہو جائے، تو بس مدعائے تصوف حاصل ہو گیا۔

حالانکہ تصوف کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تمام معاملات اور معاشرت
 میں ہر چیز کا حق ادا ہو، اور وہ آداب بھی، جن کے بعد کسی کو زبان و ہاتھ وغیرہ سے
 ایذا نہ پہنچے، اور تمام امور کا ایسا انتظام ہو کہ تمام اُلجھنوں سے یکسو ہو کر جمعیت و یکسوئی

کے ساتھ مشاہدہٴ جمالِ حقیقی نصیب ہو، اور ایسا تزکیہ نصیب ہو کہ دربارِ الہی کی پاک جماعت میں شامل ہونے کی قابلیت پیدا ہو، کیونکہ مرتبہٴ احسان جس کو حصولِ نسبت کہتے ہیں، خاص صدیقین و اولیائے صالحین کا مقام ہے، بغیر تزکیہ کے ایسی منزہ مجلس میں باریابی کیسے ہوگی؟ ایسے اعلیٰ و برتر مقصد کے لئے جس کے سامنے سلطنتِ ہفت اقلیم گرد ہے:

پس از سی سال این نکتہ محقق شد بخاقانی

کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اور اگر شیخ مرشد اس کے اقوال و افعال پر مؤاخذہ کرے تو یہ نہ کہنے لگے کہ

شیخ بہت سخت گیری کرتے ہیں:

گر بہ ہر زخمی تو پر کینہ شوی

بس کجا بے صیقل آئینہ شوی

اگر اس راستے میں قدم رکھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے کبر اور حسبِ جاہ کو

فنا کر دینا چاہئے، اگر برسرِ راہ جو تیاں بھی ماری جائیں، تو دل میں تغیر اور پیشانی پر بل

نہ پڑے:

ناز پروردہ نہ برد راہ بہ دوست

عاشقی شیوہٴ رندانِ بلاکش باشد

در رہِ لیلیٰ خطر ہا است بہ جاں

شرطِ اول آن ست کہ مجنوں باشی

عاشق کو اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے سرمد کی یہ رُباعی پیشِ نظر رکھنی چاہئے:

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد

یک کار ازیں دو کار مے باید کرد

یا تن برضائے دوست مے باید داد

یا قطع نظر زیار مے باید کرد

ترجمہ: "... ہمیشہ گلہ (ریوڑ) مختصر کرنا چاہئے، ان دو

کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہئے، یا جسم دوست کی رضا میں

دینا چاہئے، یا یار سے نظر پھیر لینی چاہئے۔"

اسی بنا پر کتبِ متقدمین "الدر المنضود" وغیرہ میں سے چند مضامین ان

وصیتوں میں سے جو مشائخِ عظام نے اپنے مریدین و معتقدین کو فرمائی ہیں اور جو عہد

لئے ہیں، پیش خدمت ہیں، جو کچھ بندہ نے صحیح لکھا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے،

اور جن میں غلطی ہوئی، وہ بندہ کی جانب سے ہے، اُمید ہے کہ ان میں ناظرینِ کرام

اصلاح کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان مضامین کو میرے، میرے احباب اور تمام مسلمانوں

کے لئے ذریعہ نجات بنائے، آمین!

جاننا چاہئے کہ احکامِ شرع شریف دو قسم پر ہیں: ۱... عزیمت، ۲... رخصت۔

۱... عزیمت: اصلی حکم کو کہتے ہیں، جو افضل ہوتا ہے۔

۲... رخصت: وہ حکم ہے جس کو شارعِ علیہ السلام نے بہ لحاظِ عذر کے ترک

کرنا جائز رکھا ہے، مثلاً: سفر میں اگر مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا عزیمت ہے، اور افطار

بھی جائز ہے۔ یہ رخصت ہے، اسی طرح اکثر اوقات میں ذکر اللہ کرنا عزیمت ہے،

اور فرائض کے اوقات کے علاوہ آرام کرنا جائز ہے، یہ رخصت ہے۔

بھول چوک پر سزا:

مشائخِ کرام کا قاعدہ ہے کہ مرید سے بغرضِ اصلاح عہد لیتے ہیں کہ

ہمیشہ عزیمتوں پر عمل کرے اور رخصتوں پر عمل نہ کرے، کیونکہ اس میں ترقی نہیں

ہوتی، پس مرید کو چاہئے کہ اعتراض نہ کرے کہ شیخ، اللہ تعالیٰ کی مشروع کی ہوئی چیز سے روکتا ہے۔

اہل طریق کا اجماع ہے کہ جو شخص رخصتوں کا عادی ہو، وہ طریق سلوک میں کامیاب نہیں ہوتا، کیونکہ یہ راستہ محنت، مشقت اور عزیمتوں کے اختیار کرنے کا راستہ ہے۔

اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ مرشد، مرید کو بھول چوک پر سزا دیتے ہیں، اگرچہ خطا پر گرفت و مواخذہ اٹھادیا گیا ہے، مگر اہل طریق کہتے ہیں کہ ہمارے طریق میں خطا و نسیان نادر چیز ہے، کیونکہ یہ راستہ بیداری، تہیّظ، احتیاط، فکر مندی، حضور قلب اور درگاہ حق سبحانہ کی طرف توجہ کا ہے، مرید کو ہر وقت متہیّظ، محتاط اور فکر مند رہنا چاہئے۔

وہ عہد جو مشائخ مریدوں سے لیتے ہیں:

عہد: ا:۔۔۔ مرید تمام مسلمانوں سے اپنے آپ کو کم تر سمجھے، اگرچہ وہ شخص ظاہر میں بُرا ہی معلوم ہوتا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہو، اور اس کا نہ ہو، یا اللہ تعالیٰ اُس کو معافی دے دے، اور اس کو نہ دے، یا اس میں کوئی ایسا عیب ہو جو اُس کے تمام عیبوں سے بڑھ کر ہو، یا برابر ہو، حتیٰ کہ سالک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر جانتا ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک سالک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے، کوچہ تصوف تک نہیں پہنچ سکتا:

ہر کہ او بر عیب خود بینا شود

رُوح اورا قوتے پیدا شود

یہی مضمون حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری وغیرہم سے

منقول ہے۔

عادل کی کنیت:

اہل طریق کی اصطلاح میں تواضع میں کامل کا نام عادل ہے، کیونکہ وہ پورا اعتدال کرتا ہے، اور اس کی کنیت ابوالعیون ہوتی ہے، جس کے معنی ہیں: بہت سی آنکھوں والا، کیونکہ ہر چیز دیکھنے کے لئے اس سالک میں ایک خاص آنکھ ہوتی ہے کہ اس کو اسی آنکھ سے دیکھتا ہے، مثلاً: تواضع خالصاً للہ کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ہمیشہ اپنے ہم نشین کے مقابلے میں بہ نظر حقارت دیکھتا ہے، اور جو انعامات و افضالِ خداوندی اس پر ہیں، معیارِ شرعی میں رہ کر وہ کبھی اپنے آپ کو ہر پاس بیٹھنے والے سے بڑھ کر نہیں دیکھتا، اسی لئے تواضع میں کامل (سالک) جامع اضداد ہوتا ہے، اضداد سے مراد وہ صفات ہیں جو ظاہراً کسی میں بیک وقت جمع نہ ہو سکیں، وہ عادل ان کو پوری طرح جمع کر دیتا ہے، مثلاً: تواضع اور شکر، ظاہراً دونوں کا بیک وقت جمع ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے، مگر بلاخاظ ”وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ (الضحیٰ: ۱۱) (سالک) شاکر ہے، اور اپنے اعمال پر نظر کرتے ہوئے متواضع بھی ہے۔

متواضع صحیح کی چند علامات:

۱:۔۔۔ تمام مخلوق کی اذیت کو برداشت کرتا ہے، تکلیف کا بدلہ انتقام سے نہیں لیتا، وہ سمجھتا ہے کہ میں اس تکلیف کے لائق تھا۔

۲:۔۔۔ کسی کا اپنی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا پسند نہیں کرتا، کیونکہ وہ اپنے کو قیام کا مستحق نہیں سمجھتا۔

۳:۔۔۔ کسی کی مذمت سے دل گرفتہ نہیں ہوتا، وہ سمجھتا ہے کہ یہ مذمت اور اتہام بجا ہے، میں ایسا ہی ہوں، ہاں! شرعی مصلحت کی بنا پر کبھی اپنی براءت ظاہر کی جاتی ہے، تاکہ آئندہ مذمت و اتہام تبلیغ میں مانع نہ ہو۔

۴: متواضع مسجد میں تنہا داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتا، اس لئے کہ شاہی دربار میں اکیلے جانے کی ہمت کیسے ہو؟ وہاں دُوروں کے ساتھ لگا لپٹا چلا جاتا ہے، اسی بنا پر بعض مرتبہ سالک کو صفِ اول میں کھڑا ہونے کی ہمت نہیں ہوتی، کیونکہ بادشاہ کے قرب کے لئے خاص جماعت ہوتی ہے، وہ مارے ہیبت کے کانپتا ہے، مگر کسی کو کیا خبر کہ اس جیسے متواضع سالک کے لئے دُوسری صفِ اول سے ہزار ہا بڑھ کر ہے۔

۵: جو لوگ اس کی مجلس میں بیٹھتے ہیں یا اس کے سلام کا جواب دیں یا خود اس کو سلام کریں، ان کا احسان مانتا ہے، تو گویا سمجھتا ہے کہ میرے اتنے عیوب ہیں کہ سب پر کھلے ہوئے ہیں، سب کے نزدیک بُرا ہوں، پھر کسی کا مجھے سلام کرنا یا بیٹھنے دینا، اس کا احسان ہے۔

۶: یہ بھی متواضع کی علامت ہے کہ اس کے سامنے لوگ جس قدر مراتب کمال کا دعویٰ کریں، وہ اکثر کو تسلیم کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں حقیر ان بڑے درجہ والوں کے کمال کا کیسے احاطہ کر سکوں؟ وغیر ذالک۔

ہر طعن و تشنیع کو برداشت کرے:

عہد: ۲: ... شیخ مرید سے عہد لیتا ہے کہ ہر بلا، طعن، تشنیع اور استہزاء وغیرہ کو برداشت کرے، کیونکہ دربارِ الہی میں داخل ہونے کی ہر ایک تمنا کرتا ہے، اور اس دربار میں داخل ہونا اس شخص کے لئے حرام ہے جو مخلوق کی نگاہوں میں کوئی مرتبہ، مثلاً: پیر بننا، خلیفہ ہونا وغیرہ، اپنے لئے چاہتا ہے، اس لئے حق تعالیٰ جل شانہ اس پر مخلوق کو مسلط کر دیتا ہے اور مخلوق اس کی آبرو اور جاہ کو چاک کرتی ہے، یہاں تک کہ بجز حق تعالیٰ شانہ کے کسی کی طرف اس کا میلان نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ ہی پر اس کا

بھروسا و اعتماد رہ جاتا ہے، ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اس کو اپنا بنا لیتا ہے۔

صفاتِ خبیثہ، حجابات کا ذریعہ:

اگر مخلوق میں کوئی تیرتا ہوا جاتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ سے محبوب ہے، جتنی صفاتِ خبیثہ بڑھتی جائیں گی، اسی قدر حجابات بڑھتے جائیں گے، حتیٰ کہ بعض وقت اس سالک کے اور خدا کے درمیان ستر ہزار یا زائد پردے حائل ہو جاتے ہیں، غالباً علامہ جامیؒ نے فرمایا:

”خدا یا ہمہ خلق را بر من بدظن بکن“

(اے میرے خدا! تمام مخلوق کو مجھ سے بدگمان رکھ)

ایسی چیزیں اسی قبیل سے ہیں۔

دوئی مٹنے کی علامات:

دوئی کے مٹنے کا معنی اس کے قریب قریب ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ ”الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ“ یعنی کسی سے دوستی ہے تو اللہ کے لئے، اور دشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔

اور یہ بھی کہ سالک کبھی کسی کی مدح و تعریف سے غلط فرحت میں نہیں آتا، اور مذمت و بُرائی سے دل گرفتہ نہیں ہوتا۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا ارشاد ہے کہ: انبیاء و اولیاء کے بارے میں عادت اللہ یہی جاری ہے کہ پہلے ابتدائی حالت میں ان پر تکلیف مسلط کرتے ہیں، پھر جب وہ صبر کرتے ہیں تو انجام کار انہی کا غلبہ ہوتا ہے۔

جماعت سے پہلے نہ آئیں:

عہد: ۳: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مسجد میں جماعت کے

وقت سے پہلے نہ آیا کریں، اِلَّا یہ کہ اپنے اندر غیبت اور بیہودہ کلام وغیرہ سے بچنے کی طاقت پاتے ہوں، وگرنہ مسجد میں جماعت کے وقت سے پہلے کبھی نہ آنا چاہئے اور سلام و دُعا کے بعد فوراً مسجد سے نکل جانا چاہئے۔

لوگ جمعہ کے دن مسجد میں سویرے آکر لوگوں کی عیب چینی، کسی بزرگ، عالم یا قاضی وغیرہ پر طعن، پھر جماعت تک اسی جھگڑے میں وقت گزار دیتے ہیں، پھر ایسی ظلمت کے ہوتے ہوئے نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسجد میں باتیں کرنا نیکی کو ایسا برباد کرتا ہے جیسے آگ لکڑی کو، یعنی جو شخص باتیں کرنے کے لئے مسجد میں نشست کرے یا مسجد میں باتیں کرنا پسند کرے اس کے لئے یہ وعید ہے۔

عہدہ داروں کے لئے دِل سے دُعا کریں:

عہدہ: ۴: ... شیخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تمام حکام و عہدہ داروں کی ان کے مرتبہ کے موافق صبح و شام حفاظت کریں، اور دِل سے ان کا خیال رکھیں، اگر ان سے غلط فیصلہ ہو یا ظلم میں مبتلا ہوں تو دِل سے ان کے لئے دُعا کریں کہ حق تعالیٰ ان کو بچائے رکھے۔

دفعِ شبہ: ... حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

یہ قطب کی شان ہوتی ہے کہ ان کو تمام بندوں کے مصالح کا خیال رکھنے کا حکم ہوتا ہے، اسی بنا پر قطب ان لوگوں کا حال پوچھتے ہیں۔ اور خیال رکھنے کا معنی باطنی توجہ اور دِل سے دُعا کرنا ہے، اور یہ معنی نہیں کہ تمام امور سلطنت ان کے سپرد ہوتے ہیں، حقیقت میں یہی اقطاب کام کرتے ہیں، اور احکامِ سلاطین ظاہر میں ہیں۔ قطب ربّ تعالیٰ میں مشغول ہوتا ہے، نہ کہ دُنیا میں، فافہم!

مسلمانوں کے ساتھ نرم رہیں:

عہد: ۵:.... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرم ہو کر رہیں، جب تک کہ وہ کسی بُرائی کی طرف نہ بلائیں۔ حدیث میں ”لَيْسُوا فِئِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ“ (کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ)، یعنی اگر کوئی تم کو صاف برابر کرنے کے لئے آگے پیچھے کرے، تو اس کی اطاعت کرو، ہٹ اور ضد نہ کرو، اسی طرح شریعت کے ہر کام میں تمہیں لانا یا ہٹانا چاہیں، تو حدودِ شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن کی اطاعت کرو۔

حرام کلام و طعام سے بچنے کا حکم کریں:

عہد: ۶:.... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے تمام قرآن پڑھنے والے بھائیوں کو حکم کریں کہ وہ اپنی زبان کو جھوٹ اور غیبت سے بچائیں، اور اپنے منہ کو حرام و مکروہ کھانے سے گندہ نہ کریں۔ اسی طرح حدیثِ رسول کے پڑھنے اور پڑھانے والے کے لئے حکم ہے، اور دیگر علماء اور صالحین کے کلام کا بھی یہی ادب ہے۔ سیدی ابراہیم الدوستی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

”اپنے منہ کو تلاوتِ قرآن مجید کے لئے پاک و صاف رکھا کرو، کیونکہ جو شخص منہ کو حرام بات یا حرام کھانے سے آلودہ کر کے بغیر توبہ کے قرآن مجید پڑھنے لگے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قرآن کو ناپاکی پر رکھے، ایسے آدمی کا جو حکم ہونا چاہئے، وہ سب کو معلوم ہے۔ بعض اولیاء اپنے مشاہدے میں اس کو باطنی گندگیوں سے زیادہ پلید دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔“

مناظرہ و مباحثہ نہ کریں:

عہد: ۷: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جس شخص کی عادت لڑنے جھگڑنے اور حق بات کا انکار کرنے کی ہو، اس کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ سے دلائل قائم کرنے کا برتاؤ نہ کریں، ایسے آدمی کا نفس جب جوش میں ہوتا ہے تو وہ ہوش میں نہیں رہتا اور حد سے بڑھنے لگتا ہے، اور جو کوئی اس کی عقل و فکر کا مقابلہ کرے، اس کی آبرو چاک کرتا ہے، چاہے وہ اس کا شیخ ہی کیوں نہ ہو، لہذا اس کے ساتھ بطور تعریض کے دوسروں سے مخاطب ہو کر عام مجالس میں بطور تلافی و نرمی کے اس کے امراض کا بیان کرتا رہے، شاید کہ وہ اصلاح میں آجائے۔

دُشمن سے بھلائی کریں:

عہد: ۸: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو ان کا مخالف اور درپے آزار ہو، اس سے اچھا برتاؤ، احسان، سلوک اور بھلائی کا معاملہ ختم نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ باوجود ہماری بُرائیوں کے جیسا سلوک کرتے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرو، محروم کرنے اور سخت بات کہنے کا معاملہ نہ کرو، البتہ جہاں سختی ہی نافع ہو، وہاں مضائقہ نہیں۔

اپنے آپ کو کم تر سمجھے:

عہد: ۹: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے حقیقی مرتبے کو ہر مومن کے مرتبے سے کم تر سمجھیں، جس کی مثال محسوسات میں مٹی کی سی ہے کہ چلنے والے لوگ قدم سے اسے پامال کرتے ہیں، اس پر موتے ہیں۔ زمین ہماری ماں ہے اور یہ کسی عاقل کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو اپنی ماں

سے زیادہ برتر سمجھے، اگر اس مقام میں پختگی حاصل ہوئی تو اس کو خوشنودیِ خلق و خالق ہمیشہ نصیب رہے گی۔

پختہ ہونے کی علامت:

اس مقام میں پختہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جس قدر تمام مخلوق میں متفرق عیوب موجود ہیں، اگر وہ سب کے سب اس سالک کی طرف منسوب کر دیئے جائیں تو وہ ان میں اپنے بتلا ہونے کو مستبعد نہ سمجھے، کیونکہ اگر ابھی بتلا نہیں ہوا تو کیا عجب کہ آئندہ ان میں بتلا ہو جائے؟ یا کم از کم ان کا قصد کرے؟ یہ عہد، پہلے عہد کی فرع ہے۔

طالب کو پوری محبت کے بعد بیعت کریں:

عہد: ۱۰:۱... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک طالب کو پوری محبت نہ ہو جائے، اس وقت تک اس سے عہد بیعت نہ لیں، پوری محبت یہ کہ ہمارے اوپر بیوی بچوں میں سے کسی کو مقدم نہ کرے، یہ مشائخ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

”کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا جب

تک میں اس کی بیوی بچوں اور تمام آدمیوں سے زیادہ اس کو

محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۴)

شیخ سے نفع لینے کی شرط:

عارف باللہ شیخ عدی بن مسافر جو اس طریق کے رکنِ اعظم ہیں، فرماتے ہیں:

”تم کسی شیخ سے نفع نہیں لے سکتے، جب تک کہ اس

پر تمہارا اعتقاد اس کے تمام ہم جنسوں سے زیادہ بڑھا ہوا نہ ہو،

کہ میرا پیر سب سے افضل ہے۔“

سیدی علی بن وفا نے فرمایا ہے:

”اگر تو چاہتا ہے کہ میری بات سنے تو غیروں کی

باتوں سے کان خالی کر۔“

یہ مسئلہ اصطلاحِ صوفیہ میں ”وحدتِ مطلب“ کے نام سے مشہور ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ زمانہ طلب میں حصولِ نسبت سے قبل سالک بجز ایک شیخ کے کسی کی طرف رجوع نہ کرے، ورنہ عادتاً حصولِ نسبت دشوار ہے، اور حصولِ نسبت کے بعد چند مشائخ سے استفادہ میں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اپنے اصلی شیخ سے اعتقاد و محبت میں کمی نہ ہو، ورنہ ترقی بند ہو جائے گی، بلکہ ہر شیخ سے جو فیض ہو، اس کو اپنے اصلی شیخ کا فیض مشاہدہ کرے، یعنی اپنے شیخ کی ہر حکم شرعی میں تابعداری کرنا ضروری ہے، مثلاً: اگر شیخ کامل کہے کہ بیوی کو طلاق دے دے یا آدھا مال لے آ اور فقراء میں تقسیم کر دے یا فلاں ملازمت چھوڑ دے، تو اتباع میں خلل نہ آئے اور پیشانی پر بل نہ پڑے، اور کامل ایسا حکم جب کرے گا کہ اس کے ایمان کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہ ہو۔

دُنیا کی کسی چیز میں جھگڑانہ کریں:

عہد: ۱۱:۔۔۔ مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دُنیا کی کسی چیز میں مزاحمت اور جھگڑانہ کریں، کیونکہ دُنیا پر جھگڑنے سے دلوں میں دشمنی اور نفوس میں کدورت پیدا ہوتی ہے، خصوصاً جس میں شانِ ریاست ہو، مثلاً: تعلیم و تدریس اور مرید کرنا وغیرہ۔ مشائخ کا قول ہے کہ صدیقین کے دلوں سے سب کے بعد حبِ ریاست نکلتی ہے، محبتِ ریاست طالب کی ترقی کو روکتی ہے۔

مسجد کی خدمت کریں:

عہد: ۱۲: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مسجد کی خدمت، درس و تدریس اور خطبہ وغیرہ پر تنخواہ نہ لیا کریں، مگر جبکہ کوئی اور صورت آمدنی کی نہ ہو، اور حدیث: ”إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ“ (صحیح بخاری ج: ۲ ص: ۸۵۴) میں اجرت لینا مستحب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے، ان میں تطبیق یہ ہے کہ وہ کام محض رضائے الہی کے لئے کرے اور جو کچھ ملے اس کو عطائے الہی سمجھے، اس میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس آمدنی اور وظیفہ کے نہ ملنے پر اپنے منصب کے پورا کرنے میں فرق نہ آئے۔

ظالمین، فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں:

عہد: ۱۳: ... مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ ظالمین اور فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں اور نہ کھائیں، مگر جب اس میں کوئی مصلحت ضروری ہو، کیونکہ دل کو ان ظالمین و فاسقین کی طرف میلان ہوگا، محسن کی محبت فطرۃ قلوب میں رکھی ہوئی ہے، پھر سالک ان کے افعال کی کراہت خفیف سمجھنے لگے گا۔

شیطان سے ہر وقت ڈرنا ہے:

عہد: ۱۴: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب مقامات سلوک میں ترقی ہونے لگے، تو شیطان سے پہلے سے زیادہ ڈرتے رہیں، اور بچتے رہیں، کیونکہ انسان کی ترقی سے شیطان کی دشمنی بڑھ جاتی ہے، اس وقت ایسے دقیق، باریک وساوس قلب میں ڈالتا ہے، جن کو بجز موفق من اللہ کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، پس حصول نسبت کے بعد بھی سالک کو بے فکر نہ ہونا چاہئے، حصول نسبت کے بعد

معصیت کے علاوہ مباحات پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے، اس لئے کہ:

مقرباں را بیش بود حیرانی

ایشارِ نفس سے پہلے بڑوں اور مشائخ

کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھائے:

عہد: ۱۵: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک ایشارِ نفس کامل

طور پر حاصل نہ ہو، والدین و مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھایا کریں، کیونکہ ممکن

ہے کہ، مثلاً: ماں باپ یا بزرگ کسی بوٹی وغیرہ کو کھانا چاہیں اور یہ بے خبری میں اُسے

کھا جائے، تو یہ ایک قسم کی خیانت ہے، اور کمال احسان کے خلاف ہے۔ اور یہی حکم

چچا کا ہے، کیونکہ: "الْعَمُّ كَالْأَبِ" یعنی چچا، باپ کی مانند ہے، (ہاں اگر والدین یا

بزرگ کا حکم ساتھ کھانے میں ہو تو ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے کھائے)۔

اسی طرح جن لوگوں کو آیت شریفہ میں عطف کر کے بیان کیا گیا ہے، جیسے

قرابت والے، یتیم بچے اور مسکین وغیرہ، ان کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ قرآن کریم میں

ہے: "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ"۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں

نے اپنی ماں کے ساتھ کھانا چھوڑ دیا، کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ: "مجھے

اندیشہ رہتا ہے کہ کسی لقمے پر میری والدہ کی نگاہ مجھ سے پہلے پڑے اور میں بے خبری

میں اسے کھا لوں۔"

علماء اور صوفیہ کی بُرائی کرنے

والوں کو خوب جواب دیں:

عہد: ۱۶: ... اسی طرح مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ علمائے عظام

اور صوفیائے کرام کی طرف سے ان لوگوں کو جو ان علمائے عظام و صوفیائے کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، خوب جواب دیں، اور ان طعن و تشنیع کرنے والوں کی بات پر ہرگز کان نہ دھریں، علمائے عظام و صوفیائے کرام پر طعن وہ شخص کرتا ہے جو ان کے مراتب جاننے سے قاصر ہے، ایسے طاعن کی زبان اور تصنیف سے نور چھین لیا جاتا ہے، کسی کو اس سے فائدہ نہیں ہوتا، جیسے بعض نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض نے حضرت معروف کرنی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، معاذ اللہ!

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”جب کسی کی غلطی معلوم ہو، اول اس سے تنہائی میں پوچھیں، اگر نہ مل سکے، تو خط کے ذریعہ سے تشفی کریں، اور اگر نہ مل سکے تو محتمل تاویل کریں، اگر وہ غلطی کا اقرار کرے تو پھر اس کی تنقیص سے باز آئیں، اور اگر اس کا قول کسی مسلک صحیح یا کسی معتمد مذہب پر مبنی ہو تو اس پر کوئی اعتراض نہ کریں، ممکن ہے وہ اس مسئلہ میں اسی مسلک کا معتقد ہو، اس لئے سنتے ہی بلا تحقیق نکیر نہ کریں۔“

افسوس! کہ اس طریقہ کو ہم نے بھلا دیا اور بغض و حسد کے باعث غیظ و غضب سے اپنی عاقبت کو خراب کیا۔

لوگوں سے تعلقات نہ بڑھائیں،
عملِ تعویذ میں نہ بڑھیں:

عہد: ۷۱: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دنیاوی حساب و کتاب، مثلاً: خرید و فروخت اور کثرت کی آرزو، اسبابِ زائد کی فراہمی، تعلقات و دوستانہ

بڑھانا، لوگوں سے آمد و رفت بڑھانا وغیرہ سے کنارہ کش رہیں، ضرورت سے زائد تعلقات وغیرہ نہ رکھیں۔

حضرت سیدی ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

”دُنیا ابلیس کی بیٹی ہے، پس جو کوئی ضرورت سے

زیادہ لے گا، ابلیس کا داماد بن جائے گا۔“

بندگانِ خدا کیمیا بنانے، جڑی بوٹیاں، دھونے کی دوائیوں اور عملیات میں

مربع، مخمس اور مثلث سیکھنے سکھانے سے بلند و ارفع ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے منقول ہے کہ:

”کیمیا اور عملیات پر اعتقاد و رُسوخ رکھنے والا ولی نہیں

بن سکتا، جب تک اس (اعتقاد و رُسوخ) سے توبہ نہ کرے۔“

قرض سے سبکدوش ہوں:

عہد: ۱۸: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی کا دین و قرض ذمہ

ہو تو جلدی ادا کریں، اور مدیون (مقروض) سے مطالبہ نہ کریں، اور مناسب ہے کہ

فقیر مدیون (مقروض) کو معاف کریں، اور غنی سے مطالبہ میں سختی نہ کریں۔

دُنیا کی لذات و رونق میں نہ پڑیں:

عہد: ۱۹: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دُنیا اور اس کی لذات،

رونقوں، عجائبات، بلدنگوں، کرفر اور شوکت وغیرہ کی طرف بے رغبتی سے نگاہ کریں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمائے ہیں:

”جو کوئی دُنیا میں رغبت کرے گا نجاست سے ضرور

آدہ ہو جائے گا۔“

واجب ہے کہ ایسوں کے پاس آمد و رفت نہ کرے اور ان سے میل ملاپ بجز ضرورتِ شدیدہ کے نہ ہو۔

مزارعین کی زیادہ رعایت کرے:

عہد: ۲۰: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اگر تمہاری ملکیت میں زمین ہو تو مزارعین کی زیادہ رعایت ہونی چاہئے۔

اپنا ظاہر و باطن یکساں کریں:

عہد: ۲۱: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے نفس سے اس قدر مجاہدہ کرائیں کہ آپ کا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے، جیسے ظاہر میں آپ نیک اعمال کرتے ہیں، اسی طرح دل کو بھی امراضِ باطنہ سے پاک و صاف رکھیں، بلکہ باطن کو ظاہر سے زیادہ سنواریں، تاکہ آپ صفتِ نفاق سے پاک صاف ہو جائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی وصیت میں یہ بھی ہے کہ:

”ہمیشہ اس سے بچو کہ تم ظاہر میں خدا تعالیٰ کے

دوست بنو اور باطن میں دشمن رہو۔“

یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ظاہر میں اولیاء اللہ رہو، اور باطن میں تکبر، حسد اور

کینہ وغیرہ ہو، اور زبان صداقت کی ہو اور اس پر عمل نہ ہو۔

مرید کو توجہ سے مجبور نہ کریں و حقیقت توجہ:

عہد: ۲۲: ... مشائخ یہ بھی عہد لیتے ہیں کہ اپنے مرید پر ایسی توجہ نہ دو کہ وہ

مجبور ہو جائے، کیونکہ یہ خلاف سنت ہے، توجہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے دُعا اور آرزو

کرنا کہ فلاں شخص کی حالت دُرست ہو جائے یا اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے، یا

اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ کر دینا تاکہ شیخ کے دل کے انوار مرید کے دل میں پہنچ

جائیں۔ کبھی اس توجہ کے اثرات مشائخ کے کھانے پینے کی چیزوں، ان کی باتوں یا ان کے چلنے پھرنے کی جگہ میں سرایت کر جاتے ہیں، جو شخص ان کو استعمال کرتا ہے یا شیخ کی باتیں سنتا ہے، اس کو نسبت مع اللہ نصیب ہو جاتی ہے، تو گویا وہ چیزیں شیخ کے قائم مقام ہو جاتی ہیں، گویا کہ شیخ کے جسم و روح کی حقیقت کا نمونہ وہ چیزیں ہیں۔ اور شیخ کا ایسی توجہ کرنا کہ مرید مجبور ہو جائے، نہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے، اور جن مشائخ متاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی توجہ منقول ہے، اگر نقل صحیح ہو تو وہ شاذ و نادر ہے۔

آبروریزی کرنے والے سے میل جول کم کریں:

عہد: ۲۳: ... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جو شخص آبروریزی کرے یا بُرا بھلا کہے، اس سے ملنا جلنا اس لئے کم کریں کہ اس کو دیکھنے سے گرانی ہوگی، اور اس کو غصے کی تکلیف نہ ہو۔

تمام اعمال و معاملات میں توحید حاصل کریں:

عہد: ۲۴: ... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جملہ اقوال، اعمال، اخلاق اور معاملات میں توحیدِ خالص حاصل کریں، یوں نہ کہیں کہ فلاں چیز ہماری ہے یا ہمارے پاس ہے، ہاں! بطریقِ مجاز یا بھولے سے زبان سے نکل جائے تو مضائقہ نہیں، کسی بزرگ نے دُعا کی:

”اے اللہ! میری مغفرت فرما، کیونکہ آپ کا وعدہ ہے

کہ جو آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، اس کی مغفرت

کردی جائے گی۔“

اچانک ہاتف نے آواز دی کہ: ”دُودھ کے دن کا قصہ یاد کر!“ اس پر وہ

بزرگ شرمندہ ہوئے اور یاد کیا کہ کسی نے دُودھ پینے کو دیا، بزرگ نے کہا کہ: ”مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ مجھے ضرر نہ پہنچائے؟“

ضرر کی نسبت دُودھ کی طرف کر دی گئی تھی، جس پر تنبیہ کی گئی۔ ہر بول چال میں وہ لوگ فکر کرتے ہیں کہ غیر اللہ کی طرف نسبت نہ ہو جائے۔

شیخ میں جو عیب نظر آئے اس کو اپنا عیب سمجھیں:

عہد: ۲۵: ... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ شیخ میں نقصان و عیب کی جو بات نظر آئے، اس کو اپنا عیب و نقصان سمجھیں، کیونکہ شیخ ہماری حالت کا آئینہ ہے، اگر ہم دُرست ہوتے تو ہم بھی اس نقصان کو جان لیتے، اسی طرح اگر ذکر و اشغال کے کرنے پر دل کے کھلنے میں دیر ہو رہی ہے، تو یہ نہ سمجھے کہ شیخ کی ناواقفیت ہے، بلکہ یہ توقف ہماری کم ہمتی سے ہے، جیسا کہ طب میں ہے کہ بروقت رحم حمل کے قرار پانے کا سبب ہے، تو جب تک مرید کا نفس خواہشاتِ حرام و لذات سے سرد نہ ہوگا، طلب و اشتیاقِ محبوب کی تپش و سوزش سے منور نہ ہوگا، جیسے گیلی لکڑی کو آگ لگانے سے صرف دُھواں ہی دُھواں نکلتا ہے، یعنی اس مرید سے جھوٹے دعوے اور رعونت کی ایسی باتیں پیدا ہوں گی، جو صوفیہ میں آج کل شائع ہیں۔

مرید کو شیخ پر اعتقاد و یقین جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی شیخ سے فیض زیادہ ہوگا، اور اعتقاد و یقین جتنا کم ہوگا، اتنا ہی شیخ کے فیض سے ناقص رہے گا، مثلاً: مرید یہ اعتقاد کرے کہ شیخ میں تواضع کم ہے، تو مرید میں عبدیت و تواضع کم آئے گی، اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ شیخ جملہ مقاماتِ عالیہ پر پہنچا ہوا ہے، تو مرید کو بھی جملہ مقاماتِ عالیہ سے حصہ ملے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ما سوا اللہ کی محبت دل میں جمع نہ ہونے دیں:

عہد: ۲۶: ... مریدین دل میں کسی چیز کی محبت کو جنم نہ دیں، خواہ مال کی محبت ہو یا اولاد اور متاع وغیرہ کی، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ بڑے غیور ہیں، وہ اپنے مؤمن بندہ کے دل میں غیروں کی محبت دیکھنا پسند نہیں کرتے، ہاں! جن لوگوں کی محبت کا حکم فرمایا ہے، جیسے انبیاء، ملائکہ، صحابہ، تابعین، صلحاء وغیرہ، تو ان لوگوں سے حکم الہی کی بجا آوری کے لئے محبت کرنا چاہئے۔ پس واضح ہو گیا کہ ذکر نفی و اثبات یعنی ”لا الہ الا اللہ“ میں جو مشائخ فرماتے ہیں کہ کلمہ ”لا“ سے نفی غیر اللہ کی ہو، یعنی غیر کی محبت دُور کر رہے ہیں، اس سے انبیاء و اولیاء کی محبت نکالنا مراد نہیں، بلکہ وہ محبت نکالنا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں خلل انداز ہے۔

شبہ کا جواب: ... حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”بسا اوقات تمہارے بیوی بچوں پر مصیبت اس لئے

آتی ہے کہ تمہارے دل میں ان کی محبت جم گئی تھی۔“

مطالب و مفاہیم قرآن میں احتیاط:

عہد: ۲۷: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ قرآن مجید و حدیث شریف سے جو مطلب تمہیں سمجھ میں آئے، اس میں یوں کہو کہ اس کا مطلب میری سمجھ میں یہ آیا ہے، اور یوں نہ کہو کہ اس کا بس یہی مطلب ہے جو ہم نے سمجھا ہے، قرآن مجید میں ہر مطلب میں اس سے ترقی بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“ (یوسف: ۷۶)۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہمیشہ نظر رکھیں:

عہد: ۲۸: ... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس قدر حقوق

اللہ و حقوق العباد ہیں، اس میں ہمیشہ نظر کرتے رہیں کہ کسی کی فروگزاشت تو نہیں ہوئی؟ اور اپنے ذاتی حقوق پر کبھی نظر نہ کریں، مگر شکرِ الہی کے بجالانے کے لئے، اور اس کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ ہمیشہ اقرار کرتے رہیں کہ محبتِ الہی ہم پر قائم و دائم ہے۔

شیخ عبدالعزیز دیرینیؒ سے عرض کیا گیا کہ:

”کوئی کرامت ظاہر فرمائیے کہ جس سے ہمارا اعتقاد

پختہ ہو اور آپ سے سلوک سیکھنے کا شوق زیادہ ہو۔ آپ ذرا

خاموش ہو گئے، پھر فرمایا کہ: میرے عزیزو! کیا ہم جیسوں کے

لئے آج رُوئے زمین پر اس سے زیادہ کوئی کرامت رہ گئی ہے

کہ حق تعالیٰ نے ہم کو زمین کے اُوپر صحیح و سالم چھوڑ رکھا ہے اور

زمین کے اندر نہیں دھنسا یا؟“

دوست و دشمن کی پہچان:

عہد: ۲۹: ... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ تم لوگ دشمن کی

پہچان کرو، تمہارا دوست وہ ہے جو تمہارے عیوب کو ظاہر کرے، اور تمہاری صفاتِ حمیدہ

کو مٹانا چاہے، مثلاً: یہ ریاکار اور متکبر ہے۔ اور دشمن وہ ہے جو تمہاری تعریف کر کے

تمہیں عجب، کبر، تفاخر اور شیخی بازی میں لانا چاہتا ہے۔

نرمی سے بات کریں:

عہد: ۳۰: ... مشائخ، مریدوں سے یہ وعدہ بھی لیتے ہیں کہ تمام اہلِ معاصی

کے ساتھ نرمی سے بات کریں، خواہ شرابی ہو یا جواری، زانی ہو یا چور، یہ سہل طریقہ

ہے ان کے توبہ کرنے کا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام گنہگاروں سے نفرت کرنے لگے، تو وحی سے حکم ہوا:

”جس کی حالت دُرست ہے، اس کو تو آپ کی

ضرورت نہیں، اور جس کی حالت خراب ہے، آپ ان سے

اعراض کرتے ہیں، پھر آپ کو پیغمبر کس لئے بنایا گیا ہے؟“

بدگمانی سے بچیں:

عہد: ۳۱: ... مشائخ، مریدوں سے یہ وعدہ بھی لیتے ہیں کہ اگر کسی مالدار کو

کھلم کھلا زکوٰۃ دیتا نہ دیکھیں تو اس سے بدگمان نہ ہوں، بلکہ اس کے ساتھ نیک گمان

رکھیں، مثلاً خفیہ زکوٰۃ دیتا ہوگا، یا اس وقت نہیں دی اور فوری دینا واجب بھی نہیں، کیا

ہوا؟ دیدے گا، اسی طرح کسی عالم کی شان میں زبان درازی سے بچیں، کیونکہ غیبت

کرنا گناہ ہے اور علماء کا گوشت زہر آلود ہے۔

مشہور مہمان نواز کے پاس قیام نہ کریں:

عہد: ۳۲: ... جب کسی جگہ سفر کریں تو مشہور مہمان نواز کے ہاں قیام نہ

کریں، کیونکہ اس کے پاس اور بہت سے مہمان ہوں گے، آپ کا بھی اس پر بار

(بوجھ) پڑ جائے گا، اگر سواری ساتھ ہو تو اس کا انتظام خود کریں، اس پر بار نہ ڈالیں،

اگر کسی شیخ و عالم کے ہاں مہمان ہوں، تو ایسی بات ہرگز نہ کریں کہ اس کے مرید،

طالب اور ملازم وغیرہ آپ کی طرف ملتفت و راغب ہوں۔

عمل میں کوتاہی کی علامات:

عہد: ۳۳: ... مشائخ یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس طالب علم میں عمل کی

کوتاہی دیکھیں، اول تو اسے سمجھائیں، اگر وہ نہ سمجھے تو اس کو رخصت کر دیں، اسی

طرح جو طالب علم، علم میں مخلص نہیں، بلکہ کسی غرض و مطلب کی بنا پر پڑھتا ہے، لوجہ اللہ نہیں پڑھتا، اس کو بھی رخصت کر دیں۔

عمل میں کوتاہی کی علامت یہ ہے کہ اُستاذ کے سامنے اس کو بے ادب پائیں، بات چیت کرتے وقت نگاہ نیچی نہ کرتا ہو، پیچھے بیٹھ کر اُستاذ کی حرمت نہیں رکھتا، اس کی اولاد سے مقابلہ کی سی بات کرتا ہے، اُستاذ کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا ہے، کاہلی کی وجہ سے بے وضو یا حالت جنابت میں بغیر غسل کے سو رہتا ہے، اعمال دینیہ پر تنخواہ لیتا ہے اور کام نہیں کرتا، مسجد میں قرآن مجید پڑھنے کی آواز سن کر بھی لہو و لعب میں مشغول رہتا ہے، جماعت میں حاضر نہیں ہوتا، دُنیا داروں کی خوشامد کرتا ہے، صوفیوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کرتا ہے تاکہ لوگ صوفی سمجھیں حالانکہ خود صوفی نہیں۔

شبہ کا جواب: ... عزیزو! اہل دُنیا کی حالت سے دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ ان کا کام بغیر اخلاص کے چل رہا ہے، دُنیا میں اگر ان کا کام چل گیا تو کیا ہوا؟ جب آخرت میں کارآمد نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

طالب علم کا یہ خیال کرنا کہ درسیات سے فارغ ہو کر عملیات کی طرف توجہ کریں گے، شیطانی وسوسہ ہے اور دُوسروں کو تعلیم دینا، یہ تبعاً مقصود ہے، اصل مقصود تو خود عمل کرنا ہے۔ پس طبیب اگر خود بد پرہیز ہے اور مریض کو شفا ہوگئی تو کیا فائدہ؟ کیونکہ وہ خود تو موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ کسی عالم یا عابد میں جب یہ بات دیکھو کہ وہ اغنیاء کی مجلس میں اپنے علم و تقویٰ کا ذکر پسند کرتا ہے تو سمجھ جاؤ کہ وہ ریاکار ہے۔

حضرت صالح مزئیؒ نے فرمایا کہ:

”طالب علم کے مخلص ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر

کسی نے اس کو جاہل، ریاکار یا شہرت پسند کہہ دیا تو اگر اس سے

اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو وہ ریاکار ہے، اور اگر خوش ہوتا ہے تو وہ مخلص ہے۔“

انت بما تعلم لم تعمل

فكيف تطلب علم ما لم تعمل

ترجمہ:.... ”معلوم شدہ بات پر تو نے عمل نہیں کیا، پھر

نئی معلومات کے حاصل کرنے کی تجھے کیوں فکر ہے؟“

ریاکار عالم کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو علم کی رغبت دلائے تاکہ اس کے پاس لوگ پڑھنے آئیں، پھر اگر لوگ دوسرے عالم کے پاس جائیں، تو وہ غیرت کرتا ہے۔

حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”خدا کی قسم! اگر عمل کے لئے لوگ پڑھتے تو ہر

کڑوی بات کو دوا کی طرح گھونٹ گھونٹ پیتے اور یہ لذت اور

مزہ بھول جاتے۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ: بیہودہ لوگ کون ہیں؟ آپؑ

نے فرمایا:

”جو اپنے علم کے ذریعے سے دُنیا کماتے ہیں۔“

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ:

”اگر علم نے نفع نہ دیا، تو وہ نقصان ضرور پہنچائے گا۔“

دُنیا دار لوگوں سے دوستی نہ کریں:

عہد: ۳۴:.... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ ان لوگوں سے

دوستی کریں جو دُنیا سے بے رغبت اور منصب لینے سے کنارہ کش رہیں، کیونکہ منصب لینے سے آدمی حبِ ریاست کی بلا میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ!
 حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:
 ”جو شخص قرآن کا عالم ہو، پھر دُنیا سے محبت کرے،
 اس کو قرآن مجید اندر سے آواز دیتا ہے کہ تو نے میرے مواعظ و
 نصائح کہاں کھوئے؟ میرا تو کوئی حرف نہیں کہتا کہ تو دُنیا سے
 رغبت کر!“

بڑا بن کر نہ رہیں:

عہد: ۳۵: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں
 سے بڑا بن کر نہ رہیں، دُنیا دار خود تو ان صوفیہ کے ہاں جا نہیں سکتے، کسی تقریب، نکاح
 یا ولیمہ میں ان کو زیارت کے لئے بلاتے ہیں، اگر سالک تکبر کی وجہ سے دُنیا داروں
 سے ملتا ملاتا نہیں، تو بُرا ہے، اور اگر گناہ سے بچنے کے لئے نہیں جاتا یا کوئی اور شرعی
 وجہ ہے، تو سالک کے لئے نہ جانا جائز ہے۔

مقاماتِ عالیہ کی تحصیل کی ترغیب:

عہد: ۳۶: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے دوستوں اور
 بھائیوں کو مقاماتِ عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہیں، اور ان کو نقصان و پستی
 کی حالت میں برباد ہوتا نہ چھوڑیں، کیونکہ ان کی بابت تم سے سوال کیا جائے گا، اس
 عہد پر آج کل کم عمل کیا جاتا ہے، پس جس کسی کو ایسا شیخ مل جائے جو اس کو نصیحت اور
 روک ٹوک کرتا ہے، اور غلطی پر اسے بُرا بھلا بھی کہتا ہے تو سالک کے لئے ضروری

ہے کہ اس سے چمٹ جائے، اور اس کے پاس رہ پڑے، کیونکہ ایسا شیخ، کبریتِ احمر کی طرح کمیاب ہے۔

دین والے کو نصیحت اور اسلام کی تبلیغ و نصرت کی وجہ:

عہد: ۳۷: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جس کو ہم دین میں پختہ دیکھیں، اس کو نصیحت کرنے کے لئے خاص وقت کا انتظار نہ کریں، بلکہ جلدی نصیحت کر دیا کریں، اگرچہ بھرے مجمع ہی میں کیوں نہ ہو، ہاں! اگر شیخ سوچے کہ وہ شخص نصیحت کرنے سے دل میں مکدر ہوگا تو پھر چپکے سے اسے نصیحت کرنا چاہئے، کیونکہ ایسے شخص کے دل میں نفاق اور کھوٹ ہے، وگرنہ وہ نصیحت سے خوش ہوتا، اور اگر فکر و اندیشہ ہو کہ اس کو نیک کام کرنے کی نصیحت سے نفرت بڑھ جائے گی، اور اس کا دین برباد ہو جائے گا تو پھر ایک بار ہی نصیحت کافی ہے، نفرت کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ خود اس شخص میں توفیق کی کمی ہے یا تمہارا اخلاص کامل نہیں، یا نصیحت کرنے والے کو نصیحت کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

مجرم پر رحمت نہ ہونی چاہئے:

عہد: ۳۸: ... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس شخص کو شریعت کی تلوار یا تازیانہ شرع سے مارا گیا، جیسے چور اور ناحق قتل کرنے والا، ہمارے دل میں اس کے لئے شفقت و رحمت پیدا نہ ہونی چاہئے کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

”وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ“ (النور: ۲)

حق تعالیٰ نے جو سزا اس کے لئے مقرر کی ہے، وہ عینِ رحمت ہے، وہ ہم سے زیادہ مہربان ہے، اگر ہم اس پر اجرائے قانون میں رحمت کرنے لگیں تو حق تعالیٰ کی جانب کی رعایت نہ رہے گی۔

شیخ احمد زاہدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:
 ”جب کسی کوتنگی اور پریشانی میں مبتلا دیکھو تو جلدی
 سے یہ مت کہو کہ یہ بے چارہ اس سزا کا مستحق نہ تھا، یا یوں نہ کہو
 کہ یہ ایسی سزا کا مستحق تھا، پہلی صورت میں تمہاری رحمت اللہ
 تعالیٰ کی رحمت سے بڑھ گئی، اور دوسری صورت میں اپنے
 مسلمان بھائی پر مسرت اور خوشی ظاہر ہوتی ہے۔“

عقیقہ میں شریک نہ ہوں:

عہد: ۳۹: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ عقیقہ یا شادی کی
 تقریب میں شریک ہونے کے لئے کسی کی درخواست منظور نہ کیا کریں، بالخصوص اگر
 وہ علماء و صلحاء سے مشابہت رکھتے ہوں، ہاں! اگر کوئی مصلحت شرعی ایسی ہو جس میں
 جانے کو نہ جانے پر ترجیح ہو، تو شرکت میں مضائقہ نہیں، آج کل یہ تقریبات مقابلہ اور
 تفاخر کے لئے کی جاتی ہیں، حتیٰ کہ بڑے لوگ علماء و صلحاء تک اس میں مبتلا ہیں، نیز
 اکثر تقریبات میں لہو و لعب کا سامان یعنی راگ باجہ بھی ہوتا ہے، اور ایسی تقریبات
 میں شریک ہونا علماء و صلحاء کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ ایسی تقریبات ہیبت و عظمت
 کو کھونے والی ہیں۔

عرس میں شرکت نہ کرنا چاہئے:

عہد: ۴۰: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ عرسوں کی دعوت بھی
 قبول نہ کیا کریں، جو مسلمانوں کی قبروں پر کئے جاتے ہیں، بالخصوص اگر قبرستان میں
 عرس ہو تو بالکل نہ جاؤ، کیونکہ ان میں مسلمانوں، اولیاء اللہ اور شہداء کی قبروں کو پاخانہ،
 پیشاب، گدھے اور نچروں کی لید اور ان پر چلنے پھرنے سے ناپاک اور پلید کیا جاتا

ہے، قبروں پر کھانا پینا، چلنا پھرنا، پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا منع ہے، جس کی وجہ سے شرکتِ عرس کے لئے بلانا اور جانا بالکل بے اصل ہے، البتہ بزرگوں کی رُوح پاک کو کلام مجید بخشنا، طعام اور نقد وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے، اور جو چیز شرع میں نہیں ہے، اس کا کرنا ممنوع ہے۔

مشتبہ جگہ کی دعوت قبول نہ کرنا:

عہد: ۴۱: ... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے گھر کا کھانا نہ کھایا کریں جو کمانے میں حلال و حرام کا کچھ خیال نہیں کرتے، یا فخر و دکھلاوے کے لئے دعوتیں کرتے ہیں، اخلاص اور محبت سے دعوت نہیں کرتے، یا دین فروشی کر کے دُنیا کماتے ہیں، جیسا کہ بعض درویشوں نے درویشی کو ذریعہٴ معاش بنا رکھا ہے، کیونکہ یہ سب کھانے بخیل آدمی کے گھر کا کھانا کھانے کی طرح ظلمت اور گندگی پیدا کرتے ہیں۔

اسی طرح آج کل جمعرات اور قیل خوانی وغیرہ کے طعاموں کے متعلق

بزرگ یہی فرماتے ہیں، ہاں! اگر سخت ضرورت ہو تو کھانا درست ہے۔

جو عابد و زاہد اپنے دین کے ذریعہ سے کماتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ

جب وہ نیند سے اُٹھتا ہے تو مدہوش کی طرح دیر تک اسے ہوش نہیں آتا۔

دین فروشی نہ کر کے کھانے والے کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ تمام اعمال

صالحہ سے خالی بھی ہو جائے، جب بھی لوگ اس کی خدمت اور اس کے ساتھ احسان و

سلوک کم نہ کریں گے، جس کے ساتھ لوگوں کو ایسی محبت ہو، اس کو اپنے دوستوں،

شاگردوں اور مریدوں سے ہدایا قبول کرنا جائز ہے، اور اگر وہ یہ سمجھے کہ لوگوں نے میرا

اگر کوئی گناہ دیکھ لیا تو میری خدمت بند کر دیں گے، تو یہ شخص دین فروشی کر کے دُنیا کماتا اور کھاتا ہے۔

میں اسی ظلم کے لائق تھا:

عہد: ۴۲: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب کوئی ظالم ان پر ظلم کرے تو اپنے آپ کو اس کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق سمجھیں، اور یہ خیال کریں کہ جو شخص آگ میں جلانے کے قابل تھا، وہ ذرا سی راکھ پڑنے سے کیسے ناخوش ہو؟ بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ بڑی بلا سے نجات ملی:

”رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گزشت“

بندگانِ خدا تعالیٰ پر مصیبت گناہوں کی سزا میں نہیں آتی، مگر ان کے جسم کو تکلیف تو ہوتی ہے:

درد از یار است و درماں نیز ہم

دل فدائے او شدہ جاں نیز ہم

معیارِ فرق یہ ہے کہ جس کو مصیبت سے پریشانی اور دل کو بے چینی ہو، اس کے حق میں وہ مصیبت اور پریشانی سزا ہے، اور اگر دل مصیبت و پریشانی سے بے چین نہ ہو تو وہ مصیبت اور پریشانی اس کے لئے نعمت ہے، اور اس کے درجے بلند کرنے کے لئے بھیجی گئی ہے۔

سائل کو واپس نہ کریں:

عہد: ۴۳: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی حاجت مند سائل کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ کریں، ہاں! سائل ایسی چیز کا سوال کرے کہ وہ آپ پورا نہ

کر سکیں یا اپنے کو اس چیز کی سخت ضرورت ہے، تو اس کے سوال کے رد کرنے کا مضائقہ نہیں۔

ممتاز ہو کر نہ رہیں:

عہد: ۴۴: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو، اپنے بھائیوں سے کسی خصلت محمودہ میں ممتاز ہو کر نہ رہیں، کیونکہ اس سے دل کی رونق بچھ جائے گی، لہذا امتیازی شان سے بچنا چاہئے کہ اس سے شہرت ہوتی ہے، اور شہرت موجب عجب و کبر و غیرہ ہے، ہاں! اگر کسی کو حق تعالیٰ نے مقتدا بنا دیا ہو تو وہ معذور ہے، کیونکہ وہ خود اپنے کو ممتاز بنانا نہیں چاہتا، وہ ممتاز بنایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب کو اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں:

عہد: ۴۵: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی جانب کو ہمیشہ اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں، اور کبھی ایسا کام نہ کیا کریں جو خدا تعالیٰ کی حفاظت و پناہ توڑنے کا سبب بن جائے، مثلاً: یتیم و مسکین خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہیں، ان کو ایذا دے کر خدا تعالیٰ کی پناہ کو نہ توڑیں، اور جو صبح کی نماز جماعت سے پڑھتا ہے، اس کو تکلیف نہ دینا چاہئے، وہ دن بھر خدا کی پناہ میں رہتا ہے۔

حجاج بن یوسف باوجودیکہ نہایت سفاک تھا، لیکن وہ بھی ایسے شخص کا خون نہ کرتا تھا جس نے صبح کی نماز باجماعت پڑھی ہو، اس پر وہ کہتا کہ میں خدا تعالیٰ کی پناہ کو نہیں توڑتا۔

سید کی عزت:

عہد: ۴۶: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ آپ اپنے کو کسی سید

سے زیادہ نہ سمجھیں، اگرچہ وہ سید جاہل ہی ہو، اور تم عالم ہو، اسی طرح بہتر ہے کہ سید کی مطلقہ سے نکاح بھی نہ کریں، اگرچہ اُس نے تین طلاق دی ہو، اور نہ کسی ضرورت سے اُس سید سے خدمت لیں، اور اس ادب کا ہر سید کے ساتھ لحاظ کرنا چاہئے، خواہ اس کا نسب صحیح ہو یا اس میں کسی قسم کا شبہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم پر جو فضیلت دی ہے، وہ ان کے کسی عمل یا بھلائی پر موقوف نہیں، بلکہ یہ فضیلت عنایتِ خاصہ کے سبب سے ہے، ہاں! اگر سید علی الاعلان فاسق ہو اور اس کی تعظیم سے دین و قانون کا مفسدہ ہو، تو ایسے شخص کی تعظیم نہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔

بیعت کی شرائط:

عہد ۴۷: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اس وقت تک کسی سے خاص عہد یعنی بیعت وغیرہ نہ لیں جب تک وہ ان تمام حقوق کو ادا نہ کرے، جو اس کے اوپر کسی مال یا آبرو کے متعلق ہیں۔ بیعت ہونے والا اول اپنے گناہوں سے توبہ کرے، اور پھر اگر کچھ عبادات واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں، تو ان کو قضا کرنا شروع کرے، اور حقوق العباد کی ادائیگی کا بندوبست کرے۔ اگر یہ چیزیں نہیں کرتا تو اگر عمر بھر بھی ریاضت کرے گا، ہرگز مقصودِ حقیقی تک نہ پہنچے گا، اور علم بقدرِ ضرورت حاصل کرے، پھر شیخِ کامل سے کچھ حاصل کرے:

در رہ لیلیٰ خطرہا است بجان
شرطِ اول آنست کہ مجنوں باشی

بیعت کے بعد شیخ پر لازم ہے:

عہد ۴۸: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب مرید سے عہد

لے چکیں، یعنی سلسلہ سلوک میں داخل کر لیں تو اس مرید کی نگاہ داشت سے غفلت نہ کریں، اگر اس میں کوئی بُری بات دیکھیں تو اس پر روک ٹوک کریں، اس کی مرضی پر اسے نہ چھوڑیں، شیخ کا مرید پر سختی کرنا عین شفقت ہے، مرید کو بد پر ہیزی پر تنبیہ کرنا عین رحمت ہے، اس پر شیخ پوری ہمت و توجہ خرچ کرے، ورنہ عہد میں خیانت ہوئی۔

پیر بھائی کی زیارت:

عہد: ۴۹: ... مشائخ، مریدوں سے بار بار عہد لیتے ہیں کہ وہ اپنے سب پیر بھائیوں کی، خواہ مخلص ہوں یا نہ ہوں، زیارت کرتے رہا کریں، ان کے پاس پیادہ اور پیدل چل کر بھی جائیں، شرعی سنتیں محض بہانوں سے نہیں چھوٹ سکتیں۔

یادداشت کا طریقہ:

عہد: ۵۰: ... مشائخ، مریدوں سے بار بار عہد لیتے ہیں کہ جب تک ہم کھانے پینے، پیر پھیلانے اور سونے سے پہلے زبان سے یا فقط دل سے بہ دستور ”یا اللہ“ یعنی اے خداوند! میں اجازت چاہتا ہوں نہ کہہ لیں، اس وقت تک کوئی کام شروع نہ کیا کریں، اگرچہ شریعت کی طرف سے ہم کو اس کے بغیر بھی ان کاموں کی اجازت ہے، لیکن زیادہ ادب اس میں ہے کہ ہم بدستور ”یا اللہ“ کہہ لیا کریں، بلکہ یہ یادداشت پیدا ہونے کا بڑا عجیب طریقہ ہے۔

راز اس میں یہ ہے کہ جب کوئی سلاطین و حکام کے دربار میں جانا چاہتا ہے تو پہلے ادب سے اجازت مانگا کرتا ہے، تو یہ سالک بھی جب کوئی کام کھانے پینے وغیرہ کا کرے تو لفظ ”یا اللہ“ سے اجازت طلب کرے۔

مصیبت زدہ کی حاجت روائی ضرور کریں:

عہد: ۵۱: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی مصیبت زدہ کی

حاجت روائی سے چھپ کر نہ بیٹھیں، البتہ کوئی معقول عذر ہو تو اور بات ہے، مثلاً: غلبہ، حال سے کسی سے بات نہ کر سکتا ہو۔

حکومت میں دخل نہ دیں:

عہد: ۵۲: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ حوائج متعلقہ سلطنت و حکومت میں دخل نہ دیا کریں، یعنی ایسے امور میں دخل نہ دیں کہ مقدمات وغیرہ میں توجہ اور ہمت کی درخواست کریں، پس مشائخ کو چاہئے کہ مقدمات وغیرہ کے تعویذوں وغیرہ میں مشغول ہو کر اپنے اوراد و وظائف کو ضائع مت کریں، اگر لوگ نہیں چھوڑتے تو پھر زاری سے درخواست کرے کہ: ”اے اللہ! مجھے نفس کے حوالے نہ فرمائیے۔“

مجامعت کے بعد بغیر غسل نہ سویا کریں:

عہد: ۵۳: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مجامعت و جنابت کی حالت میں نہ سویا کریں، پس اپنے متعلقین کو حکم کریں کہ مجامعت اخیر شب میں کریں اور فوراً غسل کر لیا کریں، تاکہ رُوح انسانی حق تعالیٰ شانہ کی جناب میں رُڈ نہ کی جائے، نیز رحمت کے فرشتے سونے والے کے ساتھ رہ سکیں، اور جنابت کی حالت میں سو جانا گو شرعاً حرام نہیں، مگر رُوحانیت کی ترقی کے خلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعفائے اُمت کے لئے جائز فرمایا ہے، اور مناسب ہے کہ حدیث اصغر یعنی بے وضو ہونے کی حالت میں بھی نہ سوئیں، کم از کم تیمم کر کے سوئیں، اس طرح باطنی طہارت کر کے سوئیں، یعنی سوتے وقت کسی سے حسد، کینہ، خیانت، مکر و فریب یا تکبر وغیرہ دل میں لے کر یا خدا تعالیٰ کی کسی تقدیر پر ناراض ہو کر نہ سوئیں، بلکہ توبہ و استغفار کر لینا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ نیند میں فوت ہو جائے تو اس کا خاتمہ بُرا نہ ہو۔

مجلس ذکر کی حمایت:

عہد: ۵۴: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اگر تمہاری وجہ سے ذکر اللہ، تلاوت قرآن مجید یا دُرود شریف کی مجلس میں بزرگ جمع ہوتے ہیں، اور کسی دن تم نہیں جاسکتے، اور مجلس لوگوں سے خالی رہی، یا لوگ کم آئے تو تم پر واجب ہے کہ اس کی قضا کرو، جس قدر ذکر یا تلاوت میں سب لوگ جمع ہوا کرتے تھے، اسی طرح تم تنہا بیٹھ کر پورا کرو، تاکہ ارشادِ الہی: ”وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ“ (آل عمران: ۱۱۴) پر عمل ہو جائے۔

طعن کرنے والے کو نصیحت:

عہد: ۵۵: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب کسی کو کسی پر اعتراض، طعن یا بے آبروئی کرتا دیکھو، تو حکمت اور عمدہ نصیحت سے اس کا علاج کیا کرو۔ طعن وغیرہ وہی کرتا ہے جس کے دل میں اپنی بڑائی اور دُوسرے کی حقارت ہو، حقیقت میں یہ طعن کرنے والا خود ہی اس مطعون سے بُرا ہے۔

ان راتوں میں کم سویا کریں:

عہد: ۵۶: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تم پچھلی تہائی رات نہ سویا کرو، اسی طرح جمعہ کی رات، شعبان کی پندرھویں رات، شب قدر کی راتوں اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کی راتوں میں کم سویا کریں، ہاں! معذوری ہو تو اور بات ہے، کیونکہ یہ اوقات جلوسِ شاہی اور دربارِ سلطانی کے ہیں۔ عزیز! عالم غیب کا انتظام بھی عالم ظاہر کی مملکت کے مشابہ ہے، ایسے دربار میں محرومی، تمام محرومی ہے۔

نفس کے باریک مکر کو خوب سوچیں:

عہد: ۵۷: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک اپنے نفس کے باریک دھوکوں کی مبالغہ کے ساتھ تفتیش نہ کر لیں، اس وقت تک کسی مسلمان سے قطع تعلق اور بول چال بند نہ کریں، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حقیقت میں محض حظِ نفس کے لئے قطع تعلق کرتا ہے، لیکن نفس کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے قطع تعلق کر رہا ہوں۔

طاعت کرنے سے حق ادا نہ سمجھیں:

عہد: ۵۸: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جتنا بھی طاعت کریں، یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے حق تعالیٰ کا کچھ حق ادا کر لیا ہے، بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ طاعت ہو رہی ہے، محض اس کی توفیق سے ہے:

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہے کنی
منت از و شمار کہ بخدمتِ بداشتت
جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مدح کرنے والوں کو روکیں:

عہد: ۵۹: ... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو کوئی شعر یا نثر میں تمہاری مدح کرے، خواہ تنہائی میں یا مجمع میں، اس کو ڈانٹ دیا کریں، حمد کے لائق حق

تعالیٰ کی ذات ہے، پس جو کوئی اپنی مدح کرتا یا سنتا ہے، وہ بھی اپنے کو لائقِ حمد سمجھتا ہے، تو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک گونہ شرکت کو اس نے پسند کیا ہے، اور ذرا سا شرک بھی کفرِ طریقت ہے، اگر کوئی کہے کہ مدح سے مجھ میں تغیر نہیں ہوتا، تو کیا مذمت سننے کے وقت بھی اسے تغیر نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

سیّدی احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ:

”جو شخص تمام احوال میں اپنے نفس کو مہتمم نہ سمجھے، اس

کا نام مردانِ طریقت میں نہیں لکھا جاسکتا۔“

پھر ہم جیسوں میں کوئی کیا دعویٰ کر سکتا ہے؟

مدح کرنے والے کو نرمی سے سمجھائیں:

عہد: ۶۰:.... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو کوئی تمہاری مدح

کرے، اس کے منہ میں مٹی جھونک دیا کریں۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”تعریف کرنے والے کے سامنے مٹی رکھ دیں، اور

نرمی سے کہیں کہ: جو مٹی سے پیدا ہوا، وہ کب اس قابل ہے کہ تم

اس کی مدح کرو؟“

خادمِ مسجد سے دشمنی نہ کریں:

عہد: ۶۱:.... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تم مؤذن یا کسی خادمِ

مسجد سے، جس قسم کا بھی خادم ہو، دشمنی پیدا نہ کرو، جبکہ یہ لوگ اپنے فرضِ منصبی کو

محض ثواب سمجھ کر یا کسی اور اچھی نیت سے کرتے ہوں، البتہ کسی ضرورت شرعی سے اگر عداوت کی جائے تو مضائقہ نہیں، مثلاً: یہ لوگ کسی حرام کام میں مشغول ہوں۔ یہی برتاؤ سب مسلمانوں سے ہونا چاہئے، اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ: روزہ دار کے لئے ہی غیبت سے بچنا ضروری ہے، حالانکہ غیبت سے بچنا سب کے لئے ضروری ہے، مگر روزہ دار کو خصوصیت کے ساتھ اس سے بچنے کا حکم کیا گیا ہے۔

آخر وعوانا (الحمد لله رب العالمين)

(والصلوة والسلام) على خير خلقه محمد وآله واصحابه وازواجه اجمعين من الصلوة

(والسلام) افضلها واكملها ورومها

سبحانك اللهم وبحمدك (الله لا اله الا انت) استغفرك وانوب اليك

اللهم تقبل منا (انك انت السميع العليم) اللهم آمين!

(ماہِ رجب ۱۳۷۵ھ)

اذکار سلسلہ قادریہ رضی اللہ عنہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حامدٌ (و مصدباً، لما بعداً)

جاننا چاہئے کہ سلسلہ قادریہ کے بزرگوں (رحمہم اللہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سلسلے کے، اسباق کی ترکیبات اور ترتیبات مختلف طور سے منقول ہیں۔ یہ بزرگ، مریدین کو حسب طبائع و استعداد ذکر و اذکار بتلاتے ہیں، پھر ایک ذکر مثلاً: ”لا الہ الا اللہ“ ہے، اس کی ترکیب بھی علیحدہ علیحدہ تعلیم فرماتے ہیں، کبھی کسی کو ”لا“ ناف سے سر تک، اور ”الہ“ دائیں مونڈھے پر، اور ”الا اللہ“ کو قلب پر، اور بعض کو یہ ترکیب تعلیم فرماتے ہیں جو ذیل میں مسطور ہے، یعنی ”لا“ کو قلب سے رُوح تک، اور ”الہ“ کو لطیفہ سر پر، اور ”الا اللہ“ کو قلب پر۔ خلاصہ یہ کہ ہر سبق کی ترکیبیں بھی مختلف ہیں، اور معانی کا تصور بھی علیحدہ علیحدہ ہے، مثلاً: ”لا الہ الا اللہ“ کے معانی کا تصور: ”نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے“ یا ”نہیں کوئی مقصود سوائے اللہ کے“ ہے، بعض بزرگ کسی ایک معنی کا تصور تعلیم فرماتے ہیں اور بعض تمام معانی مذکور کا تصور کراتے ہیں، مگر ترتیب کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عافیت سے تمام کمالات نصیب فرمائے، اب اسباق

پیش خدمت ہیں:

سبق ۱: ... ذکرِ قلبی:

زبان سے ”اللہ“ کہنا اور اس کی ضربِ دل پر لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو بار پڑھے۔

سبق ۲: ... ذکرِ رُوحی:

زبان سے ”اللہ“ کہنا اور اس کی ضربِ لطیفہٴ رُوح پر لگانا، لطیفہٴ رُوح دائیں جانبِ دل کے محاذات میں ہے، ایک ہزار یا بارہ سو پڑھے۔

سبق ۳: ... ذکرِ سری:

زبان سے ”اللہ“ کہنا اور لطیفہٴ قلبی اور رُوحی کے درمیانی مقام پر ضربِ لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۴: ... ذکرِ نفسی:

زبان سے ”اللہ“ کہنا اور ناف کے نیچے ضربِ لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔
فائدہ: ... شیخ جب ذکرِ نفسی بتلائے تو آئندہ کے لئے ذکر کی ابتدا نفسی سے کرنے کا حکم فرمائے۔

سبق ۵: ... ذکرِ خفی:

زبان سے ”اللہ“ کہنا اور پیشانی کی سطح پر ضربِ لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۶: ... ذکرِ اُخفی:

زبان سے ”اللہ“ کہنا اور سر کی چوٹی یعنی تالو کے مقام پر ضربِ لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۷: ... پاس انفاس:

قلبی، رُوحی اور سری تینوں لطائف پر سے لفظ ”اللہ“ کو سانس کے ساتھ خیال کے ذریعہ اوپر اُحسی تک لے جانا، اور پھر وہاں سے سانس چھوڑتے ہوئے لفظ ”ہو“ خیال کے ذریعہ ناک سے نکالنا، اور ایک وقت میں نہ کریں، بلکہ ایک تسبیح (ایک سو) پڑھ کر، اگلی تسبیح بعد میں کریں، تاکہ دماغ ضعیف نہ ہو جائے۔

سبق ۸: ... ذکرِ اڑہ:

زبان سے لفظ ”اللہ“ کہتے ہوئے داہنے مونڈھے سے شروع کریں، اور لطیفہ رُوحی یا لطیفہ سری پر سے گزارتے ہوئے لطیفہ قلبی پر لفظ ”ہو“ کہہ کر ختم کریں۔

سبق ۹: ... مراقبہ سبع صفات:

تمام لطائف پر زبان سے کہے ”بصیر میں نہیں، تُو ہے، کلیم میں نہیں، تُو ہے، سمیع میں نہیں، تُو ہے، حی میں نہیں، تُو ہے، قدیر میں نہیں، تُو ہے، مرید میں نہیں، تُو ہے، علیم میں نہیں، تُو ہے“ یہ ایک دور ہوگا، اس طرح تین دور یا جتنا ہو سکے کرے۔

سبق ۱۰: ... سلطان الاذکار:

ناف سے لفظ ”اللہ“ کو خیال سے اوپر عرشِ معلیٰ تک لے جانا اور خیال کرنا کہ ملائکہ عظام تسبیح میں مشغول ہیں، اور چار ملائکہ: جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل کی آواز کانوں سے سن رہا ہوں، اور پھر عرشِ معلیٰ سے لفظ ”ہو“ خیال کے ذریعہ نیچے تحت الثریٰ تک پہنچادے۔

سبق ۱۱: نفی اثبات:

جس دم کر کے خیال کے ذریعہ ”لا“ کو ناف سے لطیفہ سری تک کھینچے، پھر ”الہ“ کے ”الف“ کو سری سے، ”ل“ کو خفی سے اور ”ھ“ کو اخفی سے خیال کے ذریعہ ادا کرے، پھر لطیفہ رُوحی پر آ کر ”إِلَّا“ کے ”الف“ کو رُوحی سے، ”لا“ کو سری سے اور لفظ ”اللہ“ کو قلب سے خیال کے ذریعہ کہتا رہے، جب سانس گھٹنے لگے تو لَطَائِفِ سِتِّہِ پر خیال کے ذریعہ ”محمد رسول اللہ“ کہے۔

سبق ۱۲: ...مراقبہ نورانی:

لَطَائِفِ سِتِّہِ (قلب، رُوح، سِرِّہ، خفی، اخفی اور نفس) پر بیک وقت اسم ذات ”اللہ“ کو چمکتا ہوا خیال کرے، ”اللہم صل علی سیدنا محمد النبی الامی والہ وبارک وسلم“ تین سو بار پڑھے۔

ترکیب: ... گیارہ دفعہ سورہ اِخْلَاصِ پڑھ کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ثواب پہنچائے، ذکر جہر میں: افضل الذکر ”لا اِلهَ اِلا اللہ محمد رسول اللہ“ (صلی اللہ علیہ وسلم) تین دفعہ کہہ کر ”لا اِلهَ اِلا اللہ“ کہتا رہے، دس تسبیح (یعنی ایک ہزار مرتبہ پڑھے)۔ پھر ”إِلَّا اللہ“ دس تسبیح، پھر ”اللہ“ دس تسبیح اور پھر ”ھو“ دس تسبیح پڑھے، بعدہ مراقبہ کرے۔ پھر تین، پانچ یا سات دفعہ لفظ ”اللہ“ قلب پر زبان سے کہہ کر دُعا کرے۔ عوام و خواص کے لئے یہی اسباق ہیں، اور اخص الخواص کے لئے اور اسباق بھی ہیں۔

دیگر اسباق و مراقبات:

بعض بزرگ ”وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ“، ”نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ“ اور ”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ“ وغیرہ کا مراقبہ بھی کراتے ہیں۔

بعض بزرگ ”اللہ حَاضِرِی، اللہ نَاطِرِی، اللہ مَعِی“ اذکار کے بعد پڑھنا
تعلیم فرماتے ہیں، اور پاس انفاس کا ذکر زیادہ کراتے ہیں، اوپر سانس جائے ”ہو، ہو“
ناک سے یا منہ سے سانس اندر جائے، قلب پر ”اللہ“ آئے، اس کی مداومت کرے۔

اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

والصلوة والسلام علی حبیبہ محمد والہ واصحابہ

واتباعہ اجمعین

عبداللہ عفی عنہ

نقشبندی قادری بہلوی شجاع آبادی

۵ رجب ۱۳۸۹ھ

فوائدِ ہمارے تصوف و عرفی معاملات



تصوف کے اہم اُمور اور معاملاتوں کا ازالہ



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ
 وَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
 التَّصْرُفُ وَلَهُ النِّعْمَةُ لَا اِلٰهَ غَیْرُهُ مِنْهُ التَّوْفِیْقُ وَالْهُدَیَاةُ
 وَالصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهِ خَیْرِ خَلْقِهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
 وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ زِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ وَرَضِیْ
 نَفْسِهِ دَائِمًا بِدَوَامِ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ، اَمَّا بَعْدُ.

تصوف دراصل عین اسلام بلکہ کمال اسلام کا نام ہے، یا دین کی رُوح، معنی،
 کیف اور کمال کا نام ہے، اور بغیر صوفی بنے اسلام کی دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی،
 قومی اور سیاسی برکات و ثمرات سے کما حقہ ہم کنار ہونا عملاً ناممکن ہے، مگر بد قسمتی سے
 دین کے تمام شعبوں سے زیادہ اس میں غلطیاں، بلکہ گمراہیاں سراپت کر گئی ہیں، جس
 کی بدولت رہا سہا دین بھی معنویت سے خالی، بے جان اور بے کیف ہو کر رہ گیا ہے،
 جس کی حقیقت پر پردے پڑ گئے، اور اس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی اور
 دکان دار صوفیوں کے ہاتھوں تصوف بھی کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن بن
 کر رہ گیا، اس کے علاوہ جہاں کہیں اس کا وجود رہا، وہ بھی چند فلسفیانہ خیالات کا

مجموعہ بن کر رہ گیا، اور ادو وظائف کا نصاب معین ہو کر صرف خلافت ملنا مقصد بن گیا، سلف صالحین نے اس فن کے جو ابواب و مسائل مستفح کئے تھے، وہ بالکل فراموش ہو گئے، اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان رہا، وہاں بھی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی ناقابل افہام و تفہیم، بلکہ ناقص تعبیرات، اور اعمال میں صرف ذکر، فکر اور مراقبہ کے چند اصول پر اکتفا ہوا، طریقت و شریعت کو متضاد و مقابل ٹھہرایا گیا، تصحیح عقائد، تحسین عبادت، اتباع سنت، اصلاح اعمال، ادائے حقوق العباد، ازالہ رذائل اور تحصیل محامد (محاسن) اکثر جگہ سے مٹ گئے۔

علمائے ظاہر، چونکہ باطن کے منکر یا اس سے نا آشنا تھے، اس لئے صوفیوں کے نزدیک ان کی نصیحت بے قدر ہوئی، اور یہ سمجھا گیا کہ یہ لوگ طریقت کے راز سے واقف نہیں، لہذا ان کی بات سننے کے قابل نہیں، اور علمائے ظاہر، تصوف کے منکر یا نا آشنا ہونے کی بنا پر دکان دار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت و گمراہی قرار دینے لگے، اور اس کے اصول و مسائل کو خلاف شریعت و خلاف سنت سمجھنے لگے۔

یہ بھی نہیں کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا بالکل وجود ہی نہ تھا، بلکہ کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری تھے، مگر محدود حلقوں میں تھے، اور اس فن کی تدوین، ترتیب، اصول، تحقیق مسائل، تالیف رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتاب، سنت، سلف صالحین اور اولیائے کرام کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کا کام بہت کم تھا۔ ردّ شبہات، دفع شکوک اور رفع اوہام کے لئے کوئی سلسلہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت، مجدد الملت، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ و رضی عنہ کو اس کی توفیق بخشی کہ انہوں نے ہر فن کے اور خصوصاً تصوف کے اصول و ضوابط بیان فرمائے، تمام شکوک و شبہات کو دفع کیا، تمام اوہام کا جواب دیا، شریعت، طریقت، حقیقت اور ناسوت و ملکوت کے توافق، تطابق، دقایق اور حقائق کو شریعت و سنت کے

معیار میں بیان کر کے چھلکے کو مغز سے، اور صحیح صوفیوں کو بناوٹی دکان دار صوفی سے ممتاز کر کے عوام و خواص کے لئے نصف النہار کے سورج کی طرح ظاہر و باہر کر دیا،
جَزَاهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الدَّارَيْنِ خَيْرًا!

حضرت دام فیوضہ اور دوسرے اختیار کرام کی کتب سے حقائق، دقائق اور دفع شبہات کی چند چیزیں پیش خدمت ہیں، گو بندہ اس کا اہل نہیں، مگر: "مَنْ لَمْ يُدْرِكْ كَلَّمَهُ لَمْ يَتْرُكْ كَلَّمَهُ" (جو شخص ساری چیز نہیں پاسکتا، تو جو کچھ تھوڑا بہت پاسکتا ہے، اس کو نہ چھوڑے) کے مصداق چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں، وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ وَمِنْهُ الْقَبُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ!

تصوف کیا چیز ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح انسانِ کامل کے دورِخ ہیں: ظاہر و باطن یا قلب و قالب، اسی طرح دینِ کامل کے بھی دورِخ ہیں: شریعت و طریقت۔ جیسے محض جسم کا نام انسان نہیں، بلکہ رُوح مع الجسد کا نام انسان ہے، ویسے ہی دین بھی محض نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام کا نام نہیں، بلکہ نماز میں خشوع اور اخلاص کا ہونا بھی ضروری ہے، ریا والی نماز کسی کام کی نہیں، زکوٰۃ سے دفعِ بخل اور مال کی قربانی، روزہ سے شہوتِ نفس کا توڑ بھی ضروری ہے، اسی طرح حج کے احکام: احرام، طواف، عرفات و منیٰ وغیرہ کا بجالانا ضروری ہے، ویسے ہی ان سے مال، جان اور وطن وغیرہ کی قربانی کا جذبہ اور ربِّ تعالیٰ کے فرمان پر عشقِ رحمن و رحیم، اور توحید کا سبق حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر حکمِ شریعت کا قانونِ شریعت کے مطابق کرنا جیسے ضروری ہے، ویسے ہی اس کی روایت و طریقت کا حصول بھی ضروری ہے۔ یہی چیزیں یعنی خشوع، اخلاص، توکل، تسلیم وغیرہ، طریقت ہیں، جو کہ جزوِ شریعت، اور

قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، اور باطن و روحانیت ہیں۔ اور شریعت اس مجموعہ ظاہر و باطن کا نام ہے۔

چنانچہ جیسے قرآن کریم میں: ”اقِیْمُوا الصَّلٰوَةَ“، ”وَاتُوا الزَّكٰوَةَ“، ”کُتِبَ عَلَیْكُمْ الصِّيَامُ“، ”وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ“ وغیرہ ہے، ویسے ہی: ”قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا“، ”اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ“، ”وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ“، ”یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَہُ“، ”مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ“ بھی ہے، پس جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں، ویسے ہی اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی ہیں۔

پس طریقت، شریعت کا جزو ہے، نہ کہ غیر شریعت، جیسے کتاب ”قدوری“ ابواب الطہارت، ابواب الصلوٰۃ، ابواب الزکوٰۃ اور ابواب البیوع وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے، نہ کہ ایک، ایک علیحدہ باب کا، ایسے ہی شریعت اس مجموعہ ظاہر و باطن کا نام ہے۔ اگر شریعت کے ظاہری اعمال و احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، تو باطنی احکام شریعت کا حصول و وصول بھی ضروری ہے، اور اسی کا نام تصوف ہے۔ پس تصوف تعمیر الظاہر و الباطن کو کہا جاتا ہے، نہ محض ظاہری احکام و اعمال کا حصول تصوف ہے، نہ محض باطنی اعمال اخلاص، شکر وغیرہ کا حصول تصوف ہے، بلکہ ظاہری اور باطنی اعمال کے مجموعہ کے حصول کا نام تصوف ہے، اور اسی کا نام شریعت ہے۔ پس تصوف و شریعت ایک دوسرے کے عین ہیں، ایک دوسرے کے لازم و ملزوم نہیں، اور ایک دوسرے کے مغائر و مقابل بھی نہیں، فافہم!

تصوف کے بغیر مسلمان، کامل مسلمان نہیں رہ سکتا!

جب شریعت و تصوف ایک دوسرے کے عین ہیں، تو جیسے بغیر شریعت کے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، ویسے ہی بغیر تصوف کے بھی کوئی شخص مسلمان نہیں رہ

سکتا، جو شریعت کا منکر ہے، وہ تصوف کا منکر ہے، اور جو تصوف کا منکر ہے، وہ شریعت کا منکر ہے، اگر اس پر کسی کو چڑ آئے یا غصے سے بھر جائے تو درحقیقت وہ تصوف کا معنی و مطلب ہی نہیں سمجھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ:

بعض لوگوں نے قلب و باطن کے تزکیہ و صفائی پر اس قدر زور دیا ہے کہ گویا سارا تصوف یہی ہے، اور چونکہ غیر مسلم اشراقیہ اور خصوصاً ہندوستان کے جوگیوں میں تزکیہ و صفائی بکثرت پائی جاتی ہے، اور بڑے خوارق کے ساتھ پائی جاتی ہے، اس لئے ان کو بھی بہتوں نے صوفی ہی سمجھ رکھا ہے، اور ”الصُّوفِيُّ لَا مَذْهَبَ لَهُ“ کا مقولہ پڑھ کر صوفی کو اسلام کی قید سے بھی خارج اور آزاد سمجھ لیا ہے۔

جواب: ... اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: ”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا“ (الشمس: ۹) (جس نے تزکیہ کیا، وہ کامیاب ہوا)، اس سے وہ تزکیہ مراد ہے جو موجب فلاح ہو، اور وہ اتباع شریعت میں منحصر ہے، کیونکہ قرآن کریم کا اعلان ہے:

”وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ“

(آل عمران: ۸۵)

ترجمہ: ... ”جس نے اسلام کے سوا (زندگی گزارنے

کا) کوئی طریقہ اختیار کیا، اس کو بالکل قبول نہ کیا جائے گا۔“

پس جوگی وغیرہ جو ریاضت کرتے ہیں، وہ سرے سے صفائی ہی نہیں، یا لغوی معنی کے اعتبار سے اگر اُسے صفائی کہو تو ساتھ ہی ”غیر مقبول“ بھی کہنا پڑے گا، اس معنی کے اعتبار سے صفائی دو قسم کی ہوئی: صفائی مقبول اور صفائی مردود۔

صفائیت در آب و آئینہ نیز

لیکن صفا را نباید تمیز

صفائی مقبول وہ ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے، اور وہ اتباع شریعت ہے اور بس، اور مقولہ: "الصُّوفِيُّ لَا مَذْهَبَ لَهُ" کا یہ مطلب نہیں کہ کافر بھی صوفی ہو سکتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ صوفی کو حقیقت حق معلوم ہونے کے بعد وہ کسی خاص راستے کا متقید نہیں، بلکہ جو چیز یقینی مشروح ہو جائے، اسی کا معتقد اور اس پر عامل ہوتا ہے، علم الیقین سے عین الیقین کا نصیب ہونا، قرآن مجید یا حدیث صحیح سے ہوگا، وگرنہ الہام اور کشف تو ظنی چیزیں ہیں، قطعی اور یقینی نہیں ہیں۔ کشف کوئی تو ابنِ صیاد کو، جس پر دجال ہونے کا شبہ تھا، بھی حاصل تھا (کذافی صحیح مسلم)۔ پس تصوفِ اسلام وہی ہے جو اتباع شریعت میں ہے، اتباع شریعت کے سوا تصوف، اسلام نہیں۔

شعلے اٹھیں ہزار، تجلی مگر کہاں؟

یہ آگ ہے ضرور، مگر طور کی نہیں!

دوسرا مغالطہ:

اکثر علمائے ظاہر کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ: حضراتِ صوفیہ کے بہت سے حقائق، معارف، اذکار، اشغال، مجاہدات، مراقبات، احوال، کیفیات، کشف، کرامات، ترکِ لذت، ترکِ تعلقات، بیعت، نسبت، رسوم اور عادات وغیرہ کی خاص خاص صورتوں کا کتاب و سنت کی عام و منصوص تعلیمات میں بظاہر کہیں نام و نشان نہیں ہے، جس سے یہ مغالطہ ہو گیا کہ تصوف و طریقت کی اصل اور حقیقت یہی بدعات ہیں۔

جواب: ... اس کا جواب یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں دوست، دشمن، معتقد اور منکر سب ہی ایک مشترک غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ ان چیزوں کو تصوف کے مقاصد و غایات سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان کی اصل حیثیت تدبیر و مقدمات یا آثار و ثمرات کی ہے، اور یہ چیزیں مقاصدِ تصوف قطعاً نہیں، اس لئے ان کو بدعات کہنا

سرے سے غلط ہے۔

کیونکہ بدعت نام ہے اِحداث فی الدین کا، یعنی دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ اِحداث لِلدین یعنی مقاصد دین کے حصول کے لئے تجربہ کی بنا پر کسی نئی تدبیر کا اختیار کرنا، جیسے طب میں صحت کے حصول کے لئے نئی تدابیر و ادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوا کرتا ہے، یا خود دین میں علوم دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدرسے کھولنا، کتب خانے قائم کرنا، درس و تدریس کے لئے نصابِ تعلیم کی نئی نئی صورتیں تجویز کرنا، امتحانی سند دینا، یہ سب باتیں نئی یا اضافے ہیں، لیکن چونکہ اِحداث لِلدین ہیں، یعنی یہ اضافے دین کی اشاعت کے لئے ہیں، اس لئے بدعات نہیں، اور نہ ہی ان کی اصل اور بنیاد کتاب و سنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً: نماز میں خشوع: ”ہُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ“، اور حضور قلب ”لَا صَلَاةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ“ مقصود و مأمور ہے، اور تجربہ سے ذکر، شغل یا مراقبہ کی کوئی خاص صورت و ہیئت جو اس مقصد کے حصول میں معین ہو، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہ ہو، اس کو خود ایجاد و اختیار کر لینا یا دوسرے لوگوں سے معلوم کر لینا، ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے لئے تیر و تفنگ کے بجائے بندوق اور مشین گن کا خریدنا اور سیکھنا، اور صوفیہ کے ہاں پاس انفاس کا جو شغل ہے، اس سے یکسوئی ہوتی ہے اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ذکر کے مختلف طرق ہیں، جس کو جس طریق میں جمعیت خاطر ہو، اسے وہی اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ جمعیت خاطر گو خود مقصود نہیں، لیکن حصول مقصود کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہے، اس لئے مطلوب ہے، اور مقدمات کا حصول مقصد میں بہت دخل ہوتا ہے، جیسے صرف و نحو کے پڑھنے کو قرآن مجید کے سمجھنے میں بڑا دخل ہے، اس

لئے مشائخ نے مقاصد کے لئے کچھ مقدمات تجویز کئے ہیں، اور ان کو عملاً ایسی اہمیت دی ہے جیسے خود مقاصد کو دی گئی ہے۔ (کذافی اضافات الیومیہ حصہ ہفتم حکیم الامت قدس سرہ) ان چیزوں کے مقدمات ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مقاصد کی طرح ان مقدمات میں سے کسی خاص مقدمہ کو اختیار کرنا ہی لازم و واجب نہیں، بلکہ جس سے جمعیت خاطر ہو، وہی کرتا رہے، مثلاً: ذکرِ زبانی، قلبی یا پاسِ انفاس وغیرہ کا ذکر کرتا رہے، اور جمعیت کا مطلوب ہونا اس حدیث سے واضح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

”اگر کھانا تیار ہو اور نماز بھی تیار ہو (یعنی جب بھوک

کا تقاضا ہو) تو پہلے کھانا کھالے، پھر نماز پڑھے۔“

(ابوداؤد ج: ۲ ص: ۱۷۱)

اس میں بظاہر یہ علت معلوم ہوتی ہے کہ اگر پہلے نماز پڑھی تو طبیعت مُشوش رہے گی، اور نماز میں جمعیت نہ ہوگی، اور اس کے برعکس کیا، تو نماز میں جمعیت اور کھانے میں تشویش نہ ہوگی۔

اسی طرح ”جس دم“ جو جوگیوں کا شغل ہے، چونکہ یہ ان کا مذہبی یا قومی شعار نہیں، اور خطرات کے دفع کرنے کے لئے نافع بھی ہے، اس لئے صوفیہ نے اس کو بھی اپنے ہاں لے لیا، اور اس میں تشبہ ممنوع نہیں، کیونکہ نہ تو یہ ان کا قومی شعار ہے اور نہ مذہبی، اس لئے اس کو تدبیری حیثیت سے محض نفع کے لئے لے لیا گیا، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کی تجویز مان لی تھی، اور یہ انتظام و تجویز فارسی لوگوں کا کوئی قومی یا مذہبی شعار نہ تھا، محض ایک تدبیر تھی، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی اجازت دے دی۔ یہی حکمت ہے ذکرِ جہری میں، کہ اس میں وساوس و خطرات کم آتے ہیں، کیونکہ اپنی آواز جو کانوں میں آتی رہتی ہے، تو قلب آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے،

سو یہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔

اسی طرح ضرب میں، یعنی: ”اللَّهُ، اللَّهُ“ یا ”إِلَّا اللَّهُ، إِلَّا اللَّهُ“ کی ضربِ دل پر لگانے میں بھی طبی حکمت ہے کہ حرکتِ ضعیفہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے، اور حرارت سے رقت، اور رقت سے تاثر، اور تاثر اطاعت و محبت کا معین ہوتا ہے، جو کہ مقاصد ہیں، پس ضربِ ذریعہ مقصود ہونے کی بنا مقصود بالغیر ہے، لیکن زیادہ زور سے ضرب لگانے میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے، لہذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

پھر ذکر کے ساتھ دائیں، بائیں گردن پھیرنا ذکر میں یکسوئی، خطرات بند ہونے اور مطلب میں پوری توجہ ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے، مگر یہ قوی المزاج کے لئے ہونا چاہئے، ضعیف المزاج کا قلب تھوڑے سے مشاغل سے بھی متاثر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح محاسبہ و مراقبہ موت، یعنی موت کے بعد سے حساب و کتاب وغیرہ تک کے واقعات کا اس طرح تصور کرنا کہ گویا وہ معاملات ہم کو پیش آرہے ہیں، اس کی بھی یہ حکمت و غایت ہے کہ کثرتِ ذکر سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دُنیا سے نفرت پیدا ہوگی، اور یہی محبت و نفرت اس کا کام بنا دے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کثرتِ ذکر:

ذکر کی کثرت و دوام پر کتبِ تصوف مثلاً: ”قصد السبیل“، ”احیاء العلوم“ وغیرہ میں اتنا زور ہے کہ تصوف کے دو مرتبے ٹھہرا کر پہلا مرتبہ ظاہر کو مندوب و مستحب طاعت کے ساتھ آراستہ کرنا اور دوسرا مرتبہ جزو باطن کو دوامِ ذکر میں مشغول رکھنا قرار دیا گیا ہے۔

ذکر کی یہ کثرت اور دوام خود قرآن مجید میں منصوص ہے، جیسے کہ: ”أذْكُرُوا“

اللَّهُ ذِكْرًا كَثِيرًا“، ”الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ“ وغیرہ آیات سے کثرتِ ذکر، بلکہ دوامِ ذکر بھی ثابت ہے۔ اور انسان کی یہی تین حالتیں ہیں، یعنی: کھڑے، بیٹھے اور سوتے، اور کسی کام کی کثرت کے لئے محاورہ بھی ان تین حالتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جب ان سب میں ذکر اور دوام ہوگا، تو آیت: ”لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ“ کا مصداق ہوگا، یعنی ان کو تجارت اور کاروبار کی مصروفیت اللہ کے ذکر سے مشغول نہیں کر سکتی، اور مصروفیت و مشغولیت کے اوقات میں ذکر سے غافل نہ ہونا قلبی ذکر کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

ذکر کے لغوی معنی یادداشت کے ہیں، یعنی جب کسی شے کو یاد کیا جاتا ہے یا از خود یاد آ جاتی ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ذہن کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے یا از خود متوجہ ہو گیا، تو اس کی جانب ذہنی یا قلبی توجہ اور التفات سے کام لے رہا ہے، لیکن زبان سے اس کا نام و نشان سرے سے نہیں ہوتا، لہذا یاد و ذکر دراصل نام ہے مذکور کو یاد کرنے یا اس کی طرف قلبی توجہ کرنے کا، نہ کہ محض زبانی تلفظ کا، یہی ذکرِ قلب ہے، جس سے دل میں خاص تعلق کی یاد تازہ رہا کرتی ہے، جس سے زندگی کی ہر حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کی رضا، عزت، محبت، سزا، جزا اور تعمیلِ فرمان پیش نظر رہتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بشری سہو و خطا کے علاوہ دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا چھوٹے بڑے گناہ کے قریب جانا عملاً ناممکن ہوگا، فافہم!

یاد رکھنا چاہئے کہ علم اور یاد میں فرق ہے، اس لئے کہ چوری کرنے والے کو سزا، قید اور رسوائی کا علم ہوتا ہے، جبکہ بعض حضرات باوجود فاقہ اور ضرورت کے چوری تو کجا، خود سرکاری مال گزاری کو بھی نہیں ٹالتے، کہ کہیں ادا نہ کرنے میں رسوائی نہ ہو جائے، دیکھئے! علم دونوں کو ہے، مگر ایک باوجود علم کے چوری کا اقدام کر رہا ہے، اور دوسرا تازیانہ کے اندیشے سے جرم تک جانا پسند نہیں کرتا، پس اسی

طرح ذکر کی حقیقت کو سمجھو کہ ذکر قلبی والا نافرمانی کے قریب تک نہیں جاتا، اور جس کو حقیقی ذکر قلب میسر نہیں، وہ ذکر بھی کئے جاتا ہے اور جرم بھی کئے جاتا ہے، دراصل اس کو خیال ذکر تو ہے، مگر سچ مچ (حقیقتاً) ذکر حاصل نہیں۔ گویا اس کو علم خدا تو ہے، مگر ذکر و یاد خدا نہیں ہے۔

ذکر اللہ کے مراتب:

۱:۔۔۔ بعض کو ذاتِ حاکم کی یاد کافی ہوتی ہے، یعنی اس کو حاکم سے ایسا خاص تعلق ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت و نافرمانی نہیں کرتا، اس کو سزائے جیل وغیرہ کی یاد کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲:۔۔۔ بعض ایسے وقت میں حاکم کی ناراضی کے اندیشہ سے مخالفت نہیں کرتے۔
 ۳:۔۔۔ بعض کو یہ اندیشہ بھی نہیں ہوتا، بلکہ حیا و شرم مانع ہوتی ہے۔
 ۴:۔۔۔ بعض کو حیا و شرم بھی مانع نہیں ہوتی، بلکہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، اس تعلق کا کوئی نام ہی نہیں، کیونکہ:

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
 بسیار شیوہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

ذکر کے درجات:

اول:۔۔۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرو۔
 دوم:۔۔۔ یہ کہ بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرو۔
 سوم:۔۔۔ یہ کہ نام کا واسطہ بھی نہ رہے، محض ذات کے ذکر پر قادر ہو جائے،
 وغیرہ ذالک۔

محبوب سے تعلق کے درجات:

اول: ... پہلا درجہ یہ ہے کہ محبوب کے نام کی حظ اور لذت آتی ہے۔

دوم: ... یہ کہ اس کی یاد کو نہیں بھولتا۔

سوم: ... یہ کہ محبوب اور محبوب کے متعلقات، احباب، وطن، اقرباء سب

محبوب ہو جاتے ہیں۔

چہارم: ... یہ کہ اگر اس کو کہا جائے کہ: تجھے کسی گناہ پر سزا نہ ہوگی، جب بھی

احکام کی مخالفت نہ کرے گا۔

پنجم: ... یہ کہ اگر اس کو آواز آئے کہ: تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا، تب بھی اعمال

میں کوتاہی نہ کرے گا۔

ایک بزرگ کو ذکر میں آواز آئی کہ: جو چاہے کر، تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا،

پریشان ہوا، مگر ذکر، نماز وغیرہ نہیں چھوڑی، مرشد کے پاس جا کر عرض کیا، مرشد نے

فرمایا کہ: یہ محبوب کی دشنام ہے، کام میں لگے رہو:

بدم گفتی و خور سدم عفاک اللہ نکو گفتی

جواب تلخ می زیب لب لعل شکر خارا

ترجمہ: ... ”تو نے مجھے بُرا کہا اور میں خوش ہوں، اللہ

تجھے معاف کرے، تو نے اچھا ہی کہا، میٹھی آواز والے سرخ

ہونٹ سے تلخ جواب زیب دیتا ہے۔“

محبت کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی وجہ سے

طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں، یا یوں کہو کہ امتحان کرتے ہیں، ان کا رونا چلانا

اللہ تعالیٰ کو پسند ہے:

ذوقہا دارم بہ یاریہائے تو

خوش نماید گریہ شبہائے تو

ترجمہ: "...میں تیری دوستی میں بہت ذوق رکھتا ہوں،

تیرا راتوں کا رونا بہت اچھا لگتا ہے۔"

جیسے بچوں کو محبت سے چھیڑا جائے، کبھی وہ رونے لگتے ہیں یا مارنے لگ

جاتے ہیں، اور ان کی یہ ادائیں چھیڑنے والوں کو پسند آتی ہیں:

پر دریم دشمن ومی کشیم دوست

کس را نرسد چون و چرا در قضائے ما

ترجمہ: "...ہم دشمن کو پالتے ہیں اور دوست کو قتل

کرتے ہیں، کسی کو ہماری قضا میں چوں چرا کا حق نہیں پہنچتا۔"

قلب کا جاری ہونا، ایک مغالطے کا ازالہ:

قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خداوند تعالیٰ کی یاد دل پر حاضر رہے۔

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی بوٹیاں پھڑکتی ہیں، یہ بہت کامل

ہے، اور جن لوگوں میں یہ بات نہیں ہوتی، ان کی نسبت کہتے ہیں: یہ نیک بخت ہیں،

مگر ان میں کمالات باطنی نہیں، حالانکہ کمالات باطنی بالکل مخفی چیزیں ہیں، ان کو

بوٹیوں کے تھرکنے سے کچھ تعلق نہیں، ہاں! کبھی ذکر قلبی پر کچھ تحرک (حرکت) ہو جائے

تو درست ہے، تحرک ذکر قلبی کو لازم نہیں، نہ بوٹی کے تحرک کو ذکر قلبی کہتے ہیں، ذکر قلبی

یہ ہے کہ ذات مذکور کا اس طرح استحضار ہو کہ گویا ہم اس کے سامنے حاضر ہیں، اس کو

دیکھ رہے ہیں، یا وہ ہم کو دیکھ رہا ہے، اسی کا نام "احسان" ہے، یہی شریعت کا عین

مقصود ہے، اور یہی خلاصہ تصوف ہے، کہ طاعت کا اہتمام، ذکر کا دوام اور معصیت و

غفلت سے اجتناب تام ہو۔

دوسرے مغالطے کا جواب:

اکثر صوفیوں کا یہ خیال ہے کہ نفس ذکر ہی تمام اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے کافی ہے، اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: ”انا جلیس من ذکرنی“ یعنی جب اللہ تعالیٰ اس کے جلیس اور ہم نشین ہیں، تو معاصی میں کیسے مبتلا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: ”ذکرنی“ میں خود تدابیر اصلاح بھی داخل ہیں کہ معالجہ امراض کے بغیر ذکر ہی متحقق نہ ہوگا، کیونکہ جس کی یاد کا دعویٰ ہو، اگر اس سے بات نہ کرے، نہ خط کا جواب دے، نہ اس کا فرمان مانے، تو یہ یاد ہرگز نہیں کہلائے گی، لہذا جو ذکر اصلاح کے بغیر ہو، وہ ایسی ہی یاد ہے۔

اکثر مشائخ میں بھی یہ مرض پایا جاتا ہے کہ مرید کو کچھ اذکار کی تعلیم فرما کر فارغ ہو جاتے ہیں، وہ ان کے اعمال و اخلاق کی کوتاہیوں پر کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں فرماتے، اور اس کا کوئی علاج و تدبیر بھی نہیں کرتے، بلکہ اگر سالک کسی مرض کو بیان کرے تو اکثر اس کے لئے کوئی وظیفہ یا ذکر وغیرہ تجویز کرتے ہیں، اللہ اکبر! حالانکہ پہلے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی ضرورت ہے، اوراد و وظائف کا دوسرا، تیسرا درجہ ہے، حالانکہ طاعات و معاصی دونوں اختیاری چیزیں ہیں، اُن میں وظیفے کو کیا دخل ہے؟ رہا طریقہ اصلاح! سو امور اختیار یہ میں اختیار کے سوا اور کچھ نہیں، فافہم!

مشائخِ کرام کے لئے:

”قصد السبیل“ وغیرہ کتب کے حوالہ سے سالکین کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ: سالکین کے چار طبقات ہیں: عامی مشغول، عامی فارغ، عالم مشغول، عالم فارغ۔

۲،۱... عامی مشغول اور فارغ کے لئے تو اشغال کی سرے سے ممانعت فرمائی

گئی ہے، کیونکہ اس میں طرح طرح کے خطرات ہیں، جن کا تحمل عامی سے نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ کبھی تو وہ پیر کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھنے لگتا ہے، اور کبھی اپنے میں کچھ انوار و کشف دیکھ کر مدعی ولایت ہو کر عجب کے مرض میں پھنس جاتا ہے، وغیر ذالک۔

۳: ... عالم مشغول میں یہ قید ہے کہ وہ شیخ سے دُور رہ کر شغل نہ کرے، البتہ اگر اس نے کچھ عرصہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کام کیا ہو، تو پھر غائبانہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔

۴: ... عالم فارغ میں بھی ایسے علماء کو اشغال دیئے جاسکتے ہیں، جو ایک طرف دین و شریعت کا پورا علم رکھتے ہوں، اور دُوسری طرف فکرِ معاش سے فارغ ہوں، تاکہ جاہل صوفیوں کی خلافِ شرع رسوم و بدعات کا شکار نہ ہو سکیں، اور اشغال و مراقبات یا ان کے ثمرات و کیفیات وغیرہ کے عدمِ تحمل کی وجہ سے حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ کر سکیں، فافہم!

شیخ کیسا ہونا چاہئے؟

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”آداب الشیخ والمريد“ میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

”شیخ کے لئے لازم ہے کہ اس میں دین انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا سا ہو، تدبیر اطباء کی سی، اور سیاست بادشاہوں کی سی، تب کہا جائے گا کہ یہ اُستاز ہے، اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک مرید نہ کرے جب تک اس کا امتحان نہ کر لے۔“

اسی طرح شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

”شیخ و پیر کے لئے لا بد (ضروری) ہے کہ اس میں
دین انبیاء (علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کا سا ہو، اور سیاست
ملوک (بادشاہوں) کی سی ہو۔“

پیر و مرید کی حیثیت طبیب و مریض کی سی ہے:

جاننا چاہئے کہ اصل مقصود نفس کی اصلاح، مأموراتِ شریعت کا اخلاص کے
ساتھ بجالانا، اور منہیات سے احتراز کرنا ہے، اور یہ ایک مستقل فن ہے۔ شیخ وہ ہوتا
ہے جو علل و امراضِ روحانیہ اور ان کے معالجات سے بخوبی واقف و ماہر ہو، اور
مریدوں کو ان اعمال کی تعلیم اور ان طرق پر کار بند کرتا ہو اور بوقتِ ضرورت سیاست
سے بھی کام لیتا ہو، اور مریدوں کو مطلق العنان نہ چھوڑتا ہو، لیکن افسوس! کہ آہستہ
آہستہ ایسا انقلاب آیا کہ اب یہ فن مردہ کی مانند ہو گیا۔

معالجے کا ازالہ:

اکثر مسند نشین اس فن سے ناواقف ہوتے ہیں، اور ان کے ہاں صرف
اذکار و اشغال کی تعلیم رہتی ہے، اور طالبین نے ان اذکار و اشغال کی پابندی کی، اس
پر جو کیفیات و احوال وارد ہوئے، اس کو انہوں نے وصول الی اللہ سمجھ لیا، خواہ باطن،
کبر، حسد، ریا وغیرہ رذائل سے ملوث رہے، حالانکہ کیفیات کا حصول عند اللہ مقبولیت
کی دلیل نہیں، کیونکہ یہ کیفیات تو خاص تدبیروں سے فاسقوں کو، بلکہ کافروں کو بھی
حاصل ہو جاتی ہیں۔

لہذا مرید و سالک پر واجب ہے کہ مرشد سے اپنے امراضِ قلبیہ: حب
مال، حبِ جاہ، بغض، حسد، بخل، حرص، ریا، نفاق، کبر، عجب اور طمع وغیرہ، جن کو رذائل
کہتے ہیں، کا علاج کرائے، جو شخص بغض اور حسد کی آگ میں جل رہا ہے یا ریا و نفاق

میں گرفتار ہے، وہ جانتا ہے کہ میری طاعت و خیرات لوگوں کے دکھلاوے کے لئے ہے یا مکر و فریب سے سنا رہا ہوں، وہ خوش ہے کہ حالات و کیفیات وارد ہو رہی ہیں، مقبولیت عند اللہ ہو رہی ہے، حالانکہ اصل پیری امراضِ قلبیہ کا علاج کرنے کا نام ہے، مرشد تشخیصِ امراضِ قلبیہ اور علاج کرتا ہے، اور سالک و مرید علاج کروا رہا ہے، اور شفا اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

شیخِ کامل کی پہچان:

شیخِ کامل کی درج ذیل علامات ہیں:

۱... شریعت کا بقدرِ ضرورت علم رکھتا ہو۔

۲... عقائد، اعمال اور اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

۳... دُنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو، کہ یہ بھی دُنیا کا ایک

شعبہ ہے۔

۴... کسی شیخِ کامل کی صحبت میں کچھ عرصہ رہا ہو۔

۵... اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

۶... بہ نسبت عوام کے، خواص یعنی فہیم و دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ

مائل ہوں۔

۷... اس سے جو لوگ بیعت ہوں، ان میں سے اکثر کی حالت پابندی

شرع، اتباعِ سنت اور قلتِ حرصِ دُنیا کے اعتبار سے اچھی ہو۔

۸... وہ شیخِ تعلیم و تلقین میں مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو، اور اُن

کی بُری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک بھی کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ان کو ان کی مرضی

پر چھوڑ دے۔

۹: اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دُنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں زیادتی محسوس ہوتی ہو۔

۱۰: خود بھی ذاکر و شاعِل ہو، کہ عمل یا عمل کے عزم کے بغیر، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

۱۱: مرید پر یہ لازم ہے کہ وہ یہ نہ دیکھے کہ شیخ کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل یعنی نیم کشتہ مرغ کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ بزرگی کے لوازم میں سے نہیں ہے، اصل میں یہ نفسانی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے، غیر متقی، بلکہ غیر مسلم بھی ایسا کر سکتا ہے، اس سے چنداں نفع دیر پا نہیں ہوتا، البتہ اس سے چند دن ایک گونہ انفعال پیدا ہو جاتا ہے۔

رسمی بیعت ضروری نہیں:

پیری مریدی یا بیعت کو بھی بہتوں نے درویشی کے لئے لازم یا محض رسمی بیعت کو ہی کافی سمجھ رکھا ہے، یہ سراسر جہل ہے، دراصل پیری مریدی کی غرض و غایت ظاہری و باطنی اعمال و اخلاق کی اصلاح ہے، خصوصاً نفسانی امراض کا علاج ضروری ہے، اگر پیر و مرید دونوں کی جانب سے اصلاح و علاج کا پوری طرح اہتمام ہو، تو رسمی بیعت قطعاً ضروری نہیں، البتہ نفسِ بیعت میں کسی قدر برکت ضرور ہے، اکثر و بیشتر بیعت اور پیر کی شرم سے لوگ نیک اعمال کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، اگر اس قدر بھی نہ ہو، تو پھر بیعت غیر مفید ہے۔

تعلیم و تربیت کے لئے ضروری چیزیں:

تصوف ظاہر و باطن کی اصلاح کا نام ہے، جب تک ظاہری اعمال کی اصلاح نہ ہو، باطن کی اصلاح بھی مشکل ہے۔

پہلے تجلیہ ہے، یعنی میل کچیل صاف کرنا، پھر تخلیہ ہے، یعنی زیب و زینت سے آراستہ ہونا۔

پہلے اپنے آپ کو منہیات یعنی ممنوعات شرعی سے دُور رکھے، پھر مأمورات کے عمل سے زیب و زینت کرے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک غلط اعمال نہ رُکس، نیکی نہ کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ممنوع چیزوں سے رُکنے کا عزم بالجزم کرے، اور نیکی میں بھی ہمت کرے، اور اس کے لئے درج ذیل اُمور پیش نظر رہیں:

۱:۔۔۔ ظاہری اعمال پر صحیح طور پر عمل کرنے کے لئے کم سے کم بہشتی زیور اور بہشتی گوہر کو سبقاً پڑھے، یا اس کا مطالعہ کرتا رہے، کیونکہ جن باتوں کا کرنا یا چھوڑنا ضروری ہے، وہ اس میں مذکور ہیں، مثلاً: ترکہ سے لڑکیوں کو حصہ نہ دینا، اہل حکومت و ریاست کا غرباء پر ظلم کرنا، جھوٹی نالش کرنا، رشوت کی آمدنی، جھوٹ بولنا، تجارت میں دغا کرنا، وغیرہ، ان کو درست کرے۔

۲:۔۔۔ اس طریق میں دو چیزیں ہیں: اعمال اور احوال۔ اعمال مقصود ہیں اور اختیاری ہیں، جبکہ احوال غیر مقصود اور غیر اختیاری ہیں، اگر احوال یعنی لذت، شوق اور استغراق وغیرہ پیدا نہ ہوں، تو مقصود میں خلل نہیں آتا، اگر کبھی پیدا ہوں تو اعمال ہی سے پیدا ہوتے ہیں، طالبِ خدا باش طالبِ لذتِ مباش، (طالبِ خدا بن، طالبِ لذت نہ بن)، قربِ خداوندی و رضا مولیٰ تعالیٰ کے اسباب اعمالِ صحیحہ ہیں، نہ کہ احوال، فافہم!

اگر کسی نے احوال کو مقصود سمجھا اور وہ حاصل بھی ہو گئے، تو طالبِ احوال کے خیال میں خوب ہوا، اور اگر حاصل نہ ہوئے تو پھر کبھی تو اللہ تعالیٰ سے بے اعتقادی و بے اعتمادی کی نوبت آجاتی ہے، اور بزبانِ حال کہتا ہے کہ: مقبولیتِ دُعا و اعمال کے وعدے کہاں گئے؟ اور کہتا ہے: رَحْمٰن، رَحِیْم اور ارحم الراحمین کے اثرات تو

دیکھے نہیں، کبھی مرشد و شیخ سے بے یقین ہو جاتا ہے کہ خود ان کو طریق کا پتا نہیں، یا ہمارے ساتھ بخیلی کرتے ہیں، کبھی سلوک و طریق کو چھوڑ دیتا ہے، کبھی خودکشی کر لیتا ہے، وغیر ذالک من الفسادات، فافہم!

۳: ... سلوکِ مسنون آسان چیز ہے، لہذا جو قرب کے اسباب ہیں، یعنی ظاہری اعمال جیسے: نماز، روزہ وغیرہ، اور باطنی اعمال جیسے: خوف، شکر وغیرہ، ان کی تحصیل میں مشغول رہے۔

اور جو بعد کے اسباب ہیں، یعنی ظاہری و باطنی معصیت، ان سے مجتنب رہے، اس کی ضرورت نہیں کہ اسبابِ قرب میں ملکہ پیدا کرنے کی فکر کرے اور نہ اس کی حاجت ہے کہ اسبابِ بعد کا مادہ سرے سے منقطع ہو جائے، مثلاً: غضب، شہوت وغیرہ کا مادہ ہی نہ رہے۔

اُمورِ اختیار یہ میں سے جس میں کوتاہی ہو جائے، اس کو مضر و مہتمم بالشان سمجھے اور اس کی اصلاح کرے، باقی اُمورِ غیر اختیار یہ کے وجود و عدم وجود کی طرف التفات نہ کرے، مثلاً: یہ نہ سوچے کہ غلط خیال کیوں نہیں رکتے؟ اور اس کی اصلاح میں بھی زیادہ کاوش نہ کرے، اگر اتفاقاً کوئی امر منکر صادر ہو جائے تو اس سے استغفار کرے، مگر اس کے پیچھے نہ پڑے کہ: ہائے! مجھ سے یہ کام کیوں صادر ہوا؟ یا یہ کام مجھ سے کیوں فوت ہوا؟

سخت گیر جہاں بہ مرد مان سخت کوش

بس فضل ہوتے ہوتے ہو جائے گا، حدیث میں آتا ہے:

”سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا، مَا

جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ.“

ترجمہ: ... ”استقامت اختیار کرو، اور سیدھے چلتے رہو،

اور ہرگز شمار نہ کرو، اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

رُوحِ سلوک:

اہل طریق کے ہاں یہ اصول مقرر و مُسلم ہے کہ: ”طلب مقصود ہے، وصول مقصود نہیں“:

یا بم او را یا نہ یا بم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

ترجمہ:.... ”میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں، تلاش کرتا

رہوں گا، حاصل ہو یا نہ ہو، آرزو کرتا رہوں گا۔“

اس کی شرح یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں زیادہ تقاضا نہ رکھے، کہ ہائے! کیوں حاصل نہ ہوا؟ کیونکہ یہ بھی حجاب ہے، اس سے تشویش ہوگی، اور تشویش جمعیت و تفویض کے لئے تباہ کن ہے، اور جمعیت و تفویض ہی شرط وصول ہے، اس کو خوب راسخ کر لیا جائے کہ یہ رُوحِ سلوک ہے۔ پورا کامل، بجز انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی بھی نہیں، اور وہ بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے، سب کو اپنے حال و کمال کے موافق نقص نظر آتے ہیں، خواہ حقیقی ہوں یا اضافی، لہذا کمال کی توقع ہی چھوڑنا واجب ہے، ہاں! سعی کمال کی توقع، بلکہ عزم واجب ہے۔

ریاضت سے رذائل کا استیصال نہیں ہوتا:

اکثر کا خیال ہے کہ مجاہدہ و ریاضت سے بُری باتوں کا میلان ہی طبیعت سے نیست و نابود ہو جائے، اخلاقِ ذمیمہ کی جڑ ہی کٹ جائے۔ یہ غلط خیال ہے، ریاضت سے اخلاقِ ذمیمہ کے اُصول کا ازالہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا ازالہ ہو جاتا ہے، یعنی ان کا مصرف یا استعمال بدل جاتا ہے، مثلاً: کسی میں بخل اور غضب موجود تھا، تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں کٹ جاتی کہ سرے سے غضب و بخل ہی نہ رہے، بلکہ پہلے مواقعِ خیر میں بخل کرتا تھا اور نیک بندوں پر غصہ کرتا تھا، اب نا مشروع جگہ بخل کرے گا اور مبعوضانِ الہی اور نفس پر غصہ کرے گا۔ اس طرح اخلاقِ ذمیمہ، بعد کے بجائے قرب کا سبب بن گئے۔

اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیلیِ اخلاق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ معلوم ہو گیا کہ تبدیلیِ اصول تو نہیں ہو سکتی، کیونکہ حدیث میں ہے:

”إِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ زَالَ عَنِ جِبَلَّتِهِ فَلَا

تُصَدِّقُوهُ.“ (مجمع الزوائد ج: ۷ ص: ۹۶ باب فرغ الی کل عبد من خلقه)

ترجمہ: ”جب سنو کہ کوئی شخص اپنی ذاتی طبیعت سے

بدل گیا، تو اس کو نہ ماننا۔“

البتہ آثار و مصارف یا استعمالات بدل سکتے ہیں، اس لئے مجاہدہ و ریاضت

اپنانے کا حکم ہے۔

فائدہ: ... نفس کا کسی معصیت یا بد اخلاقی کی طرف محض طبعی رُحجان و تقاضا،

جب تک کہ اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے، نہ معصیت ہے اور نہ بد اخلاقی، انسان

صرف اس کا مکلف ہے کہ اخلاقِ رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے، رہا یہ کہ طبعی

تقاضے زائل ہو جائیں، اس کا نہ انسان مکلف ہے، نہ بہ سہولت یہ امر میسر ہو سکتا ہے،

البتہ ریاضت و مجاہدہ سے اتنا ہو جاتا ہے کہ نفس آسانی سے قابو میں آ جاتا ہے، تربیت

یافتہ گھوڑا بھی کبھی کبھی شوخی کرتا ہے، لیکن آسانی سے رام ہو جاتا ہے، فافہم!

بیعت و ارادت:

پیری، مریدی یا بیعت و ارادت کی حقیقت و ضرورت میں بھی بہت افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے، کسی نے اس کو بدعت سمجھ رکھا ہے، اور کسی نے ایک رسم بنا رکھا ہے، بس دست بوسی و پابوسی کر لی، باقی خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، حالانکہ نری پیری، مریدی میں کچھ نہیں رکھا، اصل تو کام کرنا ہے، اور کام کرنے کے لئے کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا ہے، اور کسی رہبرِ کامل کا ہاتھ پکڑنے اور صحبت اختیار کرنے سے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلسلے میں داخل ہونے سے کچھ برکات نہیں، لیکن محض بیعت ہی کو اصل سمجھنا بڑی غلطی ہے، آج کل پیری، مریدی میں وہ جہل پھیلا ہے کہ الامان والحفیظ!

بیعت کی حقیقت:

بیعت کی حقیقت خود بیعت، ارادت اور مرید کی اصطلاح، بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہے، پس مرید وہ ہے جو اپنی دینی، خصوصاً باطنی و قلبی اصلاح کے لئے ضروری وسائل کو اختیار کرے، اپنی منزل مقصود کے لئے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر بنائے، تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے بچے، بلکہ راستہ بھی سہولت سے طے ہو۔

ضرورتِ پیر و مرشد:

اگر کسی نے طب کی کتابوں کو پڑھ لیا، چاہے باقاعدہ اُستاز سے ہی کیوں نہ پڑھا ہو، مگر جب تک اس نے کسی حاذق طبیب و اُستاز کے پاس بیٹھ کر اس کا عملی تجربہ نہیں کیا، تو اگر کسی مریض کا کتابوں یا کتابی نسخوں سے علاج کرنے لگے گا، تو ہلاکت کے خطرات کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔

اسی طرح سمجھو کہ وکیل بننے کے لئے گھر بیٹھ کر وکالت کی کتابیں پڑھ کر

وکیل نہیں بن سکتا، بلکہ باقاعدہ لیکچروں کی تکمیل اور امتحان کے لئے سینٹر مشاق وکیل کے ساتھ کام کرنا اور تجربہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح وہ بھی احمق ہے جو کسی مشہور پروفیسر کے ہاتھ میں اپنا مقدمہ دے دے، جس نے عدالت کی صورت بھی کبھی نہیں دیکھی، نہ عدالتی کام میں عملی تجربہ رکھتا ہے۔

جب دنیوی مقدمات، تجربات اور مشاہدات کا یہ حال ہے، تو کیا وہ دینی و روحانی مسائل، جن کا معاملہ عالمِ غیب اور آخرت کے مابعد الطبیعیاتی مسائل سے جڑا ہوا ہے، خود سرانجام دے سکتا ہے؟ یا ان کو ہر لیڈر، ایڈیٹر اور پلیڈر تختہ مشق بنانے کا حق رکھتا ہے؟ اور ان پر مجددانہ، مجتہدانہ تحقیقات کر سکتا ہے؟ مگر اب تو بس اردو، انگریزی میں قرآن و حدیث کے کچھ ترجمے یا ادھر ادھر کے اخباری مضامین پڑھ کر دین کے مفتی، مجدد اور مجتہد سب کچھ بن بیٹھتے ہیں۔

ایک مشہور عالم و مصنف نے محض کتابی معلومات کے زور پر کسی جگہ تصوف پر ایسا ہی ظالمانہ لیکچر دیا، اس پر ایک بڑے ذہین سجادہ نشین نے کیا خوب کہا کہ:

”حضرت! اگر تصوف خالی کتابوں سے حاصل ہو جاتا

ہے، تو میں آپ سے بڑا صوفی کسی کو نہیں جانتا۔“

تو بس عرض یہ ہے کہ اصلاحِ قلب، اخلاقِ رذیلہ کا دفعیہ، اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل، معارف کی تحقیقات، اور سالکین کی استعداد کے مطابق غریبانہ، امیرانہ علاجاتِ مرشدِ ماہر کے سوا عادتہٴ مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے:

دامنِ راہبر بگیر و بس برو!

محبت و اتباعِ شیخ:

یاد رکھنا چاہئے کہ اس طریق میں انقیادِ محض کی سخت ضرورت ہے، بیعت کی اصل و رُوح یہی محبت و اتباع ہے، پیر کے کہنے پر کام شروع کر دو، اس کو نہ دیکھو کہ نفع ہوا یا نہیں؟ ان شاء اللہ تعالیٰ کام بن جائے گا، جس قدر مرشدِ صحیح سے محبت کا رابطہ بڑھتا جائے گا، دُور رہ کر بھی اسی قدر فیض یاب ہو سکے گا، اور بے محبت، مرشد کے شرعی حکم کی تعمیل نہ کرنے سے گو قریب بھی ہوگا، لیکن بے نصیب رہے گا۔

اگر شیخ کی تعلیم پر عمل اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہو، تو اگر ساری عمر بھی چکی پیسے گا تو ذرہ بھر نفع نہ ہوگا۔ ہاں! یہ جائز ہے کہ اس کو شیخ ہی تسلیم نہ کرے، تو پھر اس کے فرمان کی تعمیل بھی ضروری نہیں، لیکن تسلیم کرنے کے بعد پھر چون و چرا کرنا، مرشد پر اعتراض کرنا اور اپنی رائے کو دخل دینا، محرومی کی علامت ہے۔

پیر و مرشد کا تعلق بڑا نازک ہے، اس کے آداب بھی جدا ہیں، قرآن مجید میں ہے: "وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ" جس کو میری طرف رُجوع و انابت ہے، اس کے تابع ہونا، نیب الی اللہ کا مأمور بہ ہے۔

صحبتِ شیخ:

راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے بچنے کے لئے کسی ماہر فن کی صحبت و اعانت کے بغیر بصیرت پیدا نہیں ہوتی، کسی علم و فن کی معلومات اور چیز ہے، اور بصیرت اور چیز، معلومات تو کتابوں سے بھی آسکتی ہیں، اور بصیرت بغیر صحبت کے نہیں آسکتی، ہمارے لئے صحبت کی اہمیت کے لئے سب سے بڑی دلیل صحابیت ہے، کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہاء اور بڑے سے بڑے اقطاب و ابدال پر مُسلم ہے، اور ظاہر ہے کہ اس فضیلت کا مدار محض حضورِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی صحبت ہی ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: "... اولیاء اللہ کی تھوڑے وقت کی صحبت اختیار

کرنا، سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔"

اس میں مبالغہ نہیں، جن کو تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک دن کی صحبت سے جو کچھ نصیب ہوتا ہے، وہ سالہا سال کی کتب خوانی سے نصیب نہیں ہوتا، بیعت کے بعد اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے پیر کی خدمت میں رہے، یا کبھی کبھی اپنے پیر یا کسی متقی بزرگ کی خدمت میں بیٹھا کرے۔ اگر کوئی شخص نہ عالم ہو اور نہ کسی محقق کی صحبت میں رہا ہو، خدا کی قسم! اس کو کسی اللہ والے کی صحبت میں چھ مہینے تک رکھو، بشرطیکہ وہ عاقل ہو، تو محقق اور صاحب بصیرت بن جائے گا۔

وحدتِ شیخ:

اس سلسلے میں ایک بڑی ضرورت یہ بھی ہے کہ وحدتِ شیخ ہو، یعنی ایک ہی شیخ ہو، خصوصاً ابتدا میں اگر ہمارا تعلق کئی شیوخ سے رہا یا مختلف ذوق و مذاق کے اہل اللہ کی صحبت میں آنا جانا رہا، تو اس آزادی اور بے قیدی کی بدولت حصولِ اطمینان کے بجائے انتشار میں مبتلا ہونا یقینی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں ہے، اور اطلاق (آزادی) مضر ہے، کیونکہ اطمینان اور چین بدوں تقید کے نصیب نہیں ہوتا، اگر بیمار ایک طبیب کی تشخیص و دوا کا پابند نہیں رہا، تو شفا مشکل ہوگی۔

محبت قائم رکھنے کا طریقہ:

اس محبت کے قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے! زیادہ نہ ہو تو ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ میں ایک بار، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مرشد کے ملفوظات ہی پڑھا کیجئے! ان کو محض تذکرہ اور فن کی کتابوں کی طرح نہ دیکھئے! بلکہ تامل اور تعمق سے دیکھئے! اور بار بار دیکھئے! فافہم! ان شاء اللہ تعالیٰ قدرتی طور پر محض فہم کی بصیرت ہی نہیں، بلکہ مصاحب یا ملفوظات کے اندر جو چیز ہے، شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آجائے گی۔

دفع مغالطات:

۱:.... اکثر عوام اور بعض خواص کی بیعت سے متعلق غلط اغراض ہوتی ہیں، بعضے تو صاحب کشف و کرامت بننا چاہتے ہیں، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ جب اس کا خود شیخ میں ہونا ضروری نہیں، تو مرید اس کی ہوس کیونکر کرے؟

۲:.... بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر بخشش کے ذمہ دار ہوں گے، حالانکہ جب حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک کو فرمایا:

”يَا فَاطِمَةُ! اَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ“

ترجمہ:.... ”اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ۔“

تو بھلا دوسرا کون پیر کسی مرید کو بچا سکتا ہے؟ جب تک کہ خود مرید اس کے لئے کوشش نہ کرے۔

۳:.... بعضے خیال کرتے ہیں کہ پیر صاحب ایک ہی نظر میں کامل کر دیں گے، اگر اسی طرح کام بن جایا کرتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا؟ کہیں بطور

خرقِ عادت ایسا ہو بھی گیا، تو خوارق میں دوام و لزوم نہیں، لہذا اس بھروسہ پر رہنا بڑی غلطی ہے۔

۴:۔۔۔ بعضے چاہتے ہیں کہ خوب جوش و خروش، شورش و مستی پیدا ہو، گناہ آپ سے آپ چھوٹ جائیں، خواہش ہی مٹ جائے، نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، وساوس و خطرات سب فنا ہو جائیں، بس ایک محویت کا عالم ہو۔ اس کا منشا بھی ناواقفیت ہے، یہ امور من جملہ کیفیات و احوال کے ہیں، جو اختیار سے خارج ہیں، اور اگرچہ محمود ہوں، مگر مقصود نہیں ہیں، بلکہ ایسی خواہشات میں نفس کا ایک خفی مکر ہوتا ہے کہ وہ لذت و شہرت کا طالب ہے، اور ان کیفیات سے یہ امور حاصل ہوتے ہیں، ورنہ طالبِ رضا کو، جو اصل مقصود ہے، ان خواہشات سے کیا علاقہ؟

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

ترجمہ:۔۔۔ ”فراق و وصل کیا ہوتا ہے، صرف دوست کی

رضامندی طلب کر، کیونکہ اس سے اس کی ذات کے سوا کسی اور

چیز کی تمنا کرنا افسوس کی بات ہے۔“

۵:۔۔۔ بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہیں، ضرورت کے وقت ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے، یا پیر صاحب بڑے مستجاب الدعوات ہیں، معاملات یا مقدمات میں ان سے دُعا کرا لیا کریں گے، بلکہ اکثر پیروں و مریدوں کا خلاصہ و بزرگی یہی تعویذ و گنڈے کے اثرات ہیں، اگر فائدہ ہو گیا، تو بڑے ولی ہیں، اگر فائدہ نہ ہوا، تو کچھ بھی نہیں ہیں۔

۶:۔۔۔ بعضے یہ کہتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے انوار نظر آتے ہیں، یا

آوازیں سنائی دیتی ہیں، یہ بھی محض ہوس و ناہمی ہے۔

اول تو ذکر و شغل پر ان چیزوں کا مرتب ہونا ضروری نہیں۔
دوسرے یہ اصوات و انوار بعض اوقات اس کے اپنے دماغی تصرفات
ہوتے ہیں اور یہ چیزیں عالمِ غیب سے نہیں ہوتیں۔
تیسرے بالفرض عالمِ غیب سے بھی ہوں، تو کیا ان سے قربِ خداوندی
نصیب ہوتا ہے؟ قرب کے لئے تو طاعات بنائی گئی ہیں، وغیر ذالک من الاغلو طات۔
غرض ان چیزوں میں بیعت کی صحیح غرض کوئی بھی نہیں، اس لئے ان سب کو
دل سے نکال کر سلوک کی غرض و مقصود رضائے حق کو سمجھے، جس کا طریق طاعات کا بجا
لانا اور ذکر پر مداومت کرنا، یعنی غفلت کو دفع کرنا ہے، شیخ اس کی تعلیم کرتا ہے، اور
مرید اس پر کاربند ہوتا ہے، فافہم!

عشق و محبت:

مسلمانوں کے عالم، جاہل، خواص، عوام، تمام طبقات میں عشق و محبت کا
لازمہ تصوف یا عین تصوف ہونا مُسَلَّم ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ“

ترجمہ: ... ”مؤمنوں کو اللہ (تعالیٰ) سے سخت تر محبت

ہے۔“

ایک محبت، دوم سخت محبت، سوم سخت تر محبت، آیتِ کریمہ میں ”أَشَدُّ حُبًّا“ کا
صیغہ لا کر سخت تر محبت کی طرف اشارہ ہے، یعنی مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ سے سخت تر محبت
ہوا کرتی ہے، جس درجہ تک عقل کو رسائی ہے، وہ محبت ہوا کرتی ہے، محبت کا کوئی بالاتر
درجہ نہیں ہے جو مؤمنوں کو حاصل نہ ہو، محبت کے سب درجات جیسے: مال، جان، آبرو،
وطن، دل اور دماغ کی قربانی کرنا وغیرہ، مؤمنوں کو حاصل ہیں:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی قربانیاں اور جاں سپاریاں اس پر شاہد

ہیں، جَزَاهُمْ اللّٰهُ خَيْرًا كَمَا هُوَ اَهْلُهُ!

عشقِ الہی انسان کا ذاتی معاملہ ہے، کیا دیکھا نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے:

”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ رُوحوں کو فرمایا، تو رُوحوں نے بیک زبان عرض کیا: ”بلی!“ بے شک

تو رَبِّ ہے۔ رَبِّ کے لفظ سے سوال ہوا، جو مقتضی ہے محبت کا، احسان کا، پھر دُنیا میں

پیمبران علیہم السلام نے اس محبت کو لوازمِ محبت سے تروتازہ کر کے کمال کو پہنچایا،

لوازمِ محبت طاعاتِ الہی اور منہیات سے رُکنا ہیں، عَلٰی نَبِيْنَا وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ دَائِمًا اَبَدًا!

”اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ“ میں کون سی محبت مراد ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ محبت دو قسم پر ہے، ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری،

بالفاظِ دیگر محبتِ عقلی و محبتِ طبعی۔

پھر محبت کا مدار یا تو محبوب کا انعام و نوال ہوتا ہے، یا حسن و جمال، یا پھر

فضل و کمال، چاہو تو ان سب کو کمال، جمال اور نوال سے تعبیر کر دو، پھر یہ کمال یا

باعتبار ذاتِ شی کے ہوتا ہے، اس کو فضیلتِ ذاتی کہتے ہیں، یا باعتبار حالتِ خاصہ کے

ہوتا ہے، اس کو فضیلتِ اضافی کہتے ہیں۔

پھر محبت کا ایک خاص درجہ ہے، جس میں ہیجان و غلیان یا جوش و خروش ہوتا

ہے، اس میں بے خودی، جامہ درمی وغیرہ ہوتی ہے، یہ درجہ عشق کے افراط کا ہے، یہ

درجہ شرعی سلوک میں مأمور و مطلوب نہیں، گو معیوب بھی نہیں، اگر یہ کسی ضعیف القلب

یا مغلوب الحال کا حال ہو جائے تو وہ معذور ہے۔

اصل مطلوب و مأمور بہ ”أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ“ کا درجہ حبِ ایمانی ہے، جس کو حبِ عقلی و اختیاری کہتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام میں جو صفتِ حب ہوتی ہے، وہ سب اُمت کی محبت سے اعلیٰ، افضل، اکمل اور اَدوم ہوتی ہے، اس میں ہیجان نہیں ہوتا، اسی لئے بالیقین محبت ہی افضل ہوگی۔

ہاں! کسی خاص وجہ سے کسی میں دوسری نوع نافع ہوتی ہے، مثلاً: گوشت فی نفسہ افضل غذا ہے، لیکن کسی خاص طبیعت میں آتش جو کو اصلاح کہا جاتا ہے، اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بعض محبتِ عقلی کو افضل سمجھتے ہیں، اور بعض محبتِ طبعی کو، اپنی اپنی طبیعت کے مذاق پر فرما گئے، جَزَاهُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی خَيْرًا!

محبت بڑھانے کا طریقہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ عمل میں محبت پیدا کرنے کی خاصیت ہے، تجربہ کر لو، ہر روز کسی کے پاس جایا کرو، تو دیکھو گے کہ اس سے محبت ہو جائے گی، پہلے تھوڑی ہوگی، پھر جاتے جاتے بہت ہی زیادہ تعلق ہو جائے گا۔ اللہ اللہ کرنا شروع کر دو، چند دن میں دل لگ جائے گا، پھر چھوڑنے سے بھی مشکل سے ہی چھوٹے گا۔ اسی طرح تم بھی اختیار سے اتباع کی بناء پر حکم الہی کا امتثال کرو، لیکن سنت کے مطابق و معیار پر ہو، جلد ہی چند دنوں یا چند مہینوں میں سنت کے رنگ میں رنگے جاؤ گے، محبت بلکہ محبوبِ خدا بن جاؤ گے، چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

”قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ“

ترجمہ:.... ”کہہ دے اگر تم اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ محبت

رکھنا چاہتے ہو، تو میری (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی) تابع داری

کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرنے لگ جائیں گے (یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے)۔“

مغالطوں کا ازالہ:

اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ہم مدت سے نمازیں پڑھتے آرہے ہیں، نیک عمل کر رہے ہیں، مگر محبت پیدا نہیں ہوئی، آخر کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محبت کا سبب محض نیک عمل کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شرائط کے ساتھ عمل کرنا ذریعہ محبت ہوتا ہے، لہذا اگر خشوع سے نماز پڑھی جائے تو محبت کیوں نہ پیدا ہوگی؟

نیز عبادت کو بطور عادت کے نہ کرتے رہو، بلکہ اس نیت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھ جائے، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے! محبت و طاعت میں اضافے کی نیت سے عمل کرو۔ اللہ اللہ کرو اور جی لگا کر کرو، محض صورت نہ ہو، بلکہ اس میں کچھ رُوح بھی ہو۔

تیسری بات یہ بھی ہے کہ محبت کے زیادہ ہونے کے لئے اہل محبت کی صحبت اختیار کرو، اس سے لوگ بھاگتے ہیں، کچھ کتابیں پڑھ لیتے ہیں اور کتابی سمجھ پیدا ہو جانے سے کامل و مکمل بن بیٹھتے ہیں۔

غرض جو محبت و عشق مأمور و مطلوب ہے، وہ طبعی و نفسانی نہیں، بلکہ عقلی و ایمانی ہے، جو بالکل اپنے اختیار میں ہے، اور اس کی تحصیل کے تینوں اجزاء بالکل اختیاری ہیں، مثلاً:

۱: ...اعمالِ صالحہ بہ نیتِ محبت و اطاعت۔

۲: ...ذکر اللہ، جلالِ الہی کے ساتھ۔

۳: اہل اللہ سے تعلق و صحبت، اس کے ساتھ طبعی و ذاتی محبت بھی نصیب ہو جائے تو نعمت ہے۔

تصوف کی باطنیت:

تصوف کی باطنیت یا سینہ بہ سینہ ہونے کی شہرت، اس کے حامی اور مخالفین کے لئے بڑے فتنہ کا سامان رہی ہے۔ جاہل، غیر محقق اور نام نہاد صوفیوں کے لئے تو اس کی بدولت الحاد و اباحت کا راستہ صاف ہو گیا، جس ہوئی و ہوس کی، کتاب و سنت میں گنجائش نہ دیکھی، اس کو باطن کا علم یا سینہ بہ سینہ کا راز بتلا دیا۔

دوسری طرف علمائے ظاہر ایسی باتوں سے مشوش ہو کر تصوف کے سرے سے دشمن و منکر ہو گئے، حالانکہ علم باطن کہنے کا صحیح معنی یہ ہے کہ اس علم میں قلب و باطن کی اصلاح کے احکام ہیں، جیسے علم فقہ میں ظاہر و جوارح کے احکام ہیں، جیسے فقہ کے تمام ظاہری احکام، کتاب و سنت سے مأخوذ ہیں، اسی طرح تصوف کے باطنی احکام بالکل قرآن و حدیث کے منصوصات یا ان ہی پر مبنی ہیں۔

اخفاء کی وجہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ ہر علم و فن میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بغیر تجربے کے سمجھ میں نہیں آتیں، اس لئے بعض اوقات ان کی تعبیر، تفہیم کی بجائے الٹا غلطی کا سبب بن جاتی ہے، جیسا کہ عام ذوقیات، وجدانیات، صوفیانہ کیفیات اور مکاشفات وغیرہ کا حال ہے۔

پھر یہ بھی تجربہ ہی سے ثابت ہے کہ ان کے اظہار سے اکثر اپنا باطنی نقصان بھی ہوتا ہے، اس لئے بھی ان کا اخفا ضروری ہے۔

تصوف کے اجزا بہت سے ہیں، من جملہ ان کے احوال بھی ہیں، ان کو کسی

سے بیان نہ کرنا چاہئے، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص معاملات ہیں، جن کے ظاہر کرنے سے اپنا باطنی نقصان ہوتا ہے۔

نیز اس کا ایک جزو علم مکاشفہ و اسرار بھی ہے، ان کو بھی ظاہر نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ چیزیں اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور سننے والوں کو غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔

”اشرف المسائل“ میں ہے کہ اپنے حالات و اسرار سے کسی کو مطلع نہ کرنا چاہئے، اگرچہ کوئی کتنا ہی مخلص دوست کیوں نہ ہو، ایسا کون ہے جو اپنی بیوی کو اپنے دوست کی بغل میں دینا گوارا کر لے؟ اس کے علاوہ فن کی بعض ایسی پیچیدہ و دقیق باتیں ہوتی ہیں کہ ہر کس و ناکس ان کے فہم کی استعداد نہیں رکھتا، مولانا روم علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

نکتہا چوں تیغ پولاد است تیز
گر نداری تو سپر واپس گریز
پیش این الماس بے اسپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا

ترجمہ:...”بارکیاں تیز فولادی تلوار کی مانند ہیں، اگر تیرے پاس ڈھال نہیں ہے تو واپس بھاگ جا، اس تلوار کے آگے بغیر ڈھال کے مت آ، کیونکہ تلوار کو کاٹنے سے حیا نہیں آتی۔“

اسی واسطے حضرت ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”يَحْرُمُ النَّظْرُ فِي كُتُبِنَا“ ہماری کتابوں کا دیکھنا حرام ہے، یعنی بد فہموں کے لئے۔

تیسرے ہر شخص کی استعداد و حالات مختلف ہوتے ہیں، اس کی استعداد کے موافق اس کو تعلیم دی جاتی ہے، اگر کوئی دوسرا اس کی ریس (رشک) کرے گا تو اولاً

ضرر کا اندیشہ ہے، اس لئے جو محقق ہیں، وہ دماغی قوت و فرصت کو دیکھ کر تعلیم کرتے ہیں، سب کو الگ الگ بتلاتے ہیں، اسی لئے تصوف کی تعلیم مخفی ہے کہ ہر ایک کا حال جدا ہے۔

علم شریعت افضل ہے یا علم باطن؟

بعض غیر محقق صوفیا کا خیال ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس استفادہ کے لئے بھیجا گیا، نیز اس واقعہ سے استنباط کیا گیا کہ اگر پیر و شیخ خلاف شرع کچھ حکم دے تو مرید کو اس کا اتباع واجب ہے۔

جواب:.... یہ سب دعوے سرے سے باطل ہیں، اول یہ کہ خود علم باطن، علم شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے، اصلاح ظاہر کے حکم کو فقہ کہتے ہیں، اور اصلاح باطن کے حکم کو تصوف، لہذا جزو کس طرح کل سے افضل ہو سکتا ہے؟

دوم:.... یہ کہ یہ غیر محقق لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کو علم باطن تھا۔ نہیں، نہیں! بلکہ یہ حالات جزئیہ و کونیہ تھے، نہ کہ معارف الہیہ، جو چیزیں زماناً و مکاناً بعید تھیں، وہ ان کے علم میں قریب ہو گئیں، سو دور کی چیز کا معلوم ہونا علم باطن نہیں، بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کے، کہ وہ علوم شرعیہ و معارف الہیہ ہیں، علم ظاہر و باطن سب اس کے شعبے ہیں۔

غرض علم خضر کسی طرح سے علم موسوی سے فائق نہیں۔

پھر اس سے علی الاطلاق پیر کی اطاعت کے وجوب کا مسئلہ مستنبط کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے کامل ہونے کا فرما دیا تھا، جس سے یقیناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکم الہی تعالیٰ کے

خلاف نہ کریں گے، جیسا کہ خود حضرت خضر علیہ السلام نے بعد میں فرمایا کہ: ”وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي“ یعنی اپنے خیال سے نہیں کیا، یعنی میں اس پر مأمور تھا، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی وجہ نہ سمجھنے کی وجہ سے انکار فرمایا، ورنہ سکوت و تسلیم کی گنجائش تھی۔

اس کے علاوہ جو پیرِ خلافِ شرع کا حکم دے، اس کا کامل ہونا بھی مشکوک ہے، نیز حضرت خضر علیہ السلام شریعتِ موسویہ کی اتباع کے مکلف نہ تھے، ان کی شریعت کچھ اور تھی، بخلاف موجودہ دور کے پیرومرشد اور مرید کے، کہ ان کی شریعت ایک ہے، اب خلافِ شریعت کا حکم کرنے والے کا اتباع جائز نہیں، بس معلوم ہوا کہ ان کے سب دعوے غلط ہیں، اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ:

گر خضر در بحر کشتی را شکست

صد درستی در شکستِ خضر ہست

وہم موسیٰ باہمہ نور و ہنر

شد ازاں محبوب تو بے پر پیر

ترجمہ:.... ”اگر خضر علیہ السلام دریا میں کشتی کو توڑ دے،

تو ان کے توڑنے میں سو درستی ہے، موسیٰ علیہ السلام کا خیال تمام

انوارات و ہنر کے باوجود بھی اس کے دیدار سے محبوب رہا، تو

بغیر پروں کے پرواز مت کر۔“

یہ علم خضر کو علم موسوی پر فضیلت دینا نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بعض

اکابر کو بعض چھوٹے اسرار پر اطلاع نہیں ہوتی، تو تم چھوٹے ہو کر بڑوں کے اسرار کا

انکار کیوں کرتے ہو؟ فافہم!

پٹواری کو جس قدر زمین کا علم ہوتا ہے، بادشاہ کو نہیں ہوتا، محافظ و پہرہ دار

کو جس قدر شہر کے گلی کوچوں کا علم ہوتا ہے، کمشنر کو نہیں ہوتا، تو کیا پٹواری اور محافظ شان میں بڑھ گئے؟ علم تکوینات والا گو، شان والا ہے، لیکن کیا وہ علم تشریحات والے سے بڑھ جائے گا؟ ناممکن! فافہم!

ایک مغالطہ:

بعض صوفیائے کرام کے کلام میں بعض آیات کے خلاف ظاہر معانی پر محمول کرنا پایا جاتا ہے، جیسے: ”أَنْ طَهَّرَ أَبْيْتِي“ کا مقصود و مدلول کعبہ ہے، اس سے ذہن اس طرف بھی منتقل ہو جائے کہ قلب بھی عرش الہی ہے، جیسے کعبہ بیت اللہ ہے، جس طرح کعبہ کی تطہیر ضروری ہے، اسی طرح قلب جو مورد تجلیات الہیہ ہے، اس کا پاک رکھنا بھی ضروری ہے، اس کو علم الاعتبار کہتے ہیں، نہ کہ تفسیر۔ تفسیر وہی ہے جو مفسرین نے لکھی ہے، اگر کسی نے اسی معنی کو مدلول النص بنایا تو تحریف کردی، اور یہ تفسیر بالرائے ہے، جو مردود ہے۔

پس اگر کوئی اس معنی میں مقییس (مشابہ) کو بایں معنی کہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت، مجازاً مدلول النص کہہ دے، تو اس میں کوئی بات قابل مواخذہ نہیں، ساری خرابی غلو کی ہے۔

دوسرا مغالطہ:

بعض صوفیائے نے یہ تکلف کیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظاہر بنایا ہے، اور ایک باطن، یہ نہایت بعید ہے، کیونکہ اس سے ساری شریعت ناقابل اعتبار اور منہدم ہو جاتی ہے۔

اس لئے کہ ہم نے قرآن کا ظاہری معنی، جو لغات و محاورات عرب اور تشریحات مفسرین سے سمجھا ہے، وہی اصل ہو، ممکن ہے کہ اس کا باطن والا معنی اس

کے مخالف ہو، اب ایسی صورتِ حال میں کسی آیت کا حکم متیقن نہ رہے گا بلکہ محتمل ہو جائے گا، نعوذ باللہ من ذالک۔

قرآن کے ظاہری معنی کا انکار کفر ہے، البتہ ظاہر کو تسلیم کرنا اور باطن کی طرف جیسے اہل اصول نے وجوہ دلائل میں لکھا ہے، جس کو حضرات مجتہدین ہی سمجھتے ہیں، اور علم الاعتبار سے کسی معنی و مطلب کا مفہوم ہونا، اس طور سے اس کی طرف رجوع کرنا محققین کا کام ہے، اور اسی کو باطن کہتے ہیں، نہ کہ وہ جو غیر محقق صوفی کہتے ہیں۔ پھر اس میں ایک حدیث نکالی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو اس میں داخل کیا۔

وحدة الوجود کے متعلق مغالطے کا جواب:

یاد رکھنا چاہئے کہ وحدۃ وجود یا وحدۃ شہود، ان مسائل میں سے نہیں ہیں جن پر اعتقاد رکھنا ضروریاتِ دین میں سے سمجھا جائے، نیز وجود و شہود اسلامی تصوف کا جزو لاینفک بھی نہیں، کیونکہ ان کا حاصل: "ارتباط الحوادث بالقدیم" ہے، یعنی حادث کے قدیم کے ساتھ ربط و تعلق کی تحقیق ہے، جس کا علمی و کلامی مسئلہ ہونا معلوم ہے، مگر کشف کے دخل کی وجہ سے ان مسائل کو علم کلام والوں نے کتب میں درج نہیں کیا، کشف سے استناد ظنی ہوگا، اور ظنیت میں بھی ظنیااتِ اصولیہ سے کم درجے کا ہوگا، کیونکہ کشف کو کسی شے میں حجت کا درجہ حاصل نہیں (کذافی بوادر النوار ملخصاً) پھر جب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الموجود مسائلِ کشفیہ میں سے ہیں، ان کو کسی نص کا مدلول بنانا یا کھینچ تان کر ان میں داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں، ان مسائل کے لئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں، یعنی کوئی نص ان کی نفی نہ کرتی ہو، پھر اگر نص سے استنباط کیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں: اگر درجہ احتمال میں ہے، تو غلو تو نہیں مگر تکلف ضرور ہے، اور اگر درجہ احتمال سے بڑھا دیا جائے تو غلو ہے، پھر اس کا دعویٰ کرنا

کہ یہ آیت کا مصداق ہے، صریح تحریف ہے۔ غلو کی حد تو یہ ہے کہ بعض مغلوبین نے ”لا الہ الا اللہ“ کی تفسیر میں ایک رسالہ ”کلمۃ الحق“ لکھ دیا، جس میں یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ ”نہیں ہے کوئی الہ مگر اللہ“ کا مطلب یہ ہے کہ جتنے غیر اللہ، الہ بنائے گئے ہیں، وہ سب (معاذ اللہ) اللہ ہی ہیں، تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ! یہ مسئلہ (وحدة الوجود) واقعی تیغ بے نیام ہے، ذرا کچی ہوئی تو ایمان کا خاتمہ ہو جائے گا:

نکتہا چوں تیغ پولاد است تیز
چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے سپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا

(کذافی تجدید تصوف)

وجود و شہود کا اصطلاحی فرق:

”وجودیہ“ کے نزدیک عالم کی حقیقت اسماء و صفات ہیں، جو ظاہر وجود پر متجلی ہوئے، تو اس سے عالم کے وجود کا خیال پیدا ہوا، جس کی تعبیر کبھی یوں بھی کرتے ہیں کہ: وہ معدوم محض ہے، مگر ساتھ ہی احکام کا مورد ہے، اور کبھی یوں کرتے ہیں کہ: وہ عین حق ہے۔

”شہودیہ“ کے نزدیک عالم کی حقیقت عدمات ہیں، جن پر اسماء و صفات نے تجلی کی، جس سے وجودِ ظلی پیدا ہوا۔ اس لئے وہ عالم کو نہ معدوم محض سمجھتے ہیں، اور نہ عین حق۔ باقی عالم کے وجودِ حقیقی کی نفی میں دونوں شریک ہیں، اور اس میں اہل ظاہر کی ملامت کا دونوں ہدف ہیں۔

عینیت کے معنی:

عینیت کا ایک معنی یہ ہے کہ دو چیزوں کا مکمل طور پر اس طرح ایک ہونا، کہ ان میں کسی قسم کا بھی فرق نہ ہو، اور غیریت کا معنی یہ ہے کہ دونوں میں کسی قسم کا تغایر، امتیاز یا فرق ہو، اس معنی میں عینیت و غیریت میں تناقض ہے، جس میں دونوں کا کسی محل میں جمع ہونا محال ہے، اور لغوی معنی بھی یہی ہے، اور اسی میں اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے، اس اعتبار سے کوئی شے باری تعالیٰ کی عین ذات نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عینیت کے تو وہی مذکورہ بالا معنی لئے جائیں، اور غیریت کے معنی یہ ہوں کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا دوسری کے بغیر موجود ہو سکتا، عینیت و غیریت کے اس معنی میں باہم تناقض تو نہیں، مگر تضاد ہے، یعنی دونوں ایک محل پر صادق نہیں آسکتے، مگر مرتفع ہو سکتے ہیں، یہ متکلمین کی اصطلاح ہے، اس تفسیر سے بھی ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت نہیں، بلکہ غیریت ہے، اس لئے کہ مخلوقات بدوں باری تعالیٰ کے موجود نہیں ہو سکتی، لیکن باری تعالیٰ بدوں مخلوقات کے پہلے بھی موجود تھے۔

عینیت کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شے کا اپنے وجود میں دوسری شے کی طرف محتاج ہونا، گو دوسری پہلی کی طرف محتاج نہ ہو، اور غیریت کے وہی پہلے والے معنی کہ دو چیزوں میں کسی قسم کا تغایر، امتیاز یا فرق ہونا، یہ اصطلاح صوفیا کی ہے، جس کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت بھی ہے، کیونکہ مخلوقات اپنی ذات میں ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے، گو ذات باری تعالیٰ اس احتیاج سے مبرا ہے، اور غیریت بھی ہے، کیونکہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں لاکھوں طرح کے فرق ہیں، جیسا کہ فرمایا:

”أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ“

ترجمہ:...”تم سب اللہ تعالیٰ کے ہر طرح محتاج و تابع

ہو، اور اللہ تعالیٰ ہر طرح غنی و بے نیاز ہے۔“

گو اس تیسرے معنی کے اعتبار سے صوفیہ تمام مخلوقات کو عین باری تعالیٰ کہتے ہیں، مگر بعض اوقات ایک قید اور بڑھاتے ہیں کہ: مخلوق کو خالق کی طرف احتیاج کا علم و معرفت بھی حاصل ہو، اور اس مقید معنی کے اعتبار سے تمام مخلوقات میں صرف عارف کے لئے عینیت کا اثبات کرتے ہیں، کیونکہ دوسری مخلوق اس عرفان سے خالی ہے۔

پھر بعض اوقات اس قید پر ایک اور قید بڑھا دیتے ہیں کہ: ایسی معرفت میں اس قدر استغراق ہو کہ خود مخلوق، بلکہ اپنی ذات و ہستی کی طرف بھی التفات نہ رہے، یہ حضرت حکیم الامت مجدد الملتہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے، جس سے نہ کسی عامی کو انکار ہو سکتا ہے اور نہ کسی عالم کو توحش، اس کے سمجھنے کے لئے نہ فلسفی ہونے کی حاجت ہے، نہ کسی مابعد الطبیعیاتی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت، نہ بندہ کی بندگی میں کوئی فرق آیا، نہ خدا کی خدائی یا تنزیہ میں اس سے کوئی نقص آیا، جَزَاهُمْ اللَّهُ تَعَالَى خَيْرًا! (کذافی تجدید تصوف)

فائدہ: ... ہمہ اوست کا یہ معنی نہیں کہ ”ہمہ“ اور ”اُو“ ایک ہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ”ہمہ“ کی ہستی قابل اعتبار نہیں، بلکہ ”اُو“ کی ہستی لائق شمار ہے، اور ”باقی“ کی ہستی کے سامنے ”فانی“ کی کوئی ہستی نہیں، پس وحدۃ الوجود کا معنی ہے: وجود ایک ہونا، پس حقیقۃً وجود ایک ہی ہے۔ اور وحدۃ الشہود کا معنی ہے: شہود ایک ہونا، یعنی واقع میں تو متعدد ہستیاں ہیں، مگر سالک کو ایک کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور دوسرے سب کا عدم ہیں، پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے، فافہم!

وحدت وجود کے قول سے چارہ نہیں:

وحدة الشہود والوں کی حقیقت بھی وہی ہے جو وحدة الوجود والوں کی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک بھی حقیقی وجود ایک ہے، جیسا کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھا، فرق صرف یہ ہے کہ شیخ اکبر وجودِ ظلی کی نفی کرتے ہیں، اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وجودِ ظلی کا اثبات کرتے ہیں۔ وجودِ حقیقی واحد ہونے میں دونوں متفق ہیں، چونکہ شیخ اکبر وجودِ ظلی کے قائل نہیں، اس لئے ان کے مشرب کا لقب وحدة الوجود ہوا، اور حضرت مجدد الف ثانی نے وجودِ ظلی کا اثبات فرمایا، اس لئے ان کے مشرب کا لقب وحدة الشہود ہوا۔ اور شیخ اکبر کی طرف سے یہ عذر پیش فرمایا کہ ان کو غلبہ نور وجود کی وجہ سے وجودِ ظلی مشہود نہیں ہوا، بلکہ صرف وجودِ واحد ہی مشہود ہوا، لہذا بایں معنی کہ حضرت مجدد صاحب نے مشہور وحدة الوجود کی حقیقت وحدة الشہود ظاہر فرمائی ہے، اس لئے ان کے مسلک کا لقب وحدة الشہود ہوا، کیونکہ اثبات وجودِ ظلی کے باوجود صرف وجودِ حق کا ہی مشاہدہ کرتے تھے، جیسے دن میں ستاروں کا مشاہدہ نہیں ہوتا، باوجودیکہ ستارے موجود ہیں اور موجود سمجھے بھی جاتے ہیں، یہ وجہ تسمیہ باعتبار اصطلاح کے ہے، ورنہ تھوڑے معنی میں وحدة الوجود کے قائل ہونے میں سب حضرات برابر ہیں۔

پس اس مسئلے میں چار مذاہب ہیں: ایک علمائے ظاہر کا، دوسرا بعض حکمائے اسلام کا، تیسرا قائلینِ وحدة الوجود کا، اور چوتھا قائلینِ وحدة الشہود کا۔ اس میں تین مذاہب تو متفق ہیں، صرف علمائے ظاہر وجود کو کلی مشکل اور اس کے مصداق کو متعدد مانتے ہیں۔

توحید ذات، صفات اور افعال میں مغالطے کا جواب:

اس کا مشہور عنوان ”لَا فَاعِلَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے، یعنی اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف کوئی فعل منسوب نہیں، اس پر کئی طرح کے اشکالات ہیں، مثلاً:

اول: ... یہ کہ یہ عقائد کے خلاف ہے۔

دوم: ... یہ کہ اس میں قبائح کا صدور جناب باری تعالیٰ سے لازم آتا ہے۔

سوم: ... یہ کہ مشاہدہ و وجدان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے۔

چہارم: ... اس سے تمام شرائع کا ابطال ہوتا ہے۔

جواب: ... اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اسباب و افعال کا منتہا، بلکہ یوں کہئے کہ افعال کا خالق بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں، گو وسائط اور ظاہری اسباب اور بھی ہیں، مگر چونکہ عارف کی دوسرے وسائط اور فاعلوں کی طرف نظر اور التفات نہیں ہوتا، اس لئے وہ ان کی نفی کرتا ہے۔ سو واقع میں یہ نفی باعتبار قابل التفات ہونے یا التفات کرنے کے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قابل التفات نہیں، یا اس کی طرف التفات نہیں۔

ٹھیک اسی طرح توحید ذاتی و صفاتی کو سمجھئے، کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بجز صفات و ذات خداوندی کے کوئی صفت یا ذات موجود نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف کو کسی دوسری ذات و صفت کی طرف التفات نہیں ہوتا، اس کا راز بھی یہی ہے کہ غلبہ عشق میں عاشق کی نظر میں صرف معشوق ہی معشوق رہ جاتا ہے، اسی مرتبہ میں وحدت کا حکم ہوتا ہے، سو یہ تینوں مراتب توحید و جود کی فرع ہیں۔

(کذا فی التکشف ج: ۳ ص: ۱۳، ۱۵)

علمی وحدۃ الوجود سے قربِ مطلوب حاصل نہیں ہوتا:

یاد رکھنا چاہئے کہ: ”أُولَئِكَ هُمُ الْمُقَرَّبُونَ“ والا قرب کتاب و سنت کی رو سے مطلوب ہے، اس پر صحیح اعتقاد کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس سے قربِ الہی تعالیٰ نصیب ہوتا ہے۔ وہی کتاب و سنت کا علم ہے، اسی پر اعتقاد و عمل، عرفان و قربِ خداوندی کا موجب ہے، بس۔ پس اگر کسی کو وحدۃ وجود اور وحدۃ شہود کا علم حاصل نہیں تو اس کے قرب میں نقص نہیں، اور اگر علم ہے تو قرب میں زیادتی نہیں، اگر بالفرض کسی کافر، فاسق، فاجر اور فلسفی کو اس کا علم کامل آجائے اور وہ علم دین و عمل صحیح سے محروم ہو، تو کیا وہ مقرب ہو جائے گا؟ نہیں بلکہ وہ اس کے ذریعہ زندقہ و اباحت کا دروازہ کھولے گا، اور اس کو اسرار و راز بتا کر لوگوں کو گمراہ کرے گا!

قربِ خداوندی اور اتصال کا مطلب:

سوال:.. قربِ خداوندی مخلوق کے ساتھ ذاتی ہے یا وصفی؟ اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو یہ قرب استوئی علی العرش کے ساتھ کیسے جمع ہوگا؟ نیز جو لوگ قربِ ب وصفی کے قائل ہیں، وہ قربِ ذاتی کے قائلین کو کافر کہتے ہیں۔

جواب:.. اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عوام الناس قربِ ذاتی سے معیت جسمانی سمجھ لیتے ہیں، اس لئے علماء نے اس کا ابطال کیا ہے، بعض نے اس کے قائلین کی تکفیر کی ہے، لیکن اگر معیت ذاتی بلا کیف ہو تو اس میں کوئی محذور ممانعت نہیں، نہ استواء علی العرش کے ساتھ اس کا اجتماع ممتنع اور مشکل ہوگا، البتہ جس کو بلا کیفیت کی قید کے ساتھ اعتقاد پر قدرت نہ ہو، تو اس کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ معیتِ وصفی کا قائل رہے۔ (کذافی بوادر النوار ص: ۵۰، ۵۱)

اتصالے بے تکلیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جان ناس

قرب مطلوب کیا ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ قرب مطلوب محض علم سے نہیں آتا، بلکہ اخلاص کے ساتھ اس علم پر عمل صحیح کرنے سے آتا ہے، اگر کوئی بے نمازی پورے طور پر نماز کا فلسفہ جان لے، مگر رہے بے نمازی کا بے نمازی، تو کیا وہ فلسفہ نماز کے جاننے سے مقرب ہو گیا؟

اسی طرح قرب، معیت یا وحدۃ الوجود کے ایمان و علم کا اصل مقصود و مدعا بھی وحدۃ الشہود ہے، کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا حضور یا مقام احسان حاصل کیا جائے، یعنی اس کا ماننے یا جاننے والا اپنی زندگی کے سارے اعمال، افعال، حرکات اور سکنت میں اس طرح کا قرب حاصل کرے کہ اللہ تعالیٰ کو قریب اور حاضر ناظر جان کر اس طرح عبادت کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، یا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے، یہ مرتبہ احسان ہے، جو مطلوب شرعی ہے، اس استحضار سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی بچے گا، اطاعت و فرماں برداری پر بھی کمر بستگی ہوگی اور عبادت بھی خشوع و خضوع سے ہوگی۔

جنت بھی مطلوب بالذات نہ ہو:

قرب کا مقصد... نعوذ باللہ... یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی گود میں جا کر بیٹھنا ہے، بلکہ محققین کے نزدیک قرب، رضا جوئی کے اس بلند ترین مقام کا نام ہے، جس میں بندہ کا مطلوب و مقصود خود اللہ تعالیٰ کی ذات یا اُن کی رضا ہوتی ہے، حتیٰ کہ جنت بھی مطلوب بالذات نہیں رہتی، بلکہ جنت اس لئے مطلوب ہوتی ہے کہ لقاء الہی جنت ہی میں ہوگی، لہذا جنت بھی مطلوب ہے، اور یہ جو متصوفین کہا کرتے ہیں کہ جنت کی ضرورت نہیں، یہ غلط ہے، اس لئے کہ جس کی ربِّ کریم جل ثناؤہ ترغیب دے، اس

سے بے رغبتی کا اظہار بے ادبی ہے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ جنت مقصود بالذات نہیں:

وصال و ہجر چہ باشد رضائے دوست طلب کن

کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

ترجمہ:.... ”فراق و وصل کیا ہوتا ہے، صرف دوست کی

رضامندی طلب کر، کیونکہ اس سے اس کی ذات کے سوا اور کسی

چیز کی تمنا کرنا، افسوس کی بات ہے۔“

قرب، کمالِ دین کا نام ہے:

قرآن مجید میں ہے:

”وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآلَتِي تُقَرَّبُكُمْ

عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا...“ (سبأ: ۳۷)

ترجمہ:.... ”تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں

کہ جس سے تم کو ہمارا قرب دلا دے، ہاں! جس نے ایمان لایا

اور نیک عمل کئے۔“

اس آیت میں قرب کے لئے ایمان اور عملِ صالح کو سبب بتلایا گیا ہے، اور

ظاہر ہے کہ قرب کے لئے ایمان و عملِ صالح کا وہ درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو،

(کیونکہ ناقص تو ادنیٰ درجہ کے مؤمن کو بھی حاصل ہے)، یہ کامل درجہ انسانیت کا بلند

ترین مرتبہ و مقام ہے، اور: ”أَوْلِيكَ الْمُقَرَّبُونَ“ میں مذکور ہے، وہی کمالِ ایمان اور

عمل یا بالفاظِ دیگر کمالِ دین ہے، جس کو تصوف کی اصطلاح میں ”احسان“ کہا جاتا

ہے، وہ کمالِ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا تمام و کمال اجتماع ہے۔

درجہ کمال کے تین اجزا ہیں:

درجہ کمال تین چیزوں پر موقوف ہے: علم، عمل اور حال۔
 اس لئے کہ اگر علم نہیں تو عمل کی اطلاع نہیں ہوگی، اگر علم ہے اور عمل نہیں تو اس اطلاع سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اس میں خلوص و بقاء کی اُمید نہیں۔
 اگر کسی سے محبت ہو جائے، اس کے پاس آؤ، جاؤ اور کھلاؤ پلاؤ، تو یہ عمل ہے، پھر جب اس کی محبت میں بے چینی ہونے لگے تو یہ حال ہے، اور بے چینی بھی درجہ کمال پر پہنچ جائے کہ ایک لمحے کے لئے بھی یار کی یاد اور تعمیلِ فرمان سے غفلت نہ ہو، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال را بگذار مرد حال شو“ (آگے اس کا طریقہ بتلاتے ہیں:) ”پیش مرد کا ملے پامال شو“، یعنی اس کا حصول لکھنے پڑھنے سے نہیں آتا، کسی کامل کے فیضِ صحبت سے آتا ہے۔

حال اور ملکہ پیدا ہونے سے پہلے ارتداد (لوٹنے، ردّ ہو جانے یا کئے جانے) کا اندیشہ ہے، محبوب کی محبت اتنا پسندیدہ و مرغوب ہو جائے کہ طبعی ہو جائے، جس طرح طبعی و نفسانی مرغوبات و مطلوبات یا دُنیاوی ترقی میں کسی درجہ پر ٹھہرتا ہے اور نہ قانع ہوتا ہے، اسی طرح رُوحانیت و قرب جو بے نہایت ہے، اس میں ترقی کا کیسے طالب نہ ہو؟

نگویم کہ بر آب قادر نیند

کہ بر ساحل نیل مستقی اند

محبوب و معشوق کے قرب، رضا اور خوشنودی میں ایسی مستی و لذت ہوتی ہے کہ کلفت بھی عین راحت ہو جاتی ہے:

ناخوش تو خوش بود بر جان من
 دل فدائے یار دل رنجان من
 ترجمہ:.... ”تیری ناخوشی میری جان پر خوش ہوتی ہے،
 مجھ کو رنج پہنچانے والے یار پر میرا دل فدا ہے۔“

عبدیت:

شریعت کی اصطلاح میں ایمان و عملِ صالح کے ساتھ اس عشق اور طبعی حال کے کمال کا نام عبدیت ہے، جو عاشق و معشوق کے درمیان برتاؤ اور معاملہ ہوتا ہے، وہی مملوک و غلام کا اپنے مالک کے ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ عبدیت کی حقیقت یہ ہے کہ مالک کے حکم اور مرضی کے سامنے اپنی خواہش و مرضی کو فنا کر دے، اور انسان کی آفرینش و پیدائش کا مدعا بھی عبدیت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ.“

یعنی انسان اور جن کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔

کامل عبدیت ہی فنا فی اللہ ہے، عبدیت غلامی کا نام ہے، چنانچہ جیسے مالک، غلام کو کہے کہ: کھا! تو کھا سکتا ہے، کہے کہ: چل! تو چل سکتا ہے، کہے کہ: بیٹھ جا! تو بیٹھ سکتا ہے، کوئی کام اس کی رضا و فرمان کے بغیر نہیں کر سکتا، ایسے ہی فنا کا بھی یہی معنی ہے کہ اپنا ارادہ محبوب کے ارادہ میں فنا کر دے، اور یہی عبدیت ہے۔ اوامرو نواہی کا زیادہ تعلق اعمال و افعال سے ہے، خواہ وہ عبادات، معاملات، معاشرت یا اخلاق ہوں، فرمانِ شریعت میں سب کی تعمیل کرنے کا نام عبدیت و بندگی ہے، عبد کی کیا مجال ہے کہ تعمیلِ حکم میں پہلو تہی کرے؟ یا حکم کے اسرار و مصالح معلوم کرنے کی فکر کرے!

بہ در دعا ثنا ترا حکم نیست دم درکش
 کہ آنچه ساقی ماریخت عین الطاف است
 ترجمہ: "...دُعا میں تیری تعریف کرنے والے کا کوئی
 حکم نہیں ہے، خاموش رہ، کیونکہ جو کچھ ہمارے ساقی نے ڈالا
 ہے، پوری مہربانی ہے۔"

زبانِ تازہ کردن بہ اقرار تو
 نینگیختن علت از کارِ تو
 ترجمہ: "...تیرے اقرار سے زبان تازہ کرنا، تیرے
 کام کی علت تلاش نہ کرنا۔"

تفویض و دُعا کے متعلق مغالطے کا جواب:

عبدیت و غلامی کا خلاصہ یہ ہے کہ مالک کے سامنے ہم، ہماری ذات اور
 ہماری صفات، کچھ بھی ہماری نہیں، سب اس کی ملک ہے اور ہم نرے غلام ہیں، اسی
 عبدیت کا دوسرا عنوان تفویض ہے، تفویض کی حقیقت قطع تجویز ہے، یعنی اپنے کو خدا
 تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ وہ جو چاہیں تصرف کریں، اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام
 تجویز نہیں کرے:

سپردم بہ تو مایہ خویش را
 تو دانی حساب کم و بیش را
 ترجمہ: "...میں نے اپنی پونجی تیرے سپرد کر دی، کمی
 بیشی کا حساب تو جانے۔"

اس پر شبہ ہوتا ہے کہ پھر دُعا مانگنا عبث ہے، کیونکہ دُعا اور تفویض میں بظاہر

تعارض معلوم ہوتا ہے، اگر تفویض ہے، تو دُعا مانگنا کیسے؟ اور دُعا مانگنا ہے، تو تفویض نہ ہوئی۔

جواب: ... اس کا جواب یہ ہے کہ تفویض کا یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں، بلکہ عزم یہ رکھے کہ مانگنے پر بھی نہ ملا تو اس پر بھی راضی رہوں گا، کیونکہ مانگنا تفویض کے خلاف نہیں، ورنہ مانگنے کا حکم نہ فرمایا جاتا، لہذا صاحبِ تفویض جب مانگتا ہے تو حکم الہی: ”ادْعُونِي“ کی تعمیل کر رہا ہے، اور یہی تفویض ہے، اسی طرح: ”وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ“ سے اشارہ معلوم ہو رہا کہ تفویض اور دُعا میں کوئی تعارض نہیں، غرض تفویض کلی عبدیت ہے، اور اپنی تجویز سے امتیازی نشان بنانا عبدیت کے بالکل خلاف ہے۔ مگر اکثر نام نہاد صوفی نامعلوم کیسی، کیسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اپنی تجویز کا نام بزرگی رکھ لیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: فلاں بزرگ گھی نہیں کھاتے، فلاں بزرگ گائے کا گوشت نہیں کھاتے، اور فلاں قربانی نہیں کرتے، اور فلاں بڑے رحم دل ہیں اور جانور کے گلے پر چھری رکھنے کو اچھا نہیں جانتے، یہ سب نام نہاد بزرگی کی علامات ہیں۔ اصل بزرگی تسلیم و انقیاد کا نام ہے، حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رحم دل اور خدا ترس کون ہوگا؟ مگر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنے دست مبارک سے قربانی کے ساٹھ اُونٹ ذبح کئے تھے، مگر آج کل کے جہلا اس قسم کی درویشی کو رحم دلی تصور کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یاد رکھنا چاہئے کہ ترک حیوانات کے ساتھ چلہ کشی بدعت ہے، ترک حیوانات کہتے ہیں گوشت سے پرہیز کرنے کو، اگر کوئی بطور علاج کے گوشت نہ کھائے تو دُست ہے، اور اگر ثواب جان کر یا مراتب بلند کرنے کے لئے یا فیوض و برکات کے حصول کے لئے گوشت کھانا ترک کرے، تو یہ بدعت اور اعتقادِ فاسد ہے۔

حیاتِ طیبہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ معروضاتِ سابقہ سے واضح ہو چکا کہ تصوفِ قلب و قالب اور صورت و باطن کے سارے کمالات و فضائل کی تحصیل کا نام ہے، تو جیسے حسنہ آخرت حاصل ہوگا، ویسے ہی حسنہ دُنیا بھی نصیب ہوگا، اسی لئے دُنیا و آخرت کی حسنات مانگنے کا حکم ہے:

”رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! ہمیں دُنیا اور آخرت میں بہتری

عطا فرما۔“

اور:

”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

فَلنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً.“

ترجمہ:.... ”مرد و عورت جو بھی اچھے کام کرے، بشرطیکہ

مؤمن بھی ہو، تو ہم اس کو یقیناً دنیا میں بھی مزہ دار زندگی عطا

کریں گے۔“

ایمان و عمل صالح، جن کا کمال جامعیت ہی تصوف ہے، پر دُنیا میں بھی

پاکیزہ زندگی کا وعدہ فرمایا ہے۔

اصلِ راحتِ قلب کی راحت ہے:

راحت، آرام اور مسرت فی الواقع نفس و قلب کا ادراک و وجدان ہے، اگر

کسی کا دل کسی وجہ سے بے چین و پریشان ہے، تو تختِ شاہی پر بیٹھ کر بھی اس کو آرام

نہیں آئے گا، اور اگر دل کو سکون و اطمینان نصیب ہے، تو جھونپڑی کے نیچے دال دلیا کھاتے ہوئے بھی اس کو مزہ دار زندگی میسر ہے، تو حیاتِ طیبہ کو دُنیا کی بھلائی، دولت، ثروت، حکومت، سلطنت، امیرانہ ٹھاٹھ اور رہنے سہنے کے اعلیٰ درجہ کے ظاہری اسباب کے حصول و وصول میں منحصر جاننا، دُنیاوی ترفع، تعلیٰ اور برتری کے لئے جدوجہد، مسابقت اور منافست کرنا، اسکے پیچھے مرتے رہنا، اور اس غم و غصے، حزن و خوف اور حبِ جاہ و مال میں رہنا کہ ہائے فلاں کے پاس مجھ سے زیادہ مال و جاہ ہے، میں نے وہ ڈگری حاصل نہ کی، اسی طرح جاہ و مال کو ذرا سا خطرہ لاحق ہوا تو خوف و حزن سے دم نکلنے لگنا وغیرہ، اس کا نام حیاتِ طیبہ رکھنا کس قدر بڑا مغالطہ اور شدید دھوکا ہے! کیونکہ ایسا شخص تو ہمیشہ بغض و حسد کی آگ میں جل رہا ہے، یہ ریا و نفاق میں گرفتار ہے، یہ مکر و فریب میں دن رات گزار رہا ہے، اس کا قلب جیسے دُوسروں کی بڑائی سے کڑھتا اور جلتا رہتا ہے، اسی طرح اپنی بڑائی کی فکر و حفاظت، تکلیف، مصیبت اور اس کے زوال کے حزن میں مرتا رہتا ہے، جب اس کے دل کو سکون ہی میسر نہیں تو اُسے مسرت و آرام کی ہوا کیونکر لگے گی؟

اس کے مقابلے میں جس کا دل ان بیماریوں سے پاک ہے، اور غنائے قلب، تسلیم، رضا، صبر، شکر، قناعت، توکل، انکسار اور تواضع کی دولت سے مالا مال ہے، اور دُوسروں کے جاہ و جلال سے بے پروا ہے، تو ایسے شخص کا کلیجہ ٹھنڈا ہے اور وہ راحت و آرام میں ہے، خواہ دولت و ثروت میں ہے یا فقر و فاقہ میں۔ ایسا شخص جو دُنیاوی ترقی کی پیاس سے بے تاب ہے، اُمراء، وزراء اور ساہوکاروں کے قدم چوم رہا ہے، ذرا سی حکومت و دولت کے نشے میں چور ہو کر ہزار ہا ذلت، خدمت اور چاپلوسی کا شکار ہے، یہ کم ہمت حیاتِ طیبہ کی لذت سے محروم ہے، نہ کہ وہ صاحبِ دل جس کی ہمت کے سامنے دُنیا کی ساری شاہی بیج ہے:

از بروں چوں گورِ کافر پُر حِلل
واندروں قہرِ خدائے عزّ و جل

عافیت اور اطمینان کے دشمن:

عافیت اور اطمینان کے بڑے دشمن رذائلِ نفس اور اخلاقِ سیئہ ہیں، جیسے: حسد، ریا، نفاق، کبر، عجب، حبِ جاہ اور حبِ مال وغیرہ، مثلاً جو شخص اپنے سے زیادہ جاہ و مال والے سے بغض، عداوت اور حسد کی آگ میں جلتا مرتا ہے، اس کو اپنے جاہ و مال سے کیا راحت و مسرت ہوگی؟

از بروں چوں گورِ کافر پُر حِلل
واندروں قہرِ خدائے عزّ و جل

تصوّف کا پہلا قدم رذائل کا ازالہ، یعنی تزکیہ ہے، صاحبِ تزکیہ آدھی روٹی کھا کر، زمین پر سو کر ایسا مطمئن و مسرور ہوتا ہے کہ حسد وغیرہ کی آگ میں جلتے، مرتے دولت مند کو عمر بھر یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔

اصول الوصول اور ضوابطِ سالک میں فائدہ عجیبہ:

طالبِ صادق اور سالکِ طریق کے لئے اجمالی طور پر مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱:... اتباعِ سنت ظاہراً و باطناً ہونی چاہئے، کیونکہ:
خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۲: ... شیخِ کامل اور تبعِ سنت کی اتباعِ ضروری ہے، کیونکہ بلا شیخ و مرشد کے عادتاً اصلاحِ مشکل و متعذر ہے۔

۳: ... اپنے بھلے، بُرے سب احوال کی مرشد کو اطلاع کرے، شیخ کی جانب سے تلقینِ فرمودہ اصلاح پر ضرور کمر بستہ ہو جائے۔

۴: ... سالک کو عجلت کی طلب اور جلدِ ثمرہ حاصل ہونے کا تقاضا مضر ہے۔

۵: ... غیر اختیاری چیز کا طالب بالکل نہ بنے، اور اختیاری چیز کو ہاتھ سے نہ جانے دے، یعنی اس پر ضرور عمل کرے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کو جو خط لکھا، وہ پیشِ خدمت ہے:

”مأمور بہ وجوباً یا استحباباً صرف افعال ہیں، انفعالات نہیں، مثلاً رغبت الی الطاعات، تنفر عن البدعات، استقامت، تثبت، لذت، شوق اور اصطلاحِ قلب وغیرہ، ان میں جو چیزیں یا بعض چیزوں کے جوارجی افعال ہیں وہ مأمور بہ نہیں، مثلاً: ذوق، شوق وغیرہا، کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں، البتہ وہ انفعالات بعض مطلقاً اور بعض خاص احوال میں محمود ضرور ہیں، اور اسی درجہ میں مطلوب بھی ہیں، مگر وہ سب آثار و ثمرات انہیں افعال کے ہیں، اور افعال ہی ان کے اسباب ہیں، ان کی طرف فی الجملہ یا اکثر مفضی ہیں، ان کے علل نہیں کہ ان سے مختلف ہی نہ ہوں، اگر مختلف بھی ہو تو مضر نہیں، کیونکہ اصل مقصود قرب و رضا کی وہ شرط نہیں، اتنی ملخصاً۔“

پس قرب کے حصول کے لئے جوارح کے افعال ہیں، انہیں کئے جاؤ،
انفعال مأمور بہ نہیں، فافہم وتدبر!

الحمد لله تعالى حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه ومباركاً

عليه كما يحب ربنا ويرضى

اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد

افضل صلواتك بعدد معلوماتك وبارك وسلم عليه

اللهم تقبل منا انك انت السميع العليم،

لا حول ولا قوة الا بالله

۱۳ محرم الحرام ۱۳۸۳ھ

”غیر اختیاری چیز کا طالب بالکل نہ بنے اور
اختیاری چیز کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی اس پر
ضرور عمل کرے۔“

آدابُ الذِّكْرِ وَاقْسَامُ الْفِكْرِ

یعنی

ذکر کے آداب اور غور و فکر کی اقسام



قطب الرشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ، اَمَّا بَعْدُ!
اللہ تعالیٰ اپنی یاد اور ذکر ہر شخص سے نہیں کراتے، جس کو اپنا مقرب بنانا چاہتے ہیں، اُسے اپنے نام کے ورد کی توفیق عطا فرماتے ہیں، کیونکہ بادشاہ اپنی درگاہ میں ہر کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں دیتے، ذکر سے فلاح دارین یعنی دونوں جہان کی کامیابی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:
”وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.“

(الانفال: ۳۵)

ترجمہ:.... ”اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔“

دوسری جگہ ہے:

”فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ.“ (البقرة: ۱۵۲)

ترجمہ:.... ”پس تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔“

یعنی بندہ کا اللہ کو یاد کرنا، اس کا سبب ہے کہ خداوند کریم جل شانہ اس بندہ

کو رحمت سے یاد فرماتے ہیں۔

رَبِّ تَعَالَىٰ، ذَاكِرِينَ كِي تَعْرِيفُ فَرَمَاتِي هُوَ ارشاد فرماتے ہیں:

”رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ.“

(النور: ۳۷)

ترجمہ:.... ”ایسے جوان ہیں کہ ان کو خرید و فروخت، اللہ

کے ذکر سے روک نہیں سکتے۔“

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاکر کو مثل زندہ کے اور ذکر و فکر نہ کرنے والے کو مثل مردہ کے فرمایا ہے، رواہ البخاری۔

صحیح مسلم و ترمذی میں ہے کہ:

جو قوم ذکر کرنے بیٹھے، ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ان پر تسکین خاطر نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان میں یاد فرماتا ہے جو اس کے نزدیک ہیں، وغیر ذالک من الأحادیث الصحیحہ۔

شیخ شبلی قدس سرہ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ: میں اس کے ساتھ ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور غیروں سے وحشت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابو عثمان قدس سرہ کو کسی نے کہا کہ:

” (ہم) ذکر بہت کرتے ہیں اور اس کی لذت و

شیرینی دل میں نہیں پاتے؟ فرمایا: شکر کرو! کہ تمہارے اعضاء

میں سے ایک عضو حق تعالیٰ کی اطاعت سے آراستہ ہے۔“

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحکم میں فرماتے ہیں کہ:

”ذکر سے غفلت اس سے سخت تر ہے کہ ذکر کرے اور

اس میں غفلت ہو جائے۔ یعنی ذکر نہ کرنا اس سے سخت تر ہے، کہ

ذکر تو کرے مگر دل نہ لگے اور غلط خیال آجائیں۔“

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ کلمہ طیبہ بذاتِ خود عالمِ جبروت سے ہے، جو عالمِ ناسوت سے ظاہر ہوتا ہے، مگر وہ عالمِ ملکوت کی طرف چڑھتا ہے، وہ کسی دُنیاوی حقیقت سے متعلق نہیں ہوتا، بلکہ جہان کے حقائق اس سے صادر ہوتے ہیں، چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

”إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ“ (فاطر: ۱۰)

ترجمہ:...”اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں۔“

جو شخص ہر صبح ہزار بار باوضو یہ کلمہ پڑھے، اس کی رُوح عرش کے نیچے سے کھاتی پیتی ہے، اور جو شخص دوپہر کے وقت ہزار بار پڑھے، اس کے باطن کا شیطان ضعیف ہو جاتا ہے، اور جو شخص چاند کی پہلی تاریخ کو پڑھے، وہ تمام بیماریوں سے محفوظ رہے گا، اور جو شخص شہر میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے، وہ تمام فتنوں سے بچے گا، اور جو شخص ظالم سے بچاؤ کے لئے حضورِ دل سے پڑھے گا، وہ امان میں آئے گا، اور جو شخص کسی غیب کی چیز کی اطلاع کے لئے پڑھے گا، وہ چیز اس پر منکشف ہو جائے گی۔

فائدہ:... اگر کسی شیخ سے اجازت بھی لے لے تو عمدہ تر ہے، اس لئے کہ اجازت میں عظیم تاثیر ہے، اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی کتاب المکاتیب والرسائل میں ہے:

”جاننا چاہئے کہ ذکر کے یہ فوائد جو مذکور ہوئے،

دُنوی ہیں، اور عوام کا حصہ ہے، اور کلمہ طیبہ کے ذکر سے خواص

اور خاص الخاص کا حصہ فنائے نفس، فنا از خلق اور فنائے ارادت

ہوتا ہے، اور بالفاظِ دیگر قربِ الہی تعالیٰ ہی ان کا ^{مطم} نظر و مقصد

اعلیٰ ہوتا ہے، جس کا ثمرہ جنتِ فردوس میں فیضِ بشارتِ رَبِّ

رحمن رحیم جل شانہ کی زیارت، اور حضور پر نور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب و جوار ہی ہے۔“

گر نبودے ذات حق اندر بہشت
برکنندستان حضرت قصر جنت خشت خشت
ترجمہ:.... ”اگر بہشت میں ذات حق نہ ہوتی تو حضرت
حق کے مستانے جنت کے محلات کو اینٹ اینٹ کر ڈالتے۔“
امید بوئے تو از بہار بود مرا
دگر نہ باگل و گلشن چہ کار بود مرا
ترجمہ:.... ”مجھ کو بہار سے تیری بو کی امید ہوتی ہے،
ورنہ مجھے پھول اور باغ کے ساتھ کیا کام ہے؟“

فنا کی اقسام:

فنا تین قسم پر ہے:

۱:.... فنا از خلق: وہ یہ کہ خلقت کی مدح و ذم، دینا نہ دینا اور بود و نابود (ہونا یا نہ ہونا) وغیرہ برابر ہو جائے، مخلوق سے تمام اُمیدیں منقطع ہو جائیں، جس کو حدیث میں ”أجمع الیاس مما فی ایدی الناس“ سے تعبیر فرمایا ہے۔
۲:.... فنا از نفس دروں بردن: یعنی خلوت و جلوت میں نفس، شریعت کے حکم کا فرماں بردار ہو جائے، جس کو: ”إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ، قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ“ (البقرہ: ۱۳۱) سے فرمایا ہے۔

۳:.... فنا آرزو و خواہش: یعنی بجز رضائے حق و شوق دیدار کے کوئی غرض نہ رہے، ارشادِ الہی: ”وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ“ اس کا مقتضی ہے، کیونکہ محبتِ کامل

بجز رضائے معشوق و محبوب کے ہر آرزو کو فنا کر دیتی ہے، فافہم!

توحید کی چار اقسام:

کلمہ طیبہ سے دوئی و خودی فنا ہوتی ہے، اور توحید خالص نصیب ہوتی ہے۔
توحید چار قسم پر ہے:

اول: ... خدا تعالیٰ کو ایک ہی کہے کہ وحدۃ لا شریک لہ ہے، اس کو توحید قولی کہتے ہیں۔

دوم: ... خدا تعالیٰ کو یگانہ دانستن، یعنی دل سے یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کا ذات، صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں، کسی سے بجز خدا تعالیٰ کے عزت، ذلت، بیماری، شفا، غریبی، امیری، کامیابی، حاجت براری اور مشکل کشائی وغیرہ نہیں ہے۔

سوم: ... اللہ تعالیٰ کو یگانہ دیدن، جب محبت صاف اور کامل ہو جاتی ہے تو نظر میں بجز محبوب کے کچھ بھی باقی نہیں رہتا، محبت کو بے گانگی سے جنگ ہے، یگانگی چاہتی ہے، فرمان الہی: "أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ" کا فرمان اس کو مقتضی ہے، اور لا الہ الا اللہ کے معنی لا مشہود الا اللہ کا یہی مطلب ہے۔

چہارم: ... اللہ تعالیٰ کو یگانہ یافتن: وہ یہ ہے کہ بندہ (پانے والا) بھی نہ رہے، اور نسبت یافت بھی گم ہو جائے، اور پانے والا اگر یہ سمجھے کہ میں نے پالیا ہے تو یہ بھی دوئی ہے:

تو درو گم شو کہ تجرید ایس بود

گم شدن گم کن کہ تفرید ایس بود

ترجمہ: "... تو اس میں گم ہو جا، کیونکہ تجرید یہی ہے، گم

ہونا، گم کر دے، کیونکہ تفرید یہی ہے۔"

یہی مطلب ہے لا الہ الا اللہ یعنی لا موجود الا اللہ کا۔ مگر یاد رہے کہ یہ چیزیں حالی ہیں، قالی نہیں، اور یہ بھی نہیں کہ ہر چیز خدا ہے، کیونکہ: سُبْحٰنَہُ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ! یہ جثویہ کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”مائستہم ہمہ او است“ اور اس کو توحید کہتے ہیں، اور اس بہانہ سے امر و نہی کی قید سے باہر آتے ہیں، اور اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں: بدنام کنندہ کونامے چند! (چند نیک ناموں کو بدنام کرنے والے):

سخن وحدت آنگہ از عامی

زان چہ خیزد بغیر بدنامی

ترجمہ: ”اس وقت عامی سے وحدت کی گفتگو، اس

سے بدنامی کے سوا کیا حاصل ہوتا ہے؟“

اور ہمہ اوست، ہمہ زوست یا ہمہ بدوست کا مسئلہ دوسری چیز ہے، اس کا مطلب بیان کرنے کا یہ مختصر رسالہ متحمل نہیں۔

اس کلمہ طیبہ سے بندہ ناسوت سے ملکوتی صفات حاصل کرتا ہے، یعنی اخلاق رذیلہ، مثلاً: حسد، کبر، غفلت، غرور اور ضلال وغیرہ سے پاک ہوتا ہے، اور اخلاق حمیدہ، مثلاً: شکر، قناعت، توکل، تسلیم اور رضا وغیرہ سے منور ہوتا ہے۔ ذکر ہی سے فنا فی اللہ، بقا باللہ اور رب تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، حضور اکرم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح اتباع نصیب ہوتا ہے، ذکر ہی حسن خاتمہ کے اسباب سے ہے، اور نجات از عذاب کا ذریعہ ہے، ذکر ہی دائم البقا ہے کہ بہشت میں بھی ہوگا۔

ذکر کے آداب:

ہر چیز کے فرائض، واجبات اور مستحبات ہوتے ہیں، اسی طرح محرمات اور مکروہ تحریمی و تنزیہی بھی ہوتے ہیں۔

جس چیز پر بقا موقوف ہو، وہ بمنزلہ فرض کے ہوتی ہے، جیسے بدن انسان کے لئے سر، جگر اور معدہ کا ہونا۔

وہ چیز کہ جس کے نہ ہونے سے شئی فنا تو نہیں ہوتی، مگر نہ ہونے کی مانند ہو جاتی ہے، اس کو واجب کہتے ہیں، جیسے ٹانگ اور بازو وغیرہ۔

جو چیز کسی شئی کو خوبصورت، منور اور روشن بنا دے اور اس کے نہ ہونے سے زیب و زینت میں محض نقصان ہو یا اصل چیز اور اس کے فائدے میں نقصان ہو، وہ بمنزلہ مستحب کے ہوتی ہے۔

جو چیز کسی شئی کو فاسد و باطل بنا دے، وہ بمنزلہ محرمات کے ہوتی ہے، جیسے مفسدات نماز، مثلاً: نماز میں کھانا پینا اور کلام کرنا وغیرہ۔

جو چیز کسی شئی کو ناکارہ بنا دے، جیسے نماز میں ترک واجب وغیرہ، وہ مکروہ تحریمی ہے۔

جو حسن نماز کو نقصان پہنچائے، جیسے ترک سنن وغیرہ، وہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اسی طرح ذکر کے بھی فرائض، واجبات اور مستحبات ہیں۔

ذکر لغت میں بمعنی یاد کردن ہے، اور اصطلاح تصوف میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو ذکر کہتے ہیں، چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توکل سے یاد حق ہو، خواہ وہ از قبیل اسم ہو یا رسم، فعل ہو یا قول، کلمہ ہو یا نماز، تلاوت قرآن مجید ہو یا درود شریف، ادعیہ ہوں یا کیفیات یا کوئی دوسری چیز، جس سے کہ مطلوب کی یاد ہو، طالب و مطلوب میں ربط پیدا ہو یا اس سے ربط بڑھے، اس کو ذکر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پس فرض ذکر سے مراد وہ یاد ہے جس سے ربط بڑھے یا پیدا ہو، پس اگر ذکر سے ذہول، غفلت یا نسیان ہو، تو وہ ذکر نہ کہلائے گا۔

اگر یاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ نہیں ہے اور توجہ کرنے کی

حسب طاقت ہمت بھی نہیں کرتا تو کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہوگا، مگر جو فائدہ مطلوب ہے، اس کا حاصل ہونا مشکل ہے، چنانچہ توجہ الی اللہ کرنے کی ہمت کرنا واجباتِ ذکر میں سے ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، اولیائے عظام اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ذکر کا جو صحیح طریقہ منقول ہے، اسی طور ذکر کرنا یہ بھی واجباتِ ذکر میں سے ہے، اور مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کے جلال، جمال، کمال، احسانات اور انعامات کو ^{مط} نظر رکھتے ہوئے اس کا ذکر چننا یا کرنا یہ بھی واجباتِ ذکر میں سے ہے، وغیر ذالک من الواجبات۔

فرض، واجب اور سنن کا چھوڑنا، محرمات، مکروہ تحریمی و تنزیہی سے ہے، یعنی فرائضِ ذکر میں سے کسی فرض کا ترک محرمات سے ہوگا اور ترک واجب از واجباتِ ذکر، مکروہ تحریمی ہوگا، اور ترک سنت از سنن ذکر، مکروہ تنزیہی ہوگا۔

سنن و مستحباتِ ذکر:

یاد رکھنا چاہئے کہ سنن و مستحباتِ ذکر بہت ہیں، چند آدابِ پیشِ خدمت ہیں، اول وہ جو ذکر کرنے سے پہلے ہیں، وہ چار ہیں:

۱:.... توبہ کرنا، اور حقیقت توبہ کی یہ ہے کہ جو چیز خداوند تعالیٰ کے قرب سے دُور کرے، اس سے دُور ہونا، خواہ وہ قول ہو یا فعل، اخلاقِ فاسدہ ہوں یا عقائدِ باطلہ (بعض اس کو واجباتِ ذکر میں سے فرماتے ہیں)۔

۲:.... طہارت، غسل، وضو یا تیمم، گو ذکر بغیر وضو و غسل کے بھی جائز ہے اور اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے، مگر طہارت سے جو نورانیت اور قرب ہوتا ہے، وہ عدمِ طہارت میں نہیں ہوتا۔

۳: ... آرام و خاموشی، ذکر سے پہلے دو چار منٹ یا اس سے زیادہ خاموشی اختیار کرے، تاکہ دل متوجہ الی اللہ تعالیٰ ہو جائے، پھر زبان یا دل سے ذکر شروع کرے۔

۴: ... بعض کے نزدیک یہ بھی سنن ذکر میں سے ہے کہ رابطہ قائم کرے کہ اللہ تعالیٰ سے فیض اور رحمت بواسطہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، میرے شیخ و مرشد کے قلب سے میرے قلب یا جسم پر وارد ہو رہی ہے، اس تصور کو رابطہ کہتے ہیں، یا یہ تصور کرے کہ، مثلاً: عرش سے انوار، رحمت، تجلی اور فیض میرے قلب یا روح پر آرہا ہے۔ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مشائخ کرام گو واسطہ ہیں، مگر خیر القرون سے ذکر عبادت میں یہ پہلا تصور ثابت نہیں، لہذا یہ دوسرا تصور کرنا چاہئے، اور بعض فرماتے ہیں کہ اس دوسرے تصور کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ذکر مأمور بہ ہے، اور تعمیل فرمان میں نورانیت، تجلی، قرب اور قبولیت ہے، ومع ہذا۔ یہ دوسرا تصور بھی خیر القرون سے ثابت نہیں ہے۔

وہ آداب جن کی ذکر کے وقت رعایت کرنا چاہئے، نو ہیں:

اول: ... پاک جگہ پر بیٹھے، بہتر یہ ہے کہ جیسے التحیات پڑھنے میں بیٹھتا ہے، ویسے بیٹھے، یا چہارزا نو بیٹھے یا جس طرح آسانی ہو بیٹھے۔

دوم: ... یہ کہ مجلس ذکر کو خوشبو سے معطر کرے، اس لئے کہ مجالس ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

سوم: ... کپڑے حسب طاقت اچھے پہنے۔

چہارم: ... اندھیرے مکان میں رُوبہ قبلہ ہو کر بیٹھے تو عمدہ ہے، اس میں خلوت بھی ہے، اور "تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً" پر بھی عمل ہو جائے گا۔

پنجم: ... آنکھ کو بند کرے تاکہ دل کو آنکھ کھلے الا یہ کہ نماز ہو، کیونکہ اس میں آنکھ کو بند کرنا خلاف سنت ہے۔

ششم: ... ذکر کے معنی کو دل میں جاگزیں کرے، معنی کا تصور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ، مثلاً: ”سبحان اللہ“ میں تنزیہ، ”الحمد للہ“ میں اللہ تعالیٰ کے کمالاتِ احسانہ و ذاتیہ اور ”اللہ اکبر“ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور ہر بار پڑھتے وقت کرے، اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا تصور کرے، جس ذکر میں اس کا پتا نہ چلے تو اپنے شیخ و مرشد سے پوچھے اور اس معنی کے استحضار میں صدق کا پورا پورا لحاظ رکھے، یعنی یہ دیکھے کہ ”الحمد للہ“ کے معنی میں اپنے کو شاکر پاتا ہے یا نہیں؟ ”اللہ اکبر“ میں اللہ کی عظمت کا تصور کرنے میں رب تعالیٰ کی ہیبت و جلال اس کے روح و جسم میں وارد ہوئے ہیں یا نہیں؟ یہی اس ذکر کے مصداق ہیں، لہذا اپنے آپ کو صادق بنانے کی سعی کرے۔

ہفتم: ... ذکر کو ہر آلاش سے پاک کرے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی کرے، اور دوسری نیت، مثلاً: انوار حاصل ہوں، استغراق یا کوئی دوسرا دنیوی فائدہ، جیسے: لوگ مجھے عارف اور ذاکر سمجھیں، وغیرہ نہ ہو، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو، اس کے سوا سب نیتوں کو دفع اور دور کرے:

ذاکر را اخلاص می باید نخست

ذکر بے اخلاص کے باشد درست

ترجمہ: ... ”ذاکر کے لئے پہلے اخلاص چاہئے، بغیر

اخلاص ذکر کب درست ہو سکتا ہے؟“

اس کو فرائض ذکر میں شمار کرنا بہتر ہے، کیونکہ ذاکر کو صدق و اخلاص سے

صدیقین کا درجہ نصیب ہوتا ہے، ان دو یعنی صدق اور اخلاص کے آداب کے سلسلے

میں مرید کے قلب میں جو کچھ آئے، اس کو اپنے شیخ سے پوچھے، اس لئے کہ ان کی تحصیل نہایت ضروری ہے، اسی پر فرمایا گیا ہے کہ: یہ ضروری نہیں کہ شیخ کو مرید کا باطن منکشف ہو، ہاں یہ ضروری ہے کہ ذکر کرے اور دل میں جو خیال آئے، اس کو مرشد سے پوچھے۔ کذافی کتاب الرسائل والمکاتیب للشیخ المحقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ہشتم: ... ذکر کرنے کی جو کیفیت مرشد ارشاد فرمائے، اسی طرح کرے، مثلاً: اگر مرشد فرمائے کہ کلمہ ”لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ“ میں ”لا“ کو ناف سے کھینچ کر دماغ تک اور ”اِلهَ“ کو داہنے کندھے پر لائے اور ”اِلاَّ اللّٰهُ“ کی ضرب قلب یا نفس پر لگائے، تو ویسا ہی کرے، کیونکہ دوا کے استعمال کو طبیب ہی بہتر جانتا ہے۔

نہم: ... یہ کہ ذاکر عبد ہے اور ذکر سے عبدیت کا حق ادا کر رہا ہے، بجز رضائے معبود کے کوئی غرض نہ رکھے، اور ذکر کے فائدہ پر بھی نظر نہ کرے، ذکر کا فائدہ نظر آئے یا نہ آئے، ذکر کو نہ چھوڑے:

اگر بخشے زہے رحمت وگرنہ تو شکایت کیا

ریا اور دکھلاوا آئے تو بھی ذکر کو نہ چھوڑے، اسی طرح اگر لذت نہ آئے تو

بھی ترک نہ کرے:

طالب لذت و فائدہ طالب خدا نیست

(لذت و فائدے کا طالب، خدا کا طالب نہیں ہے)

ہاں! ریا کو دفع کرتا رہے، مگر ذکر کو حذف نہ کرے، آخر ایک دن اخلاص

بھی نصیب ہو جائے گا، اس لئے کہ ٹٹماتا چراغ، بجھے چراغ سے بہر حال بہتر ہے، وغیر ذالک۔

ذکر کے بعد کے آداب:

جو آداب ذکر کے بعد کے ہیں، وہ چار ہیں:

۱:.... جب ذکر ختم کرے تو تھوڑی سی دیر ذکر کی کیفیت اور توجہ الی اللہ کا مراقبہ قائم رکھے اور منتظر بیٹھے۔

۲:.... کوئی ایسی چیز، مثلاً: آب و نخود (چنا) وغیرہ جو دل کو ٹھنڈا کرے، نہ کھائے اور نہ پیئے، تاکہ گرمی ذکر باقی رہے۔

۳:.... جو کیفیت، مراقبہ، ذکر یا خواب میں نظر آئے، اس کو مرشد، سالک صحیح، یا دانش مند عالم کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کرے۔

۴:.... ذکر ختم کرنے کے بعد ذکر کی کیفیت و حالت کی محافظت میں ہمت سے کام لے، ایسا نہ ہو کہ یہ گوہر ضائع ہو جائے۔

یہ سترہ آداب ذکر ہیں، ذاکر کو ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

ذکر بے تعظیم گفتن بدعت است

واندران یک شرط دیگر حرمت است

ترجمہ:.... ”بغیر ادب ذکر بدعت ہے، اس میں ایک

دوسری شرط احترام ہے۔“

فائدہ:.... بعض فقہاء ذکر قلبی کے منکر ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس

سرہ کتاب المکاتیب والرسائل میں فرماتے ہیں کہ: ذکر کو زبان میں حصر کرنا مکاہرہ

ہے، اس لئے کہ ذکر نسیان کی ضد ہے، اور نسیان قلب سے مخصوص ہے، لہذا ذکر بھی

قلب سے ہوگا، ہاں! زبانی ذکر کے بھی آثار ہیں، جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں، مگر

زبان سے ذکر کو خاص رکھنا اور قلب سے نفی کرنا نہ لغتہً درست ہے نہ شرعاً، الا یہ کہ

شرع نے کسی جگہ ذکر زبانی کو بمنزلہ شرط کے رکھا ہو، تو وہاں زبان سے ذکر کرنا ضروری ہے، جیسے نماز میں قراءت قرآن اور معاملات میں طلاق وعتاق وغیرہ، انتہی۔ اسی طرح ذکر کو ”لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ“ سے مخصوص کرنا اور دل سے ”اللہ، اللہ“ کرنے کو ذکر نہ کہنا، یہ بھی مکابره ہے، ذکر کا معنی یاد ہے، یاد حق ہی ذکر اللہ ہے، اس کی کثرت کا حکم ہے، اسی کو فرمایا:

”رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

وَأَقَامِ الصَّلَاةَ... الآية.“ (النور: ۳۷)

ترجمہ:...”ایسے جوان ہیں کہ ان کو تجارت (خرید و

فروخت) اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتی۔“

خرید و فروخت کے وقت ذکر زبانی کیسے ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ذکر قلبی ہوگا، اور وہ عام ہے، ”لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ“ ہو یا ”اللہ، اللہ“ کا، تدبر قرآن کا ہو یا تفکر فی صفات اللہ کا، فافہم!

فائدہ:... یاد رکھنا چاہئے کہ مشائخ کرام کے اذکار کے بعض انواع، کیفیات و حسات (جس دم) وغیرہ سنت صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں، جیسے ذکر آرزہ وغیرہ اور مخصوص ہیئت کذائی وغیرہ، کذا قال الشیخ محدث دہلوی عبدالحق قدس سرہ فی الکتاب المذکور۔

ہاں! ان کو بدعت کہنا بھی درست نہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں حروف تہجی کی شناخت، اور عجیوں کے لئے مدارس عربیہ کے موقوف علیہ علوم: صرف و نحو وغیرہ پڑھنے کی مانند ہیں، اور جس پر دین کا سمجھنا موقوف ہو، وہ بدعت نہیں ہو سکتا، اسی طرح ان اذکار و کیفیات پر اصلاح قلب اور تعلق مع اللہ موقوف ہے، گو ان کو سنت بھی نہیں کہا جاسکتا، مگر بدعت کہنا بھی غلط ہے، فافہم!

باقی حدیث میں جو ہے کہ: ”مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا فَهُوَ رَدٌّ“ (مشکوٰۃ ص: ۲۷) یعنی جو شخص ہمارے کام (دین) میں کوئی نئی چیز لائے وہ مردود ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ احداث فی الدین بدعت ہے، مگر احداث للدین بدعت نہیں، چونکہ صرف ونحو وغیرہ احداث فی الدین نہیں ہیں، بلکہ احداث للدین ہیں، لہذا وہ بدعت نہیں ہیں۔

اسی طرح ذکر میں جس نفس (جس دم) جو چشتیہ، کبرویہ اور شطاریہ میں دفع خواطر کے لئے ضروری ہے، اور انوار وغیرہ کی تحصیل کے لئے سب سے بہتر چیز ہے، اور نقشبندیہ کے نزدیک اگرچہ شرط نہیں مگر اولیٰ ہے، یہ بھی سنت صحیح سے ثابت نہیں ہے، مگر یہ بھی قاعدہ سابقہ کے تحت بدعت نہیں ہے، کذا قال الشیخ المحدث الدہلوی فی کتاب المکاتیب والرسائل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذکر اور فکر میں سے کون افضل ہے؟

جاننا چاہئے کہ ذکر اور فکر ہر دو بڑی نعمتیں ہیں، مگر ذکر کا درجہ بزرگ و بالاتر ہے، اس لئے کہ بندہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کھینچ لاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ“ (البقرہ: ۱۵۲) (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا)۔ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ذکر، فکر سے افضل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ذکر سے موصوف فرمایا ہے، فکر سے نہیں، جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

”هَذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ“ (الانبیاء: ۵۰)

ترجمہ: ”اس ذکر مبارک یعنی قرآن کو ہم نے نازل

فرمایا ہے۔“

نیز ذاکر، رَبِّ تعالیٰ کا جلیس و ہم نشین ہوتا ہے، اس کے مطالعہ و مشاہدہ میں غرق ہے، اور متفکر اپنے نفس کا جلیس و ہم نشین ہے، اس لئے کہ فکر کی اکثر اقسام نفس کی طرف راجع ہیں، اس لئے فکر کرنے والا:

۱:.... یا تو اپنے وقت میں فکر کر رہا ہوتا ہے، کہ وقت ضائع ہو رہا ہے، طاعت میں خرچ نہیں ہو رہا۔

۲:.... یا سابقہ ازل میں فکر مند ہے کہ عاقبت بخیر ہوگی یا نہیں؟

۳:.... یا اغلاط و نیکیوں کے شمار میں متفکر ہے، کہ کتنی اغلاط ہوئیں اور کتنی نیکیاں؟ جس کو محاسبہ کہتے ہیں۔

۴:.... یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار و تواتر احسانات اور اپنے شکر کے ناقص ہونے میں متفکر ہے۔

۵:.... یا آیات الہیہ زمین و آسمان کی تخلیق یا رضا و ناراضی باری تعالیٰ میں، جس سے وعدہ میں رغبت اور وعید میں ہیبت آتی ہے۔

۶:.... یا صفات باری تعالیٰ: قدرت، قوت، سمع، بصر اور کلام وغیرہ میں متفکر ہے، جو کہ اعلیٰ قسم کا تفکر ہے، پس اکثر اقسام فکر نفس کی طرف راجع ہیں، لہذا (مبتدی کے لئے) ذکر، فکر سے افضل ہے، گو فکر بھی نعمتِ عظمیٰ ہے، فافہم!

فائدہ:

ذکر میں ضرب کا حکم:.... دل پر ضرب لگانا نہ مقصود ہے، نہ مقصود کا موقوف علیہ، جس طرح بے تکلف ذکر ہو سکے کافی ہے، ہاں! ضرب جوشِ قلب کے لئے مفید ہے۔

بوقتِ ذکر تصور:.... ذکر کے وقت مذکور کا تصور اولیٰ ہے، یعنی حق تعالیٰ کا

تصوّر ہو، لیکن اگر یہ خیال نہ جسے، تو پھر یہ تصوّر کرے کہ ذکر قلب سے ادا ہو رہا ہے۔
ذکر میں آسمان کی طرف تصوّر کا حکم: ... ذکر، شغل اور تلاوت میں حق
تعالیٰ کی نسبت سے آسمان کی جانب تصوّر متعلق ہو جائے تو اس کے دفع کرنے کا قصد نہ
کریں، یہ تصوّر فطری ہے، دفع نہیں ہو سکتا، اور کوئی بھی اس سے خالی نہیں، لیکن قصداً
ایسا نہ کریں۔

ذکر میں عدم لذت نفع ہے: ... ذکر میں لطف اور لذت کا حاصل ہونا
ایک نعمت ہے، اور نہ ہونا دوسری نعمت ہے، جس کا نام مجاہدہ ہے، یہ پہلے سے نفع میں
زیادہ ہے، گو لذت دار نہ ہو۔

ذکر میں وضو کا حکم: ... با وضو ذکر کرنے سے برکت زیادہ ضرور ہوتی
ہے، لیکن وضو رکھنا ضروری نہیں، اگر کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو اور بار بار وضو کرنے سے
تکلیف ہو تو تیمم کر لے، مگر اس تیمم سے نماز اور قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں۔
اذان اور ذکر: ... اذان کے وقت ذکر سے رُک جانا افضل ہے۔

ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق: ... اگر مبتدی کا ذکر سے جی گھبراتا
ہے تو جی گھبرانے کی مشقت نفع کے اعتبار سے جی لگنے سے کم نہیں، جس طرح ہو سکے
حتیٰ الوسع ذکر پورا کر لیا جائے، شدہ شدہ سب دُشواری مبدل باسانی ہو جائے گی۔ اور
منتہی اکثر وقت ذکر میں مست ہوتا ہے، اگر زیادہ ذکر کرنے سے کسی وقت طبیعت اُکتا
جائے تو چند منٹ یا گھنٹہ ذکر نہ کرے، تاکہ طبیعت کو از سر نو نشاط ہو جائے۔

نماز میں ذکر کا حکم: ... نماز میں تلاوت اور اذکار و ادعیہ نماز کے علاوہ نہ
ذکر لسانی کرنا چاہئے، نہ قلبی، بلکہ توجہ الی الصلوٰۃ مطلوب ہے، اگر خود بخود ذکر قلبی
جاری ہو جائے تو پھر حتیٰ الوسع نماز کی طرف توجہ کرے، اور ذکر قلبی تحرک کا نام نہیں،
بلکہ ملکہ یادداشت کا نام ہے۔

ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج: ... کسی وظیفہ میں یہ اثر نہیں کہ اس سے نماز میں جی لگنے لگے، محققین نے جی لگانے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ: کام میں ہمت سے لگا رہے، نہ جی لگنے کا قصد کرے اور نہ انتظار، حتیٰ کہ ذکر میں مداومت کرے، اور مداومت اختیاری چیز ہے، بس اسی پر تمام برکات مرتب ہو جاتی ہیں، جو اس وقت نظر میں نہیں، مدت کے بعد نظر آ جائیں گی، سلوک کا طے ہونا توجہ ہونے اور جی لگنے پر موقوف نہیں، سلوک اصلاح پر موقوف ہے اور مداومت ذکر اس کا زینہ ہے، اور اگر نماز کی قرأت اور اذکار کو قصداً پڑھے اور جو لفظ بھول میں پڑھا جائے اس کو دوبارہ پڑھے تو بھی خیالات کم ہو جاتے ہیں، اور اگر الفاظ کے معنی کی طرف توجہ کرے، یہ سوچے اور فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے یا میں اس کے سامنے پیش ہوں تو بھی غلط خیالات کم ہو جاتے ہیں، اسی طرح ذکر کے معانی سوچنے سے بھی خیالات کم ہو جاتے ہیں۔

ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں مشاہدہ کہتے ہیں اور ذات کے تصور کو معائنہ کہتے ہیں، ذکر اور فکر اعمال ہیں، جو قرب کے موجب ہیں۔

فائدہ: ... ذکر و نماز کو مطالعہ کتاب سے قرب میں زیادہ دخل ہے، مطالعہ کتاب مقصود بالغیر ہے، اس لئے کہ عمل کرنے کے لئے کتاب پڑھی اور دیکھی جاتی ہے، اور ذکر اور نماز عمل ہیں اور مقصود بالذات ہیں۔

دُرود شریف:

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنے سے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی احسان نہیں کرتے، لہذا دُرود پڑھتے وقت اپنے جذبہٴ محبت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شکر یہ کا ارادہ کرے، نیز یہ کہ یہ تو اپنے اُمتی ہونے کا اظہار ہے، اور پھر

اس پر ثواب کا وعدہ مزید برآں ہے، اور دُرود شریف وہ عبادت ہے جو کبھی رَدّ نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم شہزادے کے لئے وہ سفارش کریں جس کو بادشاہ خود کرنے والا ہو، تو ایسی سفارش کیسے رَدّ ہو؟ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر مجلس میں ایک بار دُرود شریف پڑھنا واجب ہے، اور نام مبارک سننے پر ہر بار دُرود پڑھنا واجب نہیں، ہاں! محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بار ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھا کرے۔

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین
 سبحانک اللہم وحمداک انہدک لا الہ الا انت استغفرک والنوب الیک
 ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

۷/ربیع الاول ۱۳۷۶ھ

تمہ رسالہ آداب الذکر:

ذکر سے دُنیا و آخرت کا فائدہ، اس پر انوار و تجلیات، اور ذکر کے دوسرے فوائد کا مرتب ہونا، اتباع سنتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مشکل ہے، لہذا چند سنتوں کا بیان پیش خدمت ہے، قبول فرمائیں۔

۱: ... کھانے پینے سے پہلے: ”بسم اللہ“ پڑھنا، اور بعد میں: ”الحمد لله“

پڑھنا سنت ہے۔

۲: ... سوتے وقت: ”اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَى“ (ترمذی ج: ۲)

ص: ۱۷۸) اور جاگنے کے بعد: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ“

(مشکوٰۃ ص: ۲۰۸) پڑھنا، سنت ہے۔

۳: ... گھر سے باہر جاتے وقت: ”بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ (مشکوٰۃ ص: ۲۱۵) اور گھر میں آتے وقت: ”بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبَّنَا تَوَكَّلْنَا“ (مشکوٰۃ ص: ۲۱۵) پڑھنا سنت ہے۔

۴: ... پاخانہ پیشاب کے وقت کپڑے کھولنے سے پہلے: ”اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ“ (ترمذی ج: ۱ ص: ۳) پڑھنا، اور فارغ ہو کر کپڑا اوڑھنے کے بعد: ”غُفْرَانَكَ“ (ترمذی ج: ۱ ص: ۳) پڑھنا سنت ہے۔

۵: ... عورت سے جماع کے وقت کپڑا دُور کرنے سے پہلے: ”بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مِمَّا رَزَقْتَنَا“ (مشکوٰۃ ص: ۲۱۲) پڑھنا اور فارغ ہو کر اگر نیند کا ارادہ ہو تو استنجا اور وضو کر کے سونا سنت ہے۔

۶: ... شام ہونے کے وقت بچوں کو باہر نکلنے سے روکنا چاہئے کہ یہ شیطانوں کے پھیلنے کا وقت ہے، اور جب گھنٹہ گزر جائے تو پھر بچوں کو بے شک جانے دیں، اور دروازہ بند کرنے کے وقت، چراغ بجھاتے وقت، مشک کا منہ بند کرنے کے وقت اور برتن کو ڈھانپنے کے وقت ”بِسْمِ اللّٰهِ“ پڑھنا فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
(کذا فی صحاح السنۃ بخاری و مسلم وغیرہ)

”ریا اور دکھلاوا آئے تو بھی ذکر کو نہ
چھوڑے، اسی طرح اگر لذت نہ آئے تو بھی ترک
نہ کرے۔“

انکشافِ احوالِ اولی الامر

یعنی

احوالِ اولی الامر کا انکشاف



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 حَامِدًا وَمُصَلِّیًّا، الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ
 وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَهُ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ
 اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

یاد رکھنا چاہئے کہ ذاکرینِ کرام کو بعض چیزیں نمودار ہوتی ہیں جس سے وہ حیرت و قلق میں پڑ جاتے ہیں، ان کے جوابات کتبِ تصوف میں موجود ہیں، مگر منتشر ہیں، لہذا اس سلسلے کی کچھ باتیں پیش خدمت ہیں، قبول فرمائیں۔

واضح ہو کہ ذکر کی کثرت اور خلوت سے اکثر ذاکرین کو کچھ واقعات انکشافیہ، ذکر کرتے وقت یا مراقبہ میں یا خواب میں نمودار ہوا کرتے ہیں، اس لئے کہ ذکر سے نورانیت پیدا ہوتی ہے، جیسے ظاہری بصارت (آنکھ) روشنی میں دیکھا کرتی ہے، اسی طرح دل و روح کی بصارت بھی ذکر و فکر کی روشنی میں، قلب و قالب کی آنکھوں سے اشیائے خفیہ کبھی عیاناً، کبھی صورتِ مثالیہ میں، جاگتے ہوئے یا نیند میں دیکھا کرتی ہے، جیسا کہ ان کے متعلق خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”تِلْكَ خِيَالَاتُ تُرَبِّي بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِيقَةِ“

ترجمہ:.... ”یہ خیالات ہیں جس سے طریقت حاصل

کرنے والے بچے پالے جاتے ہیں۔“

بعض واقعات انکشافیہ کی تشریح و فوائد:

ان واقعات انکشافیہ کے بعض فوائد و ثمرات یہ ہیں:

ان واقعات انکشافیہ سے سالک و مرید کو ذوق و شوق بڑھتا ہے، اور اپنے حال کی رسیدگی و پڑمردگی اور زیادتی و نقصان معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ان واقعات انکشافیہ سے سالک و مرید اپنے حالات نفسانی، حیوانی، سبعی، شیطانی، ناسوتی، ملکی، رُوحی اور رُوحانی پر اکثر واقف ہو جاتا ہے، مثلاً: اکثر صفات ذمیمہ میں وہ جانور دکھائے جاتے ہیں، جن جانوروں پر وہ صفت غالب ہوتی ہے۔

چنانچہ جس سالک و مرید پر صفت حرص غالب ہوتی ہے، اس کو چوہا و چیونٹی دکھائی دیا کرتا ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے یا پکڑ رہا ہے یا وہ چوہا و چیونٹی اس کو چمٹ رہی ہیں۔

جس پر بخل غالب ہے، وہ مثلاً: دیوانہ کتا دیکھتا ہے۔

جس پر حقد (کینہ) و حسد غالب ہے، اس کو گرگ (بھیڑیا) اس طرح دکھایا

جاتا ہے کہ یہ شخص اس سے بھاگ رہا ہے یا وہ اس پر غالب آ رہا ہے۔

جس پر بے غیرتی اور شہوتِ جماع غالب ہے، وہ خوک (خنزیر) و مرغنا

وغیرہ دیکھتا ہے۔

تکبر والے کو چیتا اور غضب والے کو ریچھ دکھایا جاتا ہے۔

بے حیا کو دراز گوش یعنی گدھا دکھایا جاتا ہے۔

جس پر صفتِ بہیمیت غالب ہو، وہ بکریاں وغیرہ، اور جس پر صفتِ سبعی

(درندگی) غالب ہو، وہ درندے پھاڑنے والے دیکھتا ہے۔

جس پر حیلہ و مکر کرنا غالب ہو، اسے لومڑی و گیدڑ وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔

جس پر شیطانیت غالب ہو، تو اسے جن و آسیب وغیرہ دکھائے جاتے ہیں۔
 جس پر کئی امراض غالب ہوں تو وہ مختلف اشیاء دیکھتا ہے۔
 پس ذکر کرنے کی برکت سے ان اشیاء کے دیکھنے سے سالک اپنی مذمومہ
 حالت کا کسی قدر معائنہ کر لیتا ہے، جس کے بعد اپنی مذمومہ حالت کو دفع کرنے کی
 کوشش کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ چیزیں اکثری ہیں، کلی نہیں۔
 فائدہ: ... اگر ان چیزوں پر سالک غالب آگیا ہے تو اس پر مذمومہ صفت
 غالب نہیں، بلکہ صفت محمودہ غالب ہے۔ اور اگر وہ چیزیں سالک پر غالب ہیں تو ایک
 یا کئی صفات مذمومہ اس پر غالب ہیں۔
 فائدہ: ... کبھی سالک کو کچھ بھی نہیں دکھایا جاتا اور اصلاح بھی کی جاتی ہے،
 ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

انکشافات کی تشریح:

اگر سالک دیکھے کہ اُن جانوروں کی صورت کو تبدیل کر رہا ہوں، تو سمجھے کہ
 اپنے اخلاق ذمیرہ کی اصلاح کر رہا ہوں۔
 اگر دیکھے کہ ان کے ساتھ جدال و نزاع کر رہا ہوں، تو سمجھے کہ اب تک
 اصلاح کی کثیر ضرورت ہے۔
 اگر پانی صاف و رواں (جاری)، سبزہ خوش نما، جوہرِ نفس، چاند، سورج، یا
 ستارے دیکھے، تو یہ چیزیں اس کے مقامات و صفات حمیدہ ہیں۔
 اگر انوار بے انتہا دیکھے یا اپنے آپ کو اڑتا اور ہوا میں جاتا، آسمانوں پر
 چڑھتا یا کشفِ معانی وغیرہ دیکھے، تو اس کی ملکوتیت و صفائی رُوحانی کی علامت ہے۔
 اگر بہشت، دوزخ یا ملائکہ دیکھے، تو اس کی صفات حمیدہ و صفات ملکی
 کی نموداری ہے۔

اگر سالک کے مشاہدہ میں انوارِ غیب، صفاتِ الوہیت، الہامات، اشارات، مکالمات یا صفاتِ ربوبیت ہوں، تو مقامِ فنا و بقا ہے، اور وصول و تخلق باخلاق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِكَ اٰمِيْنَ.

انکشافات والوں کی علاماتِ صحت:

ایسی نعمت والے کی علامات یہ ہیں کہ سالک تمام مرغوبات و مالوفاتِ جسمانی سے برطرف ہو کر انوارِ غیبی میں مستغرق ہو جائے گا، اس کی عادات، عبادات بن جائیں گی، اور دُنیا، دین ہو جائے گی، تمام کاموں میں للہیت و اخلاص پیدا ہو جائے گا، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل، اس کی رُوح رواں ہو جائے گی، اس سے قصداً و ارادۃً ترکِ سنتِ محال ہوگا، پھر فرائض پر عمل کرنا کیسے ترک ہو؟ جب مستحبات و سنن کی تعمیل عملاً مثلِ واجبات کے ہو جائے گی؟ سالک دُنیا اور دُنیاداری کی عادات سے متنفر ہو جائے گا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدینؓ سے محبت بڑھ جائے گی، اُن کی عادات و افعال اور انفاسِ طیبات ہی دل پذیر و دل پسند ہو جائیں گے، شرک و کفر تو ایک طرف، بدعت سے اس قدر نفرت ہوگی جیسے پاخانہ پیشاب سے۔ اس پر، اسرارِ قرآن و حدیث بقدر استعداد نمودار ہوں گے، قرآن و حدیث سے اس قدر دل بستگی و پیوستگی ہو جائے گی کہ اپنی جان سے بھی اتنی نہ ہوگی، دوئی (غیر اللہ کا خیال)، خودی (اپنی ذات کا خیال) اور دعویٰ مٹ جائے گا، اگر دوئی، خودی اور دعویٰ میں سے کوئی چیز ذرہ بھر موجود ہے تو پھر:

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے

خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

ترجمہ: "...خواجه کا گمان ہے کہ کچھ حاصل رکھتا ہے،
خواجه کا حاصل گمان کے سوا کچھ نہیں ہے۔"
سالک کا الحب للہ والبغض للہ اور دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے گا،
ذکر الہی تعالیٰ ہی اس کا مقصد حیات ہوگا:

چوں کشایم لب ہمے نام تو آید بر زبان
چہ کنم جانان کہ جز نامے تو ہیچم یاد نیست
ترجمہ: "...جب میں لب کھولتا ہوں تیرا نام زبان پر آتا
ہے، کیا کروں جان کو کہ تیرے نام کے سوا مجھ کو کچھ یاد نہیں۔"

مرشد کی ضرورت:

یاد رکھنا چاہئے کہ اکثر عادات اللہ تعالیٰ یوں ہی جاری و ساری ہے کہ بجز مرشد
و شیخ کے ان انوار و کیفیات کا حصول و وصول بمنزلہ محال عادی کے ہے، کسی طبیب
حاذق روحانی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، مرشد کی صحبت سے اپنی حالت معلوم
ہو سکتی ہے، اس کی صحبت سے دل کو ایک خاص تنبہ پیدا ہوتا ہے اور دلجمعی حاصل ہوتی
ہے کہ سالک کو تمام علائق دنیا سے یکسو ہو کر اپنے نفس کا مطالعہ اور اس کی اصلاح کا
موقع مل جاتا ہے، بشرطیکہ محبت و اتباع شیخ کامل اور محنت بقدر وسعت ہو، اس کے
لئے مدت معتد بہ ضروری ہے۔

انوار پر غرہ نہ ہونا چاہئے:

فائدہ: ... یاد رکھنا چاہئے کہ انوار کی نموداری پر غرہ نہ ہونا چاہئے، کبھی یہ
انوار ناری ہوتے ہیں، جو نفسانی و شیطانی مقتضیات کی ملاوٹ سے پیدا ہوتے ہیں،
ان نفسانی و شیطانی مقتضیات میں فرق یہ ہے:

شیطانی خیالات، شبہات اور کیفیات اکثر اعتقادات و اصول دین، مثلاً: توحید، رسالت، قیامت اور کتاب اللہ کے متعلق ہوتے ہیں۔
نفسانی معاملات اکثر جسمانیات، مثلاً: حب جاہ، کبر اور شہوات کے متعلق ہوا کرتے ہیں۔

کبھی عناصرِ اربعہ: آب، ہوا، آتش اور خاک کی لطافت کی روشنی آنکھوں کے سامنے جھلک مارتی ہے۔

کبھی حواسِ خمسہ ظاہرہ و باطنہ یعنی ذائقہ، لامسہ، باصرہ، سامعہ، حس مشترک اور وہم و خیال وغیرہ کی لطافت کا عکس ہوتا ہے، ان میں اکثر شیطان و جن کی ملاوٹ ہوا کرتی ہے، جیسے دجال و کذاب سے عجائبات و خوارق اور استدراجات ہوتے ہیں، یہ سب بہیمیت کے آثار ہوتے ہیں۔

کبھی لطائف: قلب، روح، سر، خفی اور اخفی کا پرتو ہوتا ہے، اور کبھی مشکوٰۃ نبوت سے انوارِ محمدی منعکس ہوتے ہیں، اور کبھی یہ ملائکہ کرام کی موانست سے ہوتے ہیں۔

ان انوار میں فرق کرنا اور ان متشابہات کی تمیز بجز طبیبِ بصیر اور مرشدِ کامل کے مشکل ہے، لہذا مرشدِ حاذق، صاحبِ سنت کا اتباع ضروری ہے، ناری روشنی شرک، بدعات اور خلافِ سنت میں ہوا کرتی ہے، انوارِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مجاہدہ، ریاضت اور مطابقتِ سنت میں ہوتے ہیں:

بے مدد پیر نہ امکان تست

(پیر کی مدد کے بغیر تجھے امکان نہیں)

خلاصہ یہ کہ سالک کو ان چیزوں سے عبور کرنا ضروری ہے، صفاتِ خاکی کہ جس میں ٹیلہ ہا و بستی ہا و ظلمانیات دیکھتا ہے، اور صفاتِ آبی کہ جس میں سبزی ہا و چشم ہا

دیکھتا ہے، اور صفاتِ ہوائی جس میں ہوا پر اڑنا وغیرہ دیکھتا ہے، اور صفاتِ آتشی کہ جس میں چراغہا و آتش وغیرہ دیکھتا ہے، اور صفاتِ حیوانی و سمعی وغیرہ سے عبور کر کے عالم ملکوت تک پہنچے۔

کبھی کسی سالک کو ہر مقام پر مثلاً آتش نظر آتی ہے، پھر اس کو کبھی غضب، کبھی ہیبت، کبھی محبت اور کبھی معرفت زیادہ ہوتی ہے، ان چیزوں کو بھی شیخِ کامل سمجھ سکتا ہے۔

کبھی سالک کے مقامات طے ہو رہے ہوتے ہیں، لیکن اس کو کچھ بھی نظر نہیں آتا، اس کے لئے یہی مناسب ہے، اس کو بھی شیخِ کامل ہی سمجھ سکتا ہے، جیسے بیمار کو فائدہ نظر نہیں آتا، مگر طبیب سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اس قدر حرارت کم ہوگئی ہے۔

حجاباتِ نورانیہ زیادہ مضر ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: الہیات کے سوا باقی تمام مکاشفات قابلِ نفی ہیں، اگرچہ وہ انوارِ ملکوتیہ سے متعلق ہی ہوں، کیونکہ وہ بھی حجابات ہیں، بلکہ حجاباتِ نورانیہ (مثل: استغراق، سکر وغیرہ) حجاباتِ ظلمانیہ (مثل: حسد، کبر وغیرہ) سے زیادہ مضر ہیں، کیونکہ حجاباتِ ظلمانیہ کا محبوب اپنے آپ کو محبوب اور محتاجِ ترقی سمجھتا ہے اور حجاب کے زائل کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، بخلاف اس کے حجابِ نورانیہ کا محبوب اپنے آپ کو واصلِ بحق اور فائز المرام سمجھ کر اس مقام پر محصور ہو جاتا ہے، اور ان انوار کو تجلیاتِ حق سمجھ کر عمر بھر اس تلذذ میں مستغرق ہو کر قربِ حق سے محروم رہ جاتا ہے، چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال رُوح کی تجلی کو ذاتِ حق سمجھ کر اس کی پرستش میں مبتلا رہے۔

(کذافی دفتر دوم، حصہ اول، مولوی محمد نذیر صاحب شارحِ مثنوی ص: ۵۶)

حاصل تمام مطالب کا غیر اللہ کی نفی ہے۔

شبہ کا جواب:

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر شیخ بھی غیر اللہ ہے، اس کی بھی نفی ہونی چاہئے؟ اور عالمِ ناسوت کی طرح اس کو بھی کیوں نہ ترک کیا جائے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ گو بظاہر تعلق شیخ بمنزلہ بت کے ہے، مگر درحقیقت یہ بت شکن اور معلمِ توحید ہے، چنانچہ مثنوی میں ہے:

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من
صورتش بت معنی او بت شکن

مطلب یہ کہ بے شک مرشد کی ذات غیر اللہ ہے، اس لئے بظاہر اس کو بت کہہ سکتے ہیں، مگر اس کی طرف التجا و التفات اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہی مقصود ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ ہمارے دل سے غیر اللہ کا نقش مٹادے اور وصول الی اللہ کے طریقے بتلائے، پس وہ بت شکن اور موصل الی اللہ ہوا۔

صوفیہ کی اصطلاح میں غیر اللہ وہ ہے جس سے خدا کے لئے تعلق نہ ہو، اور خیالِ یار یا تصوّر شیخ خدا تعالیٰ سے تعلق کے لئے ہے، پس وہ شیخ نہ غیر حق ہے، نہ عینِ حق، بلکہ موصل الی الحق ہے۔ صاحبِ مثنوی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال دی، اس لئے کہ بظاہر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستارہ، چاند اور سورج کو ”ہَذَا رَبِّي“ کہا، جو کہ بظاہر شرک و بت پرستی کا عنوان ہے، مگر درحقیقت یہی الفاظ بتوں اور شرک کو تباہ کرنے والے ہیں، ان ہی الفاظ سے تو حضرت خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود ان مشرکین کی بت پرستی کا ابطال تھا۔ مرشد کے انفاسِ طیبات سے ہی رُوحانی نقائص کا احساس ہوتا ہے، اسی کو معرفت

نفس کہتے ہیں، جیسے فرمایا گیا: ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ“ (یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) اور معرفتِ نفس، معرفتِ پروردگار کا زینہ ہے:

بداں خود را کہ از راہ معانی

خدا را دانی از خود را مدانی

ترجمہ:...”تحقیق کے راستے سے اپنے آپ کو جان،

اپنے آپ کو تو جانتا ہے، خدا کو نہیں جانتا۔“

از خود نہ شناساں مطلب دیدہ حق ہیں

حق راچہ شناسند ز خود بے خبری چند

ترجمہ:...”خود ناشناس سے حق ہیں آنکھ مت ڈھونڈھ،

خود سے بے خبر، حق کو کیا پہچانے گا؟“

ان سب باتوں سے ضرورتِ شیخ ثابت و مبرہن ہوتی ہے۔

(کذافی شرح مثنوی دفتر دوم ص: ۵۸، مولانا محمد نذیر عرشی رحمۃ اللہ علیہ)

راہِ سلوک میں ابتدا و انتہا:

سوال:.... راہِ سلوک و طریقت میں ابتدا و انتہا کیا چیز ہے؟

جواب:.... ابتدائے سلوک طلبِ راہ و ارادت ہے، اور انتہا اس کی وصول و

معرفتِ الہی تعالیٰ یا معرفتِ نفس ہے۔

ثانیاً اینکہ ابتدائے سلوک توحیدِ افعالی ہے اور انتہا اس کی توحیدِ ذاتی ہے۔

توحیدِ ذاتی ان صوفیہ کے عرف میں، اعتقاد اور اعتماد اور شہود و خیال میں غیر کا مرتفع ہونا

ہے، یعنی بجز حق تعالیٰ کے دوسرا کوئی خیال میں نہ رہے:

ہرچہ بینم در نظر غیر تو نیست

یا توئے یا خوئے تو یا بوئے تو

ترجمہ: "...میں جو کچھ دیکھتا ہوں، نظر میں تیرا غیر نہیں

ہے، یا تو ہے، یا تیری خو، یا تیری بو ہے۔"

صوفیوں کے مقولہ: "الْفَقْرُ إِذَا تَمَّ هُوَ اللَّهُ" کا اشارہ اسی طرف ہے۔

"النهاية هي الرجوع الى البداية" کا مطلب؟

سوال دوم: ... حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے قول: "الْنِّهَآئَةُ هِيَ

الرُّجُوعُ إِلَى الْبِدَايَةِ" کا کیا معنی ہے؟

جواب: ... نہایت، بقا باللہ کو کہتے ہیں، اس وقت سالک تمام طور (مکمل طور

پر) متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ حدیث: "بِسْمِ يَسْمَعُ وَبِسْمِ يُبْصِرُ" (مشکوٰۃ ص: ۱۹۷)

اور آیت: "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ" (الانفال: ۱۸) کا اس طرف اشارہ

ہے، فنا فی اللہ میں صفات سالک محو ہو چکی تھیں اور بقا باللہ میں وہ صفات پھر واپس

آئیں، مگر صفات حق کے رنگ میں یعنی متخلق باخلاق اللہ ہونے کے، یعنی غضب و محبت

کا مرجع پہلے مقتضیات نفسانیت تھا، اب محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اور غصہ ہے تو

اللہ تعالیٰ کے لئے، گویا بغض اللہ والحب اللہ کا مصداق بن گئے، پہلے دینا نہ دینا ہوائے

نفس پر تھا، اب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ ... أَعْطَىٰ لِلَّهِ وَمَنْعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ

(مشکوٰۃ ص: ۱۴)

"الْإِيمَانُ"

ترجمہ: "... جس نے دیا اللہ کے لئے اور نہ دیا تو

اللہ کے لئے، اس نے ایمان کو کامل کیا (گویا ایمان کامل کا

نمونہ بن گیا)۔“

یہ ہے رجوع الی البدایۃ، یعنی وہی صفات پھر واپس آئیں۔

ترقی کی نہایت ہے یا نہیں؟

سوال سوم: ... ترقی کی نہایت ہے یا نہیں؟

جواب: ... نہایت نہیں ہے:

اے برادر بے نہایت در گہے است

ہرچہ بروئے می رسی بروئے مائیت

ترجمہ: ... ”اے بھائی! لامتناہی دربار ہے، تو جس درجہ

پر پہنچے، اس پر مت ٹھہر۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ کی تعلیم میں اس طرف

اشارہ ہے۔

فنا کامل آنی ہوگی یا زمانی:

فنا کامل یا آنی (ایک آن کے لئے) ہوگی یا زمانی، صوفیائے کرام رحمہم اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: فنا کامل سے پہلے خواہ اس کو شہودِ وحدت در کثرت ہو یا شہودِ

کثرت در وحدت ہو، ہر آن، ہر زمان میں ترقی ہے، ”كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ“ اور جب

فنا کامل آجائے اور مرتبہ ذات تک پہنچ جائے تو اس جگہ شاہد و مشہود و شہود کچھ بھی نہیں،

اس لئے کہ شہود وغیرہ اثنیت یعنی دو ہونے کو چاہتے ہیں، جب دو نہیں، ایک ہی ایک

ہے، تو ترقی کیسے ہو؟ ”الْفَقْرُ إِذَا تَمَّ هُوَ اللَّهُ“

مگر عرض یہ ہے کہ فنا کامل و شہودِ ذات کا وارد ہونا یا آنی ہوگا یا زمانی؟ اور

پھر زمانی یا دوامی ہوگا یا غیر دوامی؟

اکثر صوفیہ اس طرف ہیں کہ یہ فنا آئی ہوا کرتی ہے، زمانی نہیں ہوتی۔
اور بعض کا قول یہ ہے کہ زمانی بھی ہوا کرتی ہے۔

اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو فرماتے ہیں کہ فنا کامل دوامی بھی ہوا کرتی ہے، مگر ایسا فرد صدیوں میں کوئی ایک ہوا کرتا ہے، اور دوامی فنا بھی اس کو مقتضی نہیں کہ ترقی نہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا دوامی کے باوجود ہر آن، ہر زمان میں برزخ، حشر، بہشت میں ہزاروں ترقیات ہوا کرتی ہیں اور ہوں گی، جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بس۔

ظلوم و جہول کا مطلب:

سوال چہارم: ... انسان کے متعلق سورہ احزاب کے آخر میں: ”اِنَّهُ سَخَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا“ (الاحزاب: ۷۲) آیا ہے، ظلوم و جہول انسان کی مدح میں ہے یا ذم میں؟
جواب: ... اکثر علماء کے نزدیک یہ الفاظ انسان کی مذمت میں ہیں کہ جو امانت آسمان و زمین نہ اٹھاسکے، انسان نے اٹھالی، اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور ناعاقبت اندیشی کی کیونکہ اس کا تحمل نہ ہو سکے گا، اس اعتبار سے جہول ہوا۔

اور صوفیائے کرام کے نزدیک یہ الفاظ انسان کی مدح میں ہیں، اس لئے کہ انسان مظہر اتم و جامع صفات متضاد ہے، دوسری مخلوق میں یا تو صفات طبعی ہیں یا ملکی، اور انسان دونوں صفات ملکی و طبعی کا جامع ہے، انسان میں کسی درجہ کا اختیار ہے کام کرنے اور نہ کرنے کا، مأمورات میں تعمیل فرمان کی کلفت کو برداشت کیا اور نہ کرنے والے اختیار کو رفع کیا اور منہیات میں بھی کرنے والے اختیار کو دور کر کے اپنے نفس کو جبراً روکا، اس اعتبار سے ظلوم ہوا۔

مجاہدہ اور ریاضت یہی ہے کہ مقتضیات نفس کو چھوڑ کر اللہ کے فرمان پر عمل

کرنے اور گناہ نہ کرنے پر طبیعت کو مجبور کرے اور یہ مدح ہے، اور جہول کا لفظ اس طور سے مدح ہے کہ انسان ماسوا اللہ سے بہت ہی جاہل ہے اور یہ رُوح انسان کا کمال ہے۔

نماز بے خطرہ کب ہوگی؟

سوال پنجم: ... نماز بے خطر کس وقت ہوتی ہے؟

جواب: ... جب دل سے غیر اللہ تمام (مکمل) طور پر محو ہو جائے اور مشاہدہ

حق تعالیٰ میں مستغرق ہو جائے، اس وقت نماز بے خطر ہوگی۔

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو نماز میں سانپ گلے میں لپٹ گیا،

حضرت کو خبر تک نہ ہوئی۔

خطرہ سے مراد وہ خطرہ ہے جو حضور حق میں مزاحم ہو، وگرنہ وہ وسواس ہیں،

خطرہ نہیں۔

فنا سالک کو ہوتی ہے یا مطلوب کو؟

سوال ششم: ... طالب و سالک فانی ہوتا ہے یا مطلوب؟

جواب: ... طالب کو فانی کہا جاتا ہے کہ وہ مطلوب میں فنا ہو گیا، یہ فنا فی

اللہ ہے، اور مطلوب کو بھی فانی اس جہت سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مطلوب، طالب میں

مستتر ہو چکا ہے:

در پردہ نہاں باشم و بے پردہ عیاں

اس طرف مشیر ہے۔

علم حق در علم صوفی گم شد

ایں سخن کے باور مردم شود

ترجمہ:.... ”علم حق، علم صوفی میں گم ہوا، اس بات کو مرد

شہود کے سوا کون یقین کرتا ہے؟“

بظاہر علم صوفی کا ہے، حقیقۃً علم صوفی میں، علم حق مستتر ہے۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فنا نہ صوفی و طالب کو ہے نہ مطلوب کو، بلکہ درمیان سے دوئی کا وہم مرتفع ہو چکا ہے، پس وحدت ہی وحدت رہ گئی ہے، اسی کو فنا سے تعبیر کیا گیا ہے، حقیقت میں نہ فنا طالب کو ہے نہ مطلوب کو۔

سالک کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم:.... طالب کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟

جواب:.... وصل اثنیت کو مقتضی ہے، وصل کہتے ہیں ایک کو دوسرے سے

ملانا، اور فنا میں اثنیت نہیں، پھر وصل کیسے؟

معشوق و عاشق ہر سہ یکے است ایں جا

چوں وصل در نغجد ہجراں چہ کار دارد

ترجمہ:.... ”معشوق، عاشق اور عاشق تینوں یہاں ایک

ہیں، جب وصل نہیں سماتا، ہجر کو کیا کام ہے؟“

اور اگر موت سے جسدِ غضری کا مرنا مراد ہے، تو وصل ممکن بلکہ واقع ہے،

جیسا کہ حدیث میں ہے:

”الموت جسر یوصل الحبيب الی الحبيب“

ترجمہ:.... ”موت ایک پل ہے، جو دوست کو دوست کی

طرف پہنچا دیتی ہے۔“

حضرت شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخرت میں بھی ترقی ہوگی،

واللہ تعالیٰ اعلم، اللہم تقبل منا انک انت السميع العليم!

ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر کوئی چیز درست نظر آئے تو

مؤلف نابکار کے لئے حسنِ خاتمہ کی دُعا فرمادیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً!

آخر و عوانا ﴿ الحمد للہ رب العالمین ﴾

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ وسلم نعلیما

من الصلوة والسلام ﴿ کملہما وارومہما ﴾

”مجاہدہ اور ریاضت یہی ہے کہ مقتضیاتِ نفس کو
چھوڑ کر اللہ کے فرمان پر عمل کرے اور گناہ نہ کرنے پر
طبیعت کو مجبور کرے۔“

التَّيِّبِينَ فِي مَهْرَاتِ الشَّيْطَانِ

يعني

شيطاني مغالطوں کا بیان

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ
 اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا خَیْرِ الْوَرٰی مُحَمَّدٍ
 الْمُصْطَفٰی وَآلِهِ الْمُجْتَبٰی وَاصْحَابِهِ الْمُرْتَضٰی وَاتِّبَاعِهِ
 الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا بِخَیْرِ الْهُدٰی، اَمَّا بَعْدُ!

بندہ ناکارہ نے جب اپنے آپ کو اور اپنے جیسے تارکِ سنت اور تابعِ ہوی کو اپنے خیالاتِ باطلہ، رسوماتِ آباء و اجداد اور رواجاتِ عادیہ کو خدا بناتے اور ان کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتے، حق و سچ کو مٹاتے اور باطل و فاسد پر لڑتے مرتے دیکھا تو خیال آیا کہ اگر وساوسِ شیطانیہ و نفسانیہ میں سے مشتمل نمونہ از خروار و یکے از ہزار سمجھ دار اولی الابصار کے پیشِ خدمت کیا جائے تو شاید دیکھنے والا نعمتِ خدادادِ عقل کی وجہ سے ہوشیار ہو کر تدبر و تذکر میں پڑ جائے یا صلاح کار و نیک خصال بن جائے اور بندہ اس کی دُعا سے مستجاب سے اور اپنی تحریر کے خلاف کرنے میں شرمسار ہو کر خوفِ الہی سے بفضلِ غفار و ستار نیک حال ہو جائے۔ ذالک من فضل اللہ لیس ببعید، وما ذالک علی اللہ بعزیز!

اس رسالہ میں چند فصول ہیں:

فصلِ اوّل:

سوال: ... وساوسِ شیطانیہ و نفسانیہ کس کو کہتے ہیں؟

جواب: ... انسان کی انسانیت طبعاً، ذاتاً، عقلاً، نقلاً، مروءۃ، عادت اور رواجاً اس کو مقتضی ہے کہ اپنے خالق، رازق، مالک اور محسن کی طاعت و عبادت اور تعمیل فرمان پر جان، مال، آبرو اور وطنِ قربان کرے، بسبب اس کی عزت، عظمت، جلال، جمال اور احسان کے۔ نیز اپنی عبدیت و احسان مندی کے سبب تعمیلِ حکم کرے، جس سے تعلق مع اللہ، الحب للہ اور البغض فی اللہ پیدا ہوتا ہے، پس جو چیز اس تعلق و محبت کو ختم کرے یا گھٹائے وہ شیطانی اور نفسانی وساوس ہیں، خواہ وہ اعتقاداتِ فاسدہ و اخلاقِ رذیلہ ہوں یا اعمالِ کاسدہ اور اقوالِ خبیثہ، الحاصل جو قرآن، سنت، اجماع اور قیاسِ صحیح کے خلاف راہ دکھائے، وہ وساوسِ نفسانیہ و شیطانیہ ہیں۔

سوال: ... وساوسِ نفسانیہ اور شیطانیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: ... وساوسِ شیطانیہ وہ ہیں جو اصولِ دین میں پائے جائیں، جس سے کفر و شرک ہو جائے اور ایمان جاتا رہے، جیسے رسومِ شرکیہ مثلاً: کسی غیر اللہ کو نافع، ضار، شافی الامراض، مشکل کشا، حاجت روا، بچہ کی عمر دراز کرنے والا یا کم کرنے والا، دُور و قریب سے ہر کسی کی، ہر وقت آواز سننے والا، اور فریاد کو پہنچنے والا سمجھنا، نذر و نیاز کرنا وغیر ذالک، یا کسی پیغمبر، آسمانی کتاب، قیامت، فرشتگان، تقدیر خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنے کا انکار کرنا، یا جو حکم و قانون گو سنت ہی کیوں نہ ہو، قرآن مجید یا حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہو، یا اس پر اُمتِ مرحومہ کا اجماع ہو، اس کا انکار کرنا، حرامِ قطعی کو حلال، حلالِ یقینی کو حرام کرنا، یا دین میں شبہاتِ باطلہ کرنا یا ڈالنا، اسی

طرح کسی پیغمبر، فرشتہ یا کتاب کی اہانت کرنا، وغیرہ، یہ سب وساوسِ شیطانیہ ہیں۔ اور جس غلطی سے ایمان نہ جائے اور کفر و شرک لازم نہ آتا ہو، گو گناہ و نافرمانی ہوتی ہو، وہ موجبِ عذاب ہے، جیسے فتنہ و فساد، مال و غیرہ کی محبتِ شدیدہ، زنا اور چوری، وغیرہ کے معاملات میں جو خیالات آئیں وہ وساوسِ نفسانیہ ہیں۔

فصل دوم:

خواطرِ ملکی و حقی:

سوال: ...خواطرِ ملکی و حقی میں کیا فرق ہے؟

جواب: ... جو خیالات نیک و اچھے آئیں وہ دو قسم ہیں: ایک وہ ہیں جو اچھے کام کرنے سے متعلق ہوں جیسے: حج کرنا چاہئے، نماز پڑھنی چاہئے، قرآن مجید کا ترجمہ سمجھنا چاہئے، مروت و احسان کرنا چاہئے، وغیر ذالک، یا بُرے کام جو نہ کرنے کے متعلق ہوں، مثلاً: زنا، چوری، غیبت، جھوٹ، شرک اور کفر سے بچنا چاہئے، تکبر، غفلت، غرور اور ضلال سے بچنا چاہئے، اور توکل، تسلیم، قناعت، شکر اور رضا بالقضا کو حاصل کرنا چاہئے۔ اگر اچھے و نیک خیالات و خواطر کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہو، یعنی نیک کام کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہو، کرے تو جزا پائے اور نہ کرے تو سزا کا مستحق ہے، اسی طرح بُرے کام کے کرنے اور اس سے بچنے کا اختیار ہے، کہ نہ کرے تو آفرین پائے، اور گناہ کرے تو سزا کا حقدار بنے، تو یہ خاطر و خیال الہامی و ملکی ہے، اگر نیک کام کرنے یا بُرے کام کے نہ کرنے پر اتنا مجبور ہو گیا ہو کہ دوسری جانب کا بظاہر اختیار نہیں رہا تو یہ خاطر حقی ہے، فافہم!

فصل سوم:

وجلات و ملمع شدہ وساوس:

جاننا چاہئے کہ نفسانی و شیطانی دھوکا دہی ہر شخص کے حال، کام، مقام اور طرز طریق کے مناسب ہوا کرتی ہے۔ مولانا صاحب کو (شیطان) یہ کبھی نہیں کہے گا کہ داڑھی منڈوا ڈالو، پیر صاحب کو یہ وسوسہ نہیں ہوگا کہ تسبیح صد دانہ نہ بلاؤ، دولت مند، حاکم اور بڑے آدمی کو یہ نہ کہے گا کہ اپنی وجاہت، سخاوت، مروّت اور رعایت سے دست بردار ہو جاؤ، علیٰ ہذا القیاس۔

بلکہ مولوی صاحب کو یہ کہے گا کہ اگر تیری عزّت نہ کی گئی تو دین کی ہتک ہو جائے گی، تیری ناقدری دین، اسلام اور قرآن مجید کی ناقدری ہے، اور تیری عزّت و تعظیم اسلام کی عظمت ہے، اس سچ و فریب سے اس کو خواہش نفس، عزّت و عظمت، خود ساختہ من مانی اور زمانے میں مروّج طرز طریق پیدا ہوگا، مثلاً: کپڑے اس قسم کے ہوں، اس کا سینا پرونا اس طور کا ہو، پہننا اس طرز کا ہو، کھانا پینا مرغن و شیریں ہو، ایسی طشتریوں میں اور ایسی بناوٹ، آرائش اور نمائش سے ہونا چاہئے، مکانات و بیٹھک ایسے رنگ، ڈھنگ اور زیب و زینت سے ہوں، کلام و تبلیغ ایسی فصاحت و بلاغت سے، الفاظ انگریزی اور عربی اور اُپری زبان کی ملاوٹ سے ہونے چاہئیں تاکہ نئی روشنی کے لوگوں اور حکام و عیش پرستوں میں بھی موثر ہوں اور میری وجاہت قائم ہو۔ ان جیسی ملمع ساز باتوں، کاموں اور حالتوں سے تبلیغ میں اخلاص و للہیت نہ رہے گی، کلام کی سادگی و اصلیت گم ہو جائے گی اور قرآن مجید، حدیث شریف اور ملفوظات بزرگان میں ضرور عجیب و غریب مثالیں، اشعار اور بے سند حکایات ملانی پڑیں گی، تاکہ عوام خوش ہوں، پسند کریں، واہ! واہ! کانعرہ لگائیں، سروتن وجد و استغراق میں

آئیں تاکہ دعوتوں کی کثرت ہو، آمدنی کی وسعت ہو، معتقدین میں عزت ہو، دُور دُور تک شہرت ہو، مدح و ثنا خوانی ہر در و بام ہو، بالآخر ان چیزوں کے حصول میں اُمراء کی خوشامد میں مدابنت، عوام کی رعایت میں چشم پوشی اور تسامح کرنا پڑے گا، حق گوئی میں نقص آئے گا، ہر خاص و عام کے امراضِ رُوحانی کے علاج، تشخیص دوا میں بے پروائی برتی جائے گی، دُوسروں کی رضامندی کے لئے بدعت کو سنت، مستحب یا مباح کہنا پڑے گا، ناجائز کو کسی تاویل سے جائز بنانا ہوگا، قرآن و حدیث کے معنی گھڑنے پڑیں گے یا کوئی مؤید و معین سند لانی پڑے گی، خواہ وہ سند معمولات مشہورہ نص قرآنی، سنت خیر القرون اور اجماع اُمت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، سلف کے اقوال کو رد کرنا پڑے گا، یا اسلاف میں عیب و نقص نکالنا پڑے گا، گالم گلوچ سب و شتم کرنا پڑے گا، وغیر ذالک۔ یہ مشتم نمونہ از خروار ایک پیچ بازی یعنی تیری عزت دین کی عزت ہے، سے پیدا ہوتے ہیں، جس سے ریا، عجب، کبر، غفلت، غرور، ضلال، کذب اور نفاق وغیرہ تو مزید براں ہیں، ایک و سو سے ہزاروں گناہ، ضلال اور اضلال ہوا، اگر یہ نہ ہوتا کہ: شنعت بود سیرت خویش گفت، تو اپنے جیسے مُلّاؤں کے حالات کا دفتر لکھ دیتا، اسی شاخ کے پھل پھول سے ہے کہ رسم و رواج کے تابع ہو کر غیر تقسیم شدہ میراث اور نابالغ وارثوں کے مال سے رسم قل خوانی اور جمعراتیں وغیرہ کرنا اور بعض علماء کا اس سے نہ روکنا بلکہ اس کی ترغیب دینا، اور شہرت اور دفع ملامت کے لئے باوجود دانست و علم کے اس غیر تقسیم شدہ مال سے کھانا کھلانا، خیرات کرنا اور لینا، دینا۔

فصل چہارم:

صوفیوں اور پیروں کے لئے دجل و فریب:

۱:۔۔۔ پیرزادوں اور اعلیٰ نسب والوں کو یہ ناز ہے کہ ہمارے بزرگ تو بزرگ

ہیں، اُن سے ہمارا انتساب نجات و فلاح کا موجب ہے، گو ہم جس قدر غلط کار
رہیں۔ یہی حال علمائے سوء یہود کا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے:

”وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصْرَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ

وَإِحْبَابُهُ.“ (المائدہ: ۱۸)

ترجمہ:.... ”اور کہتے ہیں یہود و نصاریٰ کہ ہم بیٹے ہیں

اللہ کے اور اس کے پیارے۔“

جس کا ردّ قرآن مجید میں جا بجا صراحتاً مذکورہ ہے، چنانچہ ارشادِ الہی: ”فَلَا

أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ“ (المؤمنون: ۱۰۱) (نہ قرابتیں ہیں اُن میں) وغیرہ نصوص میں اس کی
صراحت ہے۔

۲:.... بعض صوفی صرف کشف، اچھے خواب اور دُعاؤں کی اجابت پر نازاں

ہوتے ہیں، حالانکہ ہر کشف صحیح نہیں ہوتا، آج کل کے اکثر لوگوں کو کشفِ مثالی ہوتا
ہے، نہ کہ کشفِ عینی، اور کشفِ مثالی میں ہزار ہا اشتباہ ہیں، کما هو ظاہر عند

اربابِ الکشف، نیز اکثر علماء کے ہاں کشفِ عینی ”كَالشَّمْسِ فِي نِصْفِ النَّهَارِ فِي
غَيْرِ سَحَابٍ“ سوائے انبیاء علیہم السلام کے دوسروں کو نصیب نہیں، اسی لئے ان کا

یقین ہر فرد اُمت کے یقین سے بلند تر ہوتا ہے۔ یہی یقین تو تھا کہ اصحابِ موسیٰ علیہ
السلام سمندر پر فرعونیوں کے دیکھنے سے تھر تھرا گئے اور کہنے لگے: ”إِنَّا لَمُدْرِكُونَ“

(الشعراء: ۶۱) (تحقیق ہم پائے گئے)، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”كَلَّا، إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ.“ (الشعراء: ۶۲)

ترجمہ:.... ”بالکل نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے،

فوراً راہ دکھلائے گا مجھے (یعنی نجات دے گا)۔“

اسی طرح جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں کفار کے پاؤں

دیکھنے سے بے چین ہوئے تو حضور اکرم سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ (التوبہ: ۴۰) (یعنی) مت غم کھا! بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔
 علاوہ ازیں کشف تو اسلام کے ساتھ خاص نہیں، کفار کو بھی ہوتا ہے، چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: ”فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ“ (الدخان: ۱۰) کو دل میں چھپایا اور ابنِ صیاد کو فرمایا کہ: میرے دل میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا: ”هُوَ الدُّخَانُ“۔ (مشکوٰۃ ص: ۴۷۸)

مزید براں کشف کے اسباب موجباتِ تصفیہ و تزکیہ ہوتے ہیں، اگر مجاہداتِ شرعیہ ہوں، معیارِ سنت پر ہوں، تو انوارِ رحمانی پیدا ہوتے ہیں۔ اس روشنی میں کشف مقبول اور اکثر صحیح ہوتا ہے، اگر معیارِ سنت پر نہیں بلکہ بدعت پر ہے، یا مجاہدہ کرنے والا مشرک یا کافر ہے تو اس تصفیہ میں روشنی ناری ہوتی ہے، اس میں جو کشف ہوتا ہے وہ نامقبول ہے، وہ موجبِ قرب نہیں ہوتا بلکہ اکثر غلط و مشتبہ ہوتا ہے، کشف یا انتساب پر ناز غرورِ شیطانی ہے۔

فصل پنجم:

اجابتِ دُعا مقبولیت کی علامت نہیں:

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی کی دُعا قبول ہو جانے سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا بھی شیطانی و نفسانی دھوکا ہے، شیطان نے ملعون ہونے کے بعد درخواست کی: ”فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ“ (الحجر: ۳۶) (کہ مجھے قیامت تک مہلت دیجئے) جو قبول ہوئی۔ ہاں! اگر سنت پر عامل ہو، شرک و بدعت سے بچتا ہو، اس کی دُعا کا قبول ہونا اچھی علامت ہے، مگر ولایت کا معیار نہیں۔

اچھا خواب آنا نعمت ہے:

اچھے خواب کا آنا نعمت ہے مگر ولایت کا مدار نہیں، کبھی اس میں شیطانی دھوکا ہو جاتا ہے، جیسے کسی کو خواب میں حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ“ مگر جب اٹھا تو ”إِشْرَبِ الْخَمْرَ“ یاد تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اس کی تعبیر میں فرمایا کہ: دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ“ (شراب نہ پی) فرمایا، مگر حافظہ میں شیطان نے ”لَا“ کو مٹا دیا، باقی ”إِشْرَبِ الْخَمْرَ“ (یعنی شراب پی) رہا۔ (کذا فی کتاب الاعتصام للعلامة الشاطبی)

اور کبھی کسی ادنیٰ چیز کو جو ظاہر میں خیر ہے، خواب میں دکھایا جاتا ہے، اور بڑی خیر سے محروم کیا جاتا ہے، جیسے کہ تصوف و کمال کا مدار علم پر ہے، جس قدر علم صحیح کی تکمیل ہوگی اسی قدر وہ کمال معنوی و روحانی میں مجاہدہ و مراقبہ سے کمال کو پہنچتا ہے۔ اگر طالب علم کو خواب میں روحانی تکمیل کی ترغیب ہوئی اور علم چھوڑ کر مجاہدہ میں لگا تو بڑی خیر سے محروم رہا، اور روحانی کمال کا حاصل ہونا، قسمت میں ہوگا تو حاصل ہوگا، وگرنہ دونوں سے محروم رہے گا۔

اور کبھی خواب خراب میں تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے فرمایا:

”إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا عَاتَبَهُ اللَّهُ فِي الْمَنَامِ“

(کنز العمال ج: ۱۱ ص: ۹۶ بحوالہ دیلمی فی مسند الفردوس)

ترجمہ: ”جب کسی بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا

ارادہ کرتا ہے تو اس کو خواب میں (خواب خراب وغیرہ سے)

عتاب فرماتا ہے۔“

(ہکذا فی کتاب التشریح للعلامة التهانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

اجابتِ دُعا اور اچھے خوابوں پر اترانا، اپنے کو کامل سمجھنا، شیطانی دھوکا ہے، اور خوابِ خراب سے بد دل ہونا یہ بھی غلطی ہے۔

فصلِ ششم:

حسنِ پرستی کا وسوسہ:

اکثر صوفیائے زمانہ کو شیطان کا یہ دجل و فریب اور مکاری قربِ خداوندی سے محروم کرتی ہے کہ حسین لڑکوں یا عورتوں سے اس لئے عشقِ مجازی کرتے ہیں کہ ربِّ تعالیٰ کا عشقِ حقیقی حاصل ہوگا، اس میں اگر فنا حاصل ہوگئی تو فنا فی اللہ کا حاصل ہونا کچھ دُور نہیں ہوتا، یہ سخت دھوکا ہوتا ہے، کیونکہ اختلاط ہوتے ہوتے میل، رغبت اور پھر محبت ہو جاتی ہے، پھر بغل گیری، بوسہ، پھر لواطت یا مجامعت تک معاملہ پہنچتا ہے، انجام کار ”حَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ“ بن کر قرب و فضلِ الہی سے محروم ہو جاتا ہے، دراصل عشقِ مجازی سے مقصود مرشد شیخ تبع السنۃ کی محبت تھی، اتباعِ مرشد سے فنا فی الرسول، پھر فنا فی اللہ تک پہنچنا تھا، مگر حسنِ پرستی میں اپنا بیڑا غرق کیا۔

فصلِ ہفتم:

ملفوظات و مثنوی وغیرہ کے متعلق شیطانی مغالطہ:

اے عزیزو! دین، دُنیا، آخرت، قرب، کمال کے مدارج و عروج سب کچھ قرآن مجید و اتباعِ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ملتے ہیں:

محال است سعدی کہ راہِ صفا

تواں یافت جز درپے مصطفیٰ

ترجمہ:.... ”اے سعدی! محال ہے کہ صفائی والا راستہ

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر پاسکیں۔“

یہی چیز قرآن و حدیث میں ہے۔ تحریر آیات و احادیث و ترجمہ ایشاں طوالت چاہتے ہیں، اس لئے مختصراً اس شعر کو لکھ دیا، مگر آج کل کے اکثر صوفیہ نے سعادت دارین کا مدار ملفوظات و غیرہ میں سمجھ لیا ہے، یا حسرتاً!

ملفوظات و مثنوی و غیرہ کے متعلق مختصر و معتمد نقل شرح دیوان فرید سے پیش کرتا ہوں، سن لیس، شارح دیوان فرید مقابیس المجالس جلد چہارم قلمی صفحہ: ۴۳۷ سے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب سے نقل کرتا ہے:

”اکثر کتب ملفوظات غیر صحیح اند و بلا تحقیق نوشتہ اند

بس سند آہنا نزد من قابل اعتبار و اعتقاد نیست۔“ (ص: ۲۵)

ترجمہ:...”پس ان کی سند میرے نزدیک قابل اعتبار

اور لائق اعتماد نہیں ہے۔“

آگے صفحہ: ۳۲ میں فرمایا:

”ایک بار کتاب ”منطق الطیر“ ملاحظہ فرما رہے تھے،

مخدوم غریب شاہ صاحب نے ایک جگہ کے متعلق فرمایا کہ یہ

اشعار ملحقاتِ روافض میں سے ہیں، جس طرح انہوں نے

مثنوی رومی میں بعض بُرے اشعار ملحق کر دیئے ہیں، اسی طرح

منطق الطیر میں بھی انہوں نے چالاکی کی ہے، حضور (یعنی خواجہ

غلام فرید صاحب) کی طبیعت میں تحقیق کی خلش پیدا ہوگئی، اور

جب تک ڈیڑھ سو سال کا ایک پرانا قلمی نسخہ ہاتھ نہ آیا، اس

وقت تک وہ خلش ختم نہ ہوئی، اس قلمی نسخے میں وہ اشعار موجود

نہ تھے، حضور نے فرمایا: الحمد للہ! کہ یہ بات محقق ہوگئی، یہ بات

صرف روافضِ زمان ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے بزرگان کا بھی یہی رویہ تھا، چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اکابر اولیاء مثلاً غوث بہاء الحق شیخ رکن الدین، ابوالفتح ملتانی، سید جلال الدین اوچی اور دوسرے مشائخِ چشتیہ، قادر یہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے آیات و عبارات تشیع کے حق میں پیش کئے ہیں، حالانکہ کہیں کسی جگہ بھی ان حضرات کرام رحمہم اللہ سے نہ وہ عبارات ثابت ہیں اور نہ اشعار، مقصود صرف تلبیس، التباس اور دجل ہے، بلفظ۔“

اب فرمائیں کہ متصوف لوگ قرآن و حدیث کی نہیں سنتے، جبکہ ملفوظات وغیرہ کا حال یہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ دجل شیطانی میں آکر اصلیت کھو بیٹھے ہیں:

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم
نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے

فصل ہشتم:

توحید و جودی اور اس میں مغالطہ:

اس میں بھی اسی کتاب شرح فریدی کی نقل پیش کرتا ہوں، گو ہر تحقیقی کتاب میں ایسا ہی ہے، چنانچہ اس کے صفحہ: ۷۵ میں فوائد فریدیہ صفحہ: ۳۶ و صفحہ: ۳۷ سے شارح مذکور نقل کرتے ہیں:

”پس باید کہ اطلاق اسماء مراتب عبودیت بر مرتبہ الوہیت کردہ نشود نہ اطلاق اسمائے مرتبہ الوہیت بر مراتب عبودیت، لانه کفر و الحاد و زندقہ، نعوز باللہ منہا۔ انتہی۔“

آگے شارح فرماتے ہیں کہ: ہر چیز کو خدا سمجھنے اور ہر چیز کو خدا کہنے والے لوگوں کے دروازے خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے بالکل بند کر دیئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی بشر پر خواہ وہ ولی ہو یا نبی، کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ وہ ریاضات و کمالات کے حصول کے بعد عین خدا بن جاوے یا نہ؟ اس کے لئے بھی حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان موجود ہے اور اسے وہ توحید حالی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں: ”آں گاہ فرمودند کہ منتہائے مقام جمیع انبیاء و اولیاء در توحید مرتبہ توحید است (یعنی توحید حالی) و دریں مرتبہ رسوم بشریت بالکلیہ مرتفع و منقش نمی شوند ازاں است کہ بعض کبرائے صوفیہ فرمودہ کہ: ”التوحید غریب لا یقضى دینہ، التوحید غریب لا یؤدی حقہ“ یعنی توحید قرض خواہ است ادا کردہ نمی شود دین و دام او۔ توحید مسافر است ادا کردہ نمی گیرد حق او۔“ (جلد: ۳ مقابیس المجالس ص: ۱۲۹)

بھلا جس قوم کو اللہ، رحمن، رحیم عذاب میں مبتلا کرے، اس کی عقل کیسے ٹھکانے رہے؟ توحید وجودی یہ نہیں کہ بندہ کو خدا سمجھے یا خدا تعالیٰ کو بندہ دیکھے یا بندہ میں دیکھے، بلکہ وہ ایک غلبہ محال کا نام ہے، جب وارد ہوتا ہے تو وہی نظر و خیال میں جلوہ افروز ہوتا ہے:

چو سلطان عزت علم در کشد

جہاں سر بہ جیب عدم در کشد

ترجمہ: ”جب عزت کا مالک علم کھینچتا ہے، جہاں

عدم میں گریبان میں سر کھینچتا ہے۔“

اگر اس غلبہ محال میں کوئی چیز زبان سے نکلے تو وہ معذور ہے، اگر ہوش میں کہے تو مأخوذ و معتوب ہے، مگر آج کل آزادی کا زمانہ ہے، منہ میں لگام نہیں، جو آیا کیا، اور کہا، مسدس حالی میں خوب لکھا ہے:

تیری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
 میری نگاہ میں ثابت نہیں تیرا وجود
 کرے غیر گرت کی پوجا، تو کافر
 جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا، تو کافر
 جھکے آگ پر بہر سجدہ، تو کافر
 کواکب میں مانے کرشمے، تو کافر
 مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
 پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
 نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
 اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
 مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
 شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں
 نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے!
 نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے!

فصل نہم:

بزرگانِ اہلِ قبور سے استفادہ میں دھوکا:

یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور علماء کے ہاں انبیاء کو چھوڑ کر، عام موتی کے سماع کے

متعلق اُمت میں اہل سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں۔

جو سماعِ موتی کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب سماع نہیں، تو استفادہ اور افادہ مہمل بات ہے، اور جو کچھ کسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ بطور معجزہ کے تھا، اور معجزہ پیغمبروں کے ساتھ خاص ہے۔

اور دوسرا گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے جو سماعِ موتی کے قائل ہیں، مگر یہ لوگ بھی سماعِ عام و تمام کے قائل نہیں، ہر ایک میت، ہر وقت نہیں سن سکتی، معذب کیا سنے گا؟ اور جو قرض کے سبب علیحدہ مجبوس ہے، (کذافی المشکوٰۃ) وہ کیا سنے گا؟ علاوہ ازیں ہر مزار و روضہ والا مقبول نہیں، بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جس جگہ مزار ہے، وہاں وہ بزرگ نہیں، جیسے محققین کے نزدیک جہاں حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، وہاں آپ کی قبر نہیں، آپ کسی دوسری جگہ مدفون ہیں (کشمیر میں)، اور ایسے واقعات کثیر اور کئی جگہ کے ہیں، پھر جب اس قدر حالات ہیں تو کیسے اطمینان ہوگا کہ یہ بزرگ سن بھی رہے ہیں؟ اور سن کر سفارش بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی دُعا کو ردّ بھی نہیں کرے گا؟

علاوہ ازیں ان کے پاس قرآن و حدیث و اجماع سے کوئی نقل صحیح بھی نہیں ہے، اکثر اس قسم کی چیزیں ملفوظات و ضعیف کتب سے منقول ہیں، جس پر محقق اعتماد نہیں کر سکتا، عوام کا اعتبار نہیں، اور ظن و گمان، کشف و الہام اور کسی کا کام ہو جانے سے کوئی شرعی مسئلہ یا حکم ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ مسئلہ قانون یا مستنبط من القانون کا نام ہے، اور قانون ساز محض رَبُّ تعالیٰ ہے، اس لئے کہ: "إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ"، اور "وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا"، اور تیرے میرے خیال کا نام مسئلہ نہیں، پس اس زمانے میں جو بزرگوں کے مزاروں پر درخواستیں لڑا دیتے ہیں، یا نوراتیں یا چہل روز کا چلہ بیٹھتے ہیں، شفا امراض، حاجت روائی، مشکل کشائی اور بیٹا پیدا ہونے کے لئے جو کچھ

کرتے ہیں، ان میں سے اکثر چیزیں شرک اور گناہ ہیں، جبکہ بعض مباح بھی ہوتی ہیں، مگر افسوس کہ شیطانی دھوکے اور اغوا سے سب کچھ ہو رہا ہے، اِلَّا مَا شَاءَ اللہ! فائدہ: ... زیارتِ قبور مستحب ہے، ان کے لئے فاتحہ پڑھنا، یعنی ان کی رُوح کو بخشنا جائز ہے، جو چیز بھی بخشے دُرست ہے، اور اس طور وسیلہ پکڑنا بھی دُرست ہے کہ اے اللہ! میں تیرے رسولوں، کتابوں اور بزرگوں کا معتقد ہوں، اس وسیلے سے میری حاجت روائی کر دے، یا مشکل کشائی کر دے۔

فصلِ دہم:

”غفور رحیم“ کے لفظ سے شیطان کی فریب کاری:

اکثر لوگ بے تحاشا قانون شکنی کیا کرتے ہیں اور بے محابا فسق و فجور اور ظلم و عسیان وغیرہ کی داد دیتے ہیں، وصیت و نصیحت پر کہہ دیتے ہیں: ”اللہ غفور رحیم ہے!“ بھائی! بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، مگر کس نے فرمایا کہ گرفت نہ فرمائیں گے اور ضرور بخشیں گے؟ مغفرت کی اُمید رکھنا نعمت ہے، مگر مغفرت کی آڑ میں نافرمانی کرنا، قانون توڑنا، ناصح کے وعظ پر حیلہ مغفرت پیش کرنا، غلطی سے باز نہ آنا، بلکہ ضد پر اصرار کرنا اور نصیحت سے عار و بار کرنے کا نام مغفرت کی اُمید ہے؟ اللہ اکبر! تمنا اور اُمید یعنی رجا میں فرق یہ ہے کہ: بے فکر ہو، اغلاط در اغلاط کرتا جائے، اور پھر بھی معافی یا انعام کی اُمید یا آرزو رکھے، ”الْأَحْمَقُ مَنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ“ احمق و نادان وہ ہے جو اپنے خیالات (فاسدہ) کا تابع ہو اور اللہ پر اُمید رکھے۔ حالانکہ اُمید یعنی رجا یہ ہے کہ نیک کام کرے اور اُمید بھی رکھے کہ اس میں جو غلطی ہوگئی ہوگی، معاف فرمائیں گے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ

اللہ اُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ. (البقرہ: ۲۱۸)

ترجمہ: "... بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وطن

(یا گناہ) چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، وہی ہیں اللہ

تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار۔"

(اس آیت میں) رجاء کو نیک اعمال کے بعد ذکر فرمایا۔

فصل یازدہم:

صوفیائے کرام کے مجاہدات میں دھوکا دہی:

ہوش سے سنیں! وہ کام اللہ تعالیٰ کی دربار شاہی میں بار آور، مقبول، باعث قرب و رضا اور آخرت کی فلاح و سرفرازی کا موجب ہے جو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، قانون الہی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے ہو، یعنی اس میں اخلاص ہو، کسی دوسری چیز کی اس میں ملاوٹ نہ ہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ.“ (الزمر: ۳)

(یعنی) دین عبادت خالص (بے ملاوٹ) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہیں پائی گئی تو وہ اعتقاد، عقیدہ، قول، فعل، طور، طریقہ، رسم، رواج، اخلاق حتیٰ کہ توکل، قناعت، شکر، فنا، بقا، سکر اور صحو وغیرہ نامقبول اور بے قدر ہیں، گو دنیا میں ان کا اجر و صلہ مل جائے، مگر آخرت میں بے قدر اور ناقابل اعتبار ہیں، اگر کسی نے مجاہدات، مراقبات، ریاضات، چلے، خلوتیں، تہجد، اشراق، ذکر قلب اور پاسِ انفاس وغیرہ اس لئے کئے ہیں کہ کشفِ قبور، کشفِ قلوب، کشفِ کونی ہونے لگے، خلافت، سجادگی ملے، مریدوں کو تھامے، انوار نظر آئیں، استغراق ہو، وجد

ہو، بسکل (نیم کشتہ) کی طرح تڑپنے لگے، بے خودی ہو جائے، دُنیا کے کاروبار معطل ہو جائیں، خود بخود چھوٹ جائے، شہرت و ناموری ہو، دُنیا میں واہ واہ ہو، عزت ہو، وجاہت ہو، لوگوں کے دلوں پر ہیبت ہو، آمدنی اور مال کا اچھا ذریعہ ہو، کرامت چلے، مرنے کے بعد میری قبر زیارت گاہ ہو یا خوب حصول و وصول وغیرہ ہو، تو یہ سب نیتیں آخرت میں بے کار، لا حاصل اور لایعنی ہوں گی، اور یقیناً ہوں گی، گو کسی قدر دُنیا میں ان چیزوں میں سے کچھ حاصل ہو جائے، تب بھی قابل اعتبار و اعتقاد نہیں ہے، فافہم! پس اگر کسی نے وظیفہ یا مجاہدہ اس لئے کیا کہ مقدمہ میں فتح ہو، دشمن رد ہوں، مال و دولت بڑھے، لوگوں میں عظمت ہو، اللہ تعالیٰ نرینہ اولاد دے، وغیرہ وغیرہ، اور وہ مراد مل بھی گئی، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اور آخرت میں یہ مجاہدے اور وظیفے کارآمد نہیں ہوں گے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ،
وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ
مِنْ نَصِيبٍ.“ (الشوری: ۲۰)

ترجمہ:...”جو شخص آخرت کی کاشت کا ارادہ کرتا ہے،
اس کی کاشت ہم بڑھادیتے ہیں، اور جو شخص دُنیا کی کاشت کا
ارادہ کرتا ہے، کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں بے نصیب
ہوگا۔“

فائدہ:... میری یہ معروضات قبول فرمائیں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا، لہذا جو
چیز پڑھیں یا جو کام کریں سب میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد و ارادہ کریں، یا یہ
نیت کریں کہ آخرت میں کام آئے... یہ دونوں چیزیں و نیتیں آپس میں لازم و ملزوم
ہیں... قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا اِبْرٰهٖمَ وَاِسْحٰقَ وَاِیْحٰقَ وَاِیْحٰقَ وَاِیْحٰقَ
 الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ . اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِکْرٰی
 الدَّارِ .“ (ص: ۴۵، ۴۶)

ترجمہ:.... ”اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور
 یعقوبؑ ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو، ہم نے امتیاز دیا ان کو ایک
 چنی ہوئی بات کا وہ یاد اس گھر کی۔“

پس جو متصوف کہتے ہیں کہ آخرت و بہشت کی نیت غلط ہے، اور کہتے ہیں
 کہ طالب دنیا منٹ، و طالب عقبی مؤنث و طالب المولیٰ مذکر، اس آیت کی رو سے ان
 کا نظریہ غلط ہوا، اگر نیت درست کر لی جائے تو جس مطلب کے لئے وظیفہ پوچھایا گیا
 جاتا ہے وہ بھی حاصل ہو جائے گا اور آخرت کی بہتری بھی ملے گی، اس لئے کہ آخرت
 کے لئے تو پڑھا تھا، جب درخت تنا سمیت مل گیا، تو شاخیں اور پھل پھول وغیرہ بھی
 سب آگیا، جب اللہ تعالیٰ کی رضا آئے گی تو دنیا بھی آئے گی اور دین بھی آئے گا،
 سبحان اللہ! دنیا و آخرت بھی سدھری، اللہ کی رضا بھی آئی (مؤمن کو تو یہی چاہئے)۔
 فائدہ:.... اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ذکر، فکر، مجاہدہ کیا اور کشف قبور، کشف
 قلوب اور انوار وغیرہ چیزیں وارد ہو جائیں تو وہ رحمت ہیں، نعمت ہیں، فضل ہے،
 احسان ہے، لیکن مقصد اصلی رضا۔ الہی ہو اور بہتری آخرت ہو، پھر ان کا مرتب ہونا
 اللہ کریم کا احسان ہے، لیکن اگر ان چیزوں کے حصول کے لئے مجاہدہ کیا، تب اگر یہ
 چیزیں آ بھی گئیں تو بھی رضا، قرب اور بہتری آخرت کا موجب نہیں، فافہم وتدبر! الا
 یہ کہ اس نیت کے بعد نالص رضائے الہی، اصلاح اور آخرت کی نیت کر لی جائے تو
 دوسری بات ہے۔

فصلِ دوازدهم:

سماعِ سرود میں شیطانِ لعین کی دھوکا دہی:

عام مشہور ہے کہ مزامیر، سرود اور گانا بجانا سننے والے اکثر متصوفین کا خیال ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھتی ہے، اسی لئے ہم مزامیر سنتے ہیں۔

سلسلہ چشت اہل بہشت کے محققین تو خلافِ سنت سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہیں، جبکہ اکثر اہل چشت وغیرہ کا اُسے جائز سمجھنا بھی شرائط سے مشروط ہے، مثلاً:

۱: ...گانے والا بے ریش اور عورت نہ ہو۔

۲: ...مزامیر، جلاجل وغیرہ نہ ہوں۔

۳: ...سننے والے اہل ذوق اور سنانے والے بھی ایسے ہی صاحبِ ذوق و

صاحبِ حال ہوں۔

۴: ...خلوت میں ہو، جلوت میں نہ ہو۔

۵: ...خاص لوگوں کی مجلس ہو، عام لوگ اس میں شریک نہ ہوں۔

۶: ...کلام موزوں ہو، خط و خال معشوقین کا اس میں بیان نہ ہو، یعنی اشعار

بھی، مجلس بھی اور سننے سنانے والے بھی سب کے سب مخالفِ شریعت نہ ہوں، تب جائز ہے، وہ بھی ہر کسی کے لئے نہیں بلکہ خواص کے لئے ہے۔

محدثینِ کرام، علمائے عظام اور اربابِ سلاسلِ نقشبندیہ و قادریہ وغیرہ تو خلافِ سنت سمجھ کر اس کی اجازت نہیں دیتے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ کرام رحمہم اللہ اور اسلافِ متقدمین نے اس کا چرچا نہیں کیا، اس کو ربِّ تعالیٰ تک پہنچنے کا طریق نہیں بتایا، اس کی تبلیغ نہیں کی، ترغیب نہیں

دی، وظیفے کی طرح روزانہ یا یکے بعد دیگرے مقرر نہیں کیا، مریدین، معتقدین میں یہ سنت نہیں رکھی، شوق نہیں دلایا، ہاں! گا ہے گا ہے کوئی اشعار کفر، کفار اور بدعت کی مذمت، اللہ تعالیٰ کی محبت، توحید و رسالت اور قرآن مجید کی ترغیب کے سن لئے تو بُرا نہیں مانا، مگر آج کل تو کجخیوں، خوب صورت بے ریشوں، ہزار راگ کے فن اور فلم سینما سے مجلس میں سنے جاتے ہیں اور اُسے ثواب، قرب اور مقبولیت کے اسباب جانتے ہیں، سبحان اللہ! پھر اس پر وجد کرتے ہیں، لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں، اپنی مقبولیت دکھاتے ہیں اور مقبول بناتے ہیں، اللہ اکبر!

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

”میں یوں نہیں کہتا کہ سرود راگ سے محبت نہیں بڑھتی، محبت مقبول سنت پر عمل کرنے سے ہوتی ہے، بس، طرفہ یہ کہ گانے بجانے والوں کے لئے پیسے، کپڑے، زیور وغیرہ عوام سے دلاتے ہیں کہ یہ دینا نبی کریم کی ویل ہے، یعنی موجب ثواب و قرب خداوندی ہے، و نثار و تصدق علی النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُصِفُونَ! یہ کیا مغالطہ شیطانی ہے کہ غلطی کو، گناہ کو قرب الہی کا معیار بناوے؟“

فصل سیزدہم:

تعلیم متعلم میں شیطانِ رجیم کی دھوکا دہی:

”علم صاحب مدظلہ محض قرآن مجید کی تعلیم کو مدارِ نجات سمجھے ہوئے ہیں، خواہ خود معلم صاحب کو قرآن مجید کی صحت ہو یا نہ ہو، اور طلباء کو ”ذ، ز، ض، ث، س، ص، ح، ع، ء“ میں فرق اور مد و شد میں صحت ہو یا نہ ہو، قرآن مجید کے ختم ہونے پر

بھی صحت نماز ہے یا نہیں؟ جیسی کیسی نماز ہو، قرآن مجید کا پڑھنا بھی، جس طور ہو درست ہے، موجبِ فلاح ہے، عذابِ قبر اور دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے، ایسا ہرگز نہیں! یہ شیطانی دھوکا ہے۔ کتبِ فقہ میں زلۃ القاری (قاری کی اغلاط) کا مطالعہ کریں، اس پر عمل کریں، امام صاحب پر واجب ہے کہ لوگوں کی نماز فاسد اور باطل نہ کریں، حدیث: ”الْإِمَامُ ضَامِنٌ“ کا خیال کریں، لوگوں پر واجب ہے کہ ایسے کو امام و معلم وغیرہ نہ بنائیں، اگر ایسے معلم غلط خواں کو صحیح سمجھیں گے، تو شیطانی دھوکا ہے۔

فصل چہارم: ہم:

قرآن مجید اور حدیث کے سوا دوسرے علم کو ذریعہ نجات سمجھنا: ہم جیسے مسٹیٰ بالعالم کا کیا پوچھنا؟ صرف، نحو، اصول، منطق، معقول اور مناظرہ وغیرہ میں اپنے آپ کو فائق جاننا، اس پر غرہ ہونا، پھر اس کو موجبِ نجات جاننا، یہ بھی وسوسہ نفسانی ہے، ان چیزوں میں ماہر ہونا برا نہیں، اس پر اترانا اور اس کو موجبِ قرب و نجات سمجھنا غلط ہے۔

اسی طور قرآن مجید و حدیث شریف میں ماہر و فائق ہونے پر اکڑنا برا ہے، قرآن مجید و حدیث شریف میں مہارتِ اعلیٰ کمال ہے، مگر مقصدِ عمل ہے، اور عمل میں بھی اخلاص کا نصیب ہونا اصل ہے، اور ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“ کا مصداق ہے۔

طلبائے کرام کا دوسرے علوم میں مہارت حاصل کرنا اور تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول سے بے اعتنائی برتنا شیطانی دھوکا ہے، تعلیم کا مقصدِ اعلیٰ و اسنی ان نعمتوں میں فائق بننا، اس پر عمل کرنا، تبلیغ کرنا اور اخلاص حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح حفاظ کا یہ مقصد کہ قرآن یاد کرنا، مصلیٰ سنانا، شبینہ میں جیت لینا اور

پیسے وصول کرنا، یہ بھی فریبِ شیطانی ہے، اصل مقصد قرآنِ کریم کا معنی جاننا، عمل کرنا اور اخلاص حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کو تعویذوں میں اس طور لانا کہ حسابِ ابجد سے سورتوں کے اعداد نکال کر مخمس، مسدس، مثلث وغیرہ لکھنا، دینا، اس کی کوئی نقل خیر القرون و ائمہ کرام سے مروی نہیں ہے۔ ہاں! بعض نے مباح کہا ہے، مگر اس مباح کو اس طور عام تام کرنا کہ اس کو سنت سمجھنے لگیں اور قرآن پڑھنے سے زیادہ اسی پر اعتبار و اعتقاد کریں، بُری بات ہے۔ ہاں! آیت یا حدیث کو شفا وغیرہ کے لئے لکھ کر دینا درست ہے۔

اسی طرح اس کو کمال سمجھنا یا اس سے لوگوں کو اپنا کمال دکھانا بُری بات ہے، اور اسی کی ایک شاخِ سحر و جادو بھی ہے اور اس کا اکثر کفر ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیات یا کلمات میں مؤکلات کو ملا کر پڑھنا: "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ يَا جَبْرِيلَ اللَّهُ الصَّمَدُ يَا مِيكَائِيلَ لَمْ يَلِدْ يَا اسْرَافِيلَ... الخ" یا قرآنِ کریم کی کسی سورۃ کے اوّل و آخر کچھ اسمائے غیر اللہ کا ملانا یا سورۃ یسین کو مبین مبین تک پہنچ کر پھر اوّل سے اعادہ کرنا اور اس کو ثواب سمجھنا غلط بات ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، ہاں بطور تجربہ کسی بزرگ سے کسی خاص عمل کے لئے اس طرح ثابت ہو اور سنت سمجھ کر نہ کیا جائے تو جائز ہے، ویسے یاد کرنے کے لئے جس آیت کو یا سورۃ کو ابتدا یا انتہا سے جس قدر اعادہ کرے کوئی منع نہیں، قرآن قانون اور آسمان و زمین کے مالک کا حکم ہے، اس کو جس قدر پڑھے، معنی سمجھے، عمل کرے، رحمت در رحمت ہے، مگر دوسرے قصد و ارادہ اور نیت سے پڑھنا اور اس کو توشہ آخرت سمجھنا، من مانی بات ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کو ثواب کے لئے پڑھنا، پھر اس پڑھنے پر پیسے لینا ناجائز ہے، لینے دینے والے دونوں گنہگار ہیں، ہاں! شفا کے لئے پڑھے اور اس پر

کچھ پیسے وغیرہ لے لے تو درست ہے، جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بچھو کے کاٹے پر سورہ فاتحہ پڑھی، شفا ہوئی، کچھ مال لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا۔ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷)

اسی طرح دُرود شریف، آیت کریمہ: "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ" (الانبیاء: ۸۷) وغیرہ کو ثواب کے لئے پڑھ کر اس پر کچھ لینا دینا درست نہیں، ہاں! شفا کے لئے پڑھو، پڑھاؤ، کچھ لو اور دو، تو یہ درست ہے۔

فصل پانزدہم:

چندہ وصول کرنے میں اور زکوٰۃ کے مال میں مغالطہ:

بے شک آج کل اکثر دولت مندوں کے خیالات دوسری طرف مائل ہو چکے ہیں، زکوٰۃ بھی مجبور ہو کر ملامت کے ڈر سے کچھ نکالتے ہیں، اور وہ بھی کسی تعریف یا شائستگی پر کسی کو دیتے ہیں۔ بجز زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی وغیرہ کے کوئی چیز مدارس عربیہ میں نہیں دیتے اور یہ چیزیں دے کر مصرف پر خرچ کرنا رکن و مہتمم مدرسہ کے ذمہ لگا دیتے ہیں، لہذا ارکان مدرسہ و مہتمم پر واجب ہے کہ اس کی احتیاط کریں اور مصرف پر خرچ کریں، زکوٰۃ کا جو حیلہ کریں صحیح ہو، تاکہ مدرسین کی تنخواہ میں دے سکیں، وگرنہ قیامت میں حساب میں آئیں گے، بے احتیاطی کرنے والے غرور شیطانی میں ہیں۔

جب چندہ اکٹھا کریں، تو اس کا خیال رکھیں کہ اگر دینے والا شرمساری یا مجبوری سے دے تو اس کا مال لینا ناجائز ہے، معیار شریعت پر رہنا چاہئے، وگرنہ حساب سخت ہے۔

اسی طرح اپنے مال کو برس گزرنے سے پہلے بیوی کی ملک کرنا، بیوی کا سال گزرنے سے پہلے میاں کی ملک کرنا کہ نہ سال بھر مال کسی کی ملک میں رہے گا

اور نہ زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کے اسقاط کے لئے ایسا حیلہ کرنا بُری بات ہے، شیطانی دھوکا ہے۔ اسی طرح جنازہ کے بعد گناہِ میت کے لئے مروجہ حیلہ اسقاط کرنا اور کرانا شیطانی دھوکا ہے، ہزاروں کا مال گھر میں موجود ہے، مگر پھر بھی حیلہ سے کام چلاتے ہیں، اگر سچ مچ میت پر وارثوں کو رحم آتا ہے تو ورثہ تقسیم کر کے جس کا ارادہ ہو، وہ اپنے مال سے میت کی ہر نماز کے بدلے دو سیر گندم کسی فقیر غریب کو دیتا جائے، جتنے برسوں کی دینی ہو، دے دے، حساب لگالیں، ہر روزہ کا فدیہ دینے کا بھی یہی حساب ہے۔

اگر میت نے زکوٰۃ نہیں دی تھی تو وہ بھی دو، اگر میت پر حج واجب تھا اور نہیں کیا تھا، میت کی وصیت پر وارث کے پاس اگر اتنا مال ہو کہ تہائی مال سے میت کا حج ہو سکتا ہے تو حج ضرور کریں، اگر حج کی وصیت نہیں کی تھی اور وارث اس کی طرف سے کر لے تو بھی دُرست ہے، اگر مرحوم نے ذرہ بھر یا ایک پیسہ بھی مال نہیں چھوڑا، اور وارث کو اس پر رحم آیا ہے تو اس طرح حیلہ کرے جس طرح شامی وغیرہ میں لکھا ہے، تو دُرست ہے۔

آج کل مال تو ہوتا ہے مگر مال دینا گوارا نہیں کرتے، تو قرآن مجید کو لا کر ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہیں، رواج کو قوت دیتے ہیں، جس سے قرآن مجید کی بے ادبی ہوتی ہے، خداوندِ علیم و قدیر کو دھوکا دیتے ہیں، معاذ اللہ! اس حیلہ سے میت کا گناہ معاف ہونا بھی مشکل ہے، اوپر سے شرع کے خلاف بھی ہو گیا، ہاں! رسم پوری ہو گئی۔

اسی طرح تقسیم میراث سے پہلے یا بعد جمعراتیں، قل خوانی وغیرہ کرنا، اسی طرح نابالغ وارثوں یا اسی نابالغ وارثوں کی اجازت سے مشترکہ وراثت کے مال سے خرچ کرنا کہ وہ اتنا خرچ کرنے پر ناخوش ہوں، مگر زبان سے کہہ نہیں سکتے یا شہرت کے لئے کیا، یا اس لئے کیا کہ ناک نہ کٹ جائے، یا رسم و رواج کے باعث کیا، ان سب اغلاط کے ہوتے ہوئے خیرات کرنے کو ثواب سمجھا تو یہ بھی فریبِ شیطانی ہے۔

فصل شانزدهم:

اموال یتامیٰ میں شیطانی دھوکا:

مال یتامیٰ کا کسی حیلہ سے کھانا اور روڈی چیز کو اس کی اچھی چیز کی جگہ رکھ کر اپنے آپ کو بے باق (بری الذمہ) سمجھنا، یتیم کی اتنا جائیداد تھی کہ اگر سلیقے سے رکھی جاتی اور یتیم کو خوراک وغیرہ ضرورت کی مقدار اور حسبِ حیثیت دیا جاتا، تو یتیم کی جائیداد میں سے ہزاروں بچے رہتے، مگر اس کا مال بھی اپنے مال میں ملا کر ہضم کر لینا اور خدمت کے معاوضے میں اس کو وضع کرنا، یہ بھی شیطانی دھوکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمہیں ہر غلطی سے بچائے، ہزاروں میں سے کوئی ایک ہوگا جو اغوائے شیطانی سے بچ جائے، ورنہ ہر چیز میں، ہر کسب میں، ہر ملازمت میں اور ہر معاملہ میں اغوائے شیطانی ہے، عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے۔

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین وسلم نملبما

”دعا قبول ہو جانے سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا
بھی شیطانی و نفسانی دھوکا ہے..... ہاں اگر سنت پر
عامل ہو، شرک و بدعت سے بچتا ہو، اس کی دعا کا قبول
ہونا اچھی علامت ہے، مگر ولایت کا معیار نہیں۔“

مکائدِ شیطان

یعنی

شیطان کی گریب

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا اُمَّةً وَّسَطًا خَیْرُ اُمَّمٍ
 وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ مَنْ اُوْتِیَ النُّبُوَّةَ وَالْحِکْمَ
 وَعَلٰی اِلٰهِ وَاَصْحَابِهِ وَاَتْبَاعِهِ الْمُقْتَدِیْنَ بِهٖ فِی الْقَصْدِ
 وَالشِّیْمِ مَا دَامَتِ الْاَضْوَاءُ وَالظُّلْمُ، اَمَّا بَعْدُ!

نیاز مندانہ عرض پیش خدمت ہے کہ خدا ترس انسانوں پر پوشیدہ نہیں کہ توفیق الہی ہمیشہ ہدایت صحیحہ کے متلاشیوں کی دستگیری کرتی رہتی ہے، اور ان کی ہدایت کے لئے ایک نہ ایک ایسا سبب مہیا کرتی رہتی ہے، جو ان کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے، اور ورطاتِ ضلالت یعنی گمراہی کے گڑھوں، سے انہیں بچائے، اور ان پر ناقدانہ نظر ڈال کر کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھائے، اور کمزوری و بے اعتدالی اور غلط فہمی کی نشاندہی کرے، اور دکھلائے کہ شیطان نے کس کس طرح ان کے عقائد، اعمال اور اخلاق میں رخنہ اندازی کی ہے، اور ہر گروہ خواہ عباد ہوں یا زہاد، محدثین ہوں یا فقہاء، علماء ہوں یا ادباء، شعراء ہوں یا سلاطین و حکام، غرباء ہوں یا امراء، عوام ہوں یا خواص، ہر ایک میں ان کے حال کے مطابق غلط رسوم و عادات کے ایسے مغالطے اور ایسی بے اعتدالیاں ڈال دی ہیں کہ پتا بھی نہیں چلتا کہ یہ گمراہی و ضلالت ہے: ”يَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ“ - لہذا اس رسالے میں مختصر اور بطور نمونہ موجود اکثر فرقوں

کی اغلاط، توہمات اور بدعات کو کتبِ اسلافِ کرام، مثلاً: ”تلبیسِ ابلیس“ حضرت حافظہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اور ”طریقہ محمدیہ“ وغیرہ سے نقل کر کے پیشِ خدمت کیا جاتا ہے، شاید کوئی مقبول بارگاہِ الہی اس کو دیکھ کر میرے حسنِ خاتمہ کے لئے دُعا کر دے۔

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ!

اس رسالے میں ایک تمہید اور چند ابواب ہیں، سب سے پہلے تمہید ملاحظہ ہو:

تمہید:

واضح ہو کہ انسان کے پاس تمام نعمتوں سے بڑھ کر بڑی نعمت یا یوں کہو کہ انسان پر اللہ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام عقلِ سلیم کا ملنا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رسولوں کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن جب عبد و معبود کے مابین یعنی آپس کے تعلق کے معاملات کو عقل پورا نہ کر سکی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے گئے اور کتابیں اتاری گئیں، چونکہ عقل کی مثال آنکھ کی سی ہے، اور شرع کی مثال آفتاب و روشنی کی سی، لہذا آنکھ جب ہی آفتاب اور اس کی روشنی کو دیکھ سکے گی، جب وہ خود دُرسٹ ہو، ورنہ نہیں۔

جاننا چاہئے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں:

۱.... ایک عقلِ جسمانی: جو حواسِ ظاہری و باطنی کے مجموعہ کا نام ہے، اور اسی

عقل سے ہر انسان دُنیا کی زندگی کا سامان بناتا ہے، اور جس قدر بدن قوی ہوتا

جائے، یہ عقل بھی تیز ہوتی جاتی ہے، اور بدن کی موت کے ساتھ یہ بھی مرجاتی ہے،

یہ عقل ہر مسلم و کافر انسان کو دی جاتی ہے، اور حیوانات میں چونکہ یہ سب حواسِ کامل

نہیں ہوتے، اس لئے ان کی عقل بھی انسان کی عقل کے برابر نہیں ہوتی۔

۲: ...دوم عقلِ روحانی: جب انسان اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس پر اعتماد کرتا ہے اور پھر ہر حکمِ الہی کی سنت کے مطابق تعمیل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کو بڑھاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

”وَالَّذِينَ اهْتَدُوا زَادَهُمْ هُدًى.“ (محمد: ۱۷)

ترجمہ: ... ”جو لوگ ہدایت یعنی سیدھی راہ پر آتے ہیں،

اُن کی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے۔“

یہاں تک کہ حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھتا اور سمجھتا ہے، تا آنکہ حق سے ہٹ نہیں سکتا اور باطل پر آ نہیں سکتا، اسی کو محققین فنا فی اللہ کہتے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں اس کا نام ربط القلوب ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

”إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى. وَرَبَطْنَا

عَلَى قُلُوبِهِمْ.“ (الکہف: ۱۳)

ترجمہ: ... ”بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب

پر ایمان لائے اور ہم نے اضافہ کر دیا ان کی ہدایت میں، اور

مضبوط کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو۔“

پس وہ جس قدر مرضیاتِ الہی میں بڑھتا جاتا ہے اس کی عقلِ روحانی بھی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس کی ہر لغزش پر دستگیری فرماتے ہیں اور اُسے بچا لیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

”كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ“

(یوسف: ۲۳)

ترجمہ: ... ”اسی طور ہم پھیرتے رہے اس سے بُرائی

اور بے حیائی کو۔“

اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی سے بھاگتا اور کنارہ کشی کرتا ہے، اس کی پلیدی بڑھتی جاتی ہے، اور اس کی عقل رُوحانی مسلوب ہوتی جاتی ہے، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

”كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرَّجْسَ عَلٰى الَّذِيْنَ لَا

(الانعام: ۱۲۵)

يُؤْمِنُوْنَ“

ترجمہ:...”اسی طور سے کرتا ہے اللہ پلیدی کو بے

ایمانوں پر۔“

پس عقل رُوحانی کی تابانی و تکمیل اتباع رسالت میں ہوا کرتی ہے۔ اس عقل کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کی تربیت، پیغمبری اور وحی الہی سے ہوئی، چنانچہ شروع میں سب انسان ٹھیک راہ پر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: ”كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً“ (البقرہ: ۲۱۳) یہاں تک کہ قابیل نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا، اس وقت سے اختلاف شروع ہوا، پھر نو لوگ مختلف خواہشات کی تابعداری میں جدا جدا خول میں بٹ کر مختلف گمراہیوں کے بیابان میں بھٹکنے لگے، یہاں تک کہ بت پوجنے کی نوبت آئی اور طرح طرح کے ایسے عقیدے اور افعال نکالتے رہے، جو کہ رسول کے ارشاد اور عقل کی ہدایت کے مخالف تھے، اپنے جی کا کہا مانا، اپنی رُسوم و عادات کے پابند ہوئے، اپنے باپ دادوں کی تقلید کی، ان کی اصلاح کے لئے ہر پیغمبر کتابیں و ہدایات لاتے رہے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا دین اور روشن کتاب نازل ہوئی، پس جو شخص اتباع سنت اور روشن کتاب کو اپنا نظام حیات بنائے گا، وہی سیدھی راہ پر ہوگا، اور جو اس علم کی روشنی سے دُور ہوگا، وہی ضلالت پر ہوگا، لہذا مناسب معلوم ہوا کہ جس قدر میرے قلیل علم میں ہے، میں ابلیس علیہ اللعنة کی مکاریوں سے ڈراؤں اور اس شکاری کے جال اور پھنسانے کے مواقع

بتلاؤں، کیونکہ بدی، جو کتاب و سنت کے خلاف ہے کی شناخت بتلانا گویا اس میں بتلا ہونے سے بچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں راہ ہدایت عطا فرمائے، ہدایت پر چلنے کی توفیق بخشے اور ہر شیطانی مکر و ضلالت اور خلاف سنت رسوم و عادات سے بچائے، آمین! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

بابِ اوّل

سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید:

طبرانی نے معجم صغیر میں اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیا، چنانچہ اس طویل حدیث کے اخیر میں ہے، کہ:

”جس کو یہ پسند ہو کہ وسطِ جنت میں گھر پائے، تو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے، اور خبردار رہو! کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، کیونکہ ان دونوں کا تیسرا شیطان ہوگا، اور خبردار رہو! کہ جس شخص کو اس کی بُرائی ناگوار گزرے اور اس کی نیکی اس کو خوش کرے، وہ مؤمن ہے۔“ انتہی ملخصاً۔ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳۹)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کے پورے خطبہ جابیہ کو روایت کیا، اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

”لوگو! تم پر فرض ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو، اور خبردار! پھوٹ سے بہت بچو!“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳۹)

اور ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔
 عرفجہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،
 آپ فرماتے تھے کہ:

”جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، اور جو کوئی جماعت

سے الگ ہو، شیطان اسی کے ساتھ ہے۔“

”جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔“ کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
 حفاظت و رحمت میں ہے، جیسے بندوں میں یہ محاورہ ہے کہ: ”فلاں مفلس کے سر پر
 ہاتھ رکھو کہ اس کا بیڑا پار ہو جائے۔“

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

”بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، اور

میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، یہ سب آگ میں ہوں

گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: یا

رسول اللہ! یہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: جس صفت پر میں اور

میرے اصحاب ہیں۔“ (مشکوٰۃ ص: ۳۰ بحوالہ ترمذی)

فائدہ: ... آگ میں ہونا دو صورتوں پر مشتمل ہے:

۱: ... ایک یہ کہ آدمی ایمان کے لگاؤ سے بالکل خارج نہ ہو، جیسے معتزلہ

وغیرہ، کہ یہ لوگ اول فی النار ہوں گے، پھر امید ہے کہ نکالے جائیں۔

۲: ... دوم یہ کہ دین توحید سے ہی خارج ہو گیا، جیسے بعض روافض جو حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت کے قائل ہیں، اور سمرجیہ وغیرہ، تو یہ کفار ہیں، جو ہمیشہ

ہمیشہ نار میں ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ:

”سنت کے مطابق درمیانی چال سے عبادت کرنا

بدعت کے طریقے پر بہت کوشش کی عبادت سے بہتر ہے۔“

امام سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ:

”اہل سنت کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت قبول

کرو، کہ یہ بے چارے پر دیسی بہت کم ہیں۔“

امام ابو بکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

”جس طرح کفر و شرک اور باطل ادیان کی بہ نسبت

اسلام نادر و عزیز ہے، اسی طرح اسلام میں بدعتی فرقوں کی بہ نسبت

سنت پر عمل پیرا فریق بھی نادر و عزیز، بلکہ بہت نادر و عزیز ہے۔“

باب دوم

بدعتیوں کی مذمت میں:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ:

”جس کسی نے ہمارے امر (دین) میں ایسی چیز ایجاد

کی جو اس (دین) میں نہیں ہے، تو وہ ردّ ہے۔“

(مشکوٰۃ ص: ۲۷ بحوالہ بخاری و مسلم)

یعنی اس ایجاد کرنے والے بدعتی پر اُلٹی پھینک ماری گئی، چونکہ اللہ تعالیٰ

ایسی بدعت سے بغض رکھتا ہے، اس لئے بجائے رضائے الہی کے وہ مردود کیا گیا۔

نیز اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”جس کسی نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ

مردود ہے۔“ (صحیحین)

سوال: ... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے: ”كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ حالانکہ فقہاء کے نزدیک بعض بدعات مباح ہیں، جیسے: آٹے کے لئے چھلنی کا استعمال کرنا، اور بعض بدعات مستحب ہیں، جیسے: مدارس کی تعمیر، کتابوں کی تصنیف اور تراویح کا تمام رمضان میں جماعت سے پڑھنا وغیرہ، اور بعض بدعات واجب ہیں، جیسے: بے دینوں کے رد میں دلائل کا جمع کرنا وغیرہ، تو حدیث نبوی اور فقہاء کرام کے اقوال کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: ... بدعت کے دو معنی ہیں، ۱: لغوی ۲: شرعی۔

بدعت لغوی: یہ ہے کہ جو بعد میں پیدا کی گئی اور نکالی گئی ہو، خواہ عادت کے قبیل سے ہو یا عبادت سے۔

بدعت شرعی: یہ ہے کہ جو چیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے بعد دین میں نکالی گئی ہو، جبکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی نہ تو صریحاً اجازت ہو، نہ اشارت، نہ قولاً، نہ فعلاً، اور نہ وہ چیز ایسی ہو کہ اس پر دین کا سیکھنا موقوف ہو، پس تمام عادات جیسے ہر زمانے کے نئے ملبوسات و مساکن اور نئے کھانے پکانے وغیرہ بدعت سے خارج ہوئے، اس لئے کہ یہ دین نہیں ہیں اور ان کو کرنے والا ان کو طاعت نہیں سمجھتا۔

اسی طرح نحو، منطق، تعمیر مدارس اور تصنیفات کتب دین وغیرہ، یہ چیزیں بھی احداث فی الدین نہیں ہیں، بلکہ احداث للدین ہیں، لہذا بدعت نہیں۔

پھر یہ بدعت اعتقاد میں ہوگی یا عبادات و عادات میں، پھر جو بدعت اعتقاد میں ہو، ان میں سے بعض کفر ہیں، جیسے: انکار قیامت، نفی صفات الوہیت، جہان کے

قدیم ہونے، بزرگوں میں صفاتِ خداوندی کا اعتقاد اور ”ہر چیز میں خدا ہے“ کا عقیدہ، وغیر ذالک۔

اور ان میں سے بعض کبیرہ گناہوں جیسے: قتل، زنا وغیرہ سے بھی بڑھ کر ہیں، جیسے: انکارِ خلافتِ شیخینؓ، اور اعتقادِ خوارج وغیرہ، اس کے مقابل اہل السنۃ والجماعت کا اعتقاد ہے۔

اور جو بدعات عبادات میں ہیں، وہ بھی ضلالت ہیں، مگر ان کا درجہ بدعتِ اعتقاد یہ سے کم ہے، جیسے: رواجی جمعراتیں، قل خوانی اور دُعا بعد جنازہ کو لازم سمجھنا، اس کے مقابل سنن الہدیٰ ہیں، جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ کیا ہو، اور کبھی ترک بھی کیا ہو، اور تارک پر انکار بھی نہ کیا ہو۔

اور بدعت فی العادات جیسے: آٹے کے لئے چھلنی کا استعمال کرنا، پس ایسے کام ضلالت نہیں، اس لئے کہ ایسے کام کرنے والے کی نیت عبادت و طاعت کی نہیں ہوتی، اس کا مقابل سنت فی العادت ہے۔

اور سنت فی العادت یہ ہے کہ جس کام پر حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور عادت ہمیشگی کی ہو، جیسے: اچھے کام کو داہنے ہاتھ سے کرنا، مثلاً: کھانا وغیرہ، اور خسیس کام کو بائیں ہاتھ سے کرنا، جیسے: استنجا وغیرہ، پس معلوم ہوا کہ بدعت کی تین قسمیں ہیں، اور ہر ایک کی قباحت اپنے اپنے مرتبے میں ہے، جو اب کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ”کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ فرمایا ہے، اس سے مراد بدعتِ شرعی ہے، اور فقہائے کرام نے بدعت کی اقسام جو فرمائی ہیں، تو وہ بدعت کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہیں، لہذا اس میں منافات نہیں ہے۔

(کذا فی الطریقة المحمدیہ ص: ۳۲، ۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”میں حوضِ کوثر پر تمہارا میر منزل و منتظر ہوں گا، اور ضرور کچھ تو میں آئیں گی، جو مجھ تک پہنچنے سے پہلے روک لی جائیں گی، تو میں کہوں گا کہ: اے رب! میرے اصحاب ہیں، تو مجھ سے کہا جائے گا کہ: تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا طریقہ نکالا تھا۔“ (صحیح مسلم ج: ۲، ص: ۲۴۹)

علمائے امت کا اتفاق ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئیں۔ (کذافی تلمیسی ابلیس للامام الجوزی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر کوئی سوال کرے کہ سابقہ دلائل سے معلوم ہوا کہ دین کے معاملے میں کتاب اللہ اور سنت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں، اور جو چیزیں ان سے ثابت نہیں، اور نہ وہ فہم دین کی موقوف علیہ ہیں، وہ بدعت و ضلالت ہیں، حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

جواب: ... اجماع کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مرجع قرآن یا حدیث ہو، اور محال ہے کہ خیر القرون ضلالت پر مجتمع ہو جائیں، اور قیاس کے لئے بھی قرآن و حدیث سے مرجع استنباط ہوگا، اس لئے قیاس حکم شرعی کا مثبت نہیں ہوتا، بلکہ حکم شرعی کا مظہر ہوتا ہے، پس ہر چار ادلہ کی اصل کتاب و سنت ہے، اور بس۔

متصوفین کی غلطی:

بعض متصوف (نام نہاد صوفی) کہتے ہیں کہ: ہمیں ظاہری شرع کی ضرورت نہیں، ہمیں جو مشکل پیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام علماء و صلحاء کا اتفاق ہے کہ کشف، الہام اور رؤیا

سے قوانین حیات اور قربِ خداوندی جل شانہ کے معاملات قطعی طور پر حاصل نہیں ہو سکتے، یہ ظنی چیزیں ہیں، یقینی چیزیں نہیں ہیں، دیکھنے والے کو بھی اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، مثلاً: خواب یا الہام میں پتا چلا کہ آج رمضان کا چاند ہے، مگر گرد و غبار کے نہ ہوتے ہوئے کسی نے چاند نہیں دیکھا، تو اب نہ خواب دیکھنے والے پر واجب ہے کہ کل کو روزہ رکھے اور نہ ہی کسی دوسرے پر اس کے الہام، خواب یا کشف سے واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کی تمام راہیں بند ہیں، سوائے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے، کہ یہی طریقہ کشادہ ہے۔“

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

”اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے فرمایا کہ: چلو! اس شخص کی زیارت کریں جس کی ولایت کی شہرت ہے۔ وہ ساتھی کہتا ہے کہ: ہم گئے، تو وہ شخص مسجد کی طرف آ رہا تھا، اس نے راستے میں قبلہ کی طرف تھوک دیا، اور مسجد میں چلا گیا، ابو یزید صاحب وہاں سے اس طرح واپس لوٹے کہ اس کو سلام بھی نہ کیا، اور فرمایا: جس کو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب میں سے قبلہ کا ادب نہیں ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا کیا ادب ہوگا؟ اور فرمایا کہ: اگر کسی کی اتنی کرامات ہیں کہ وہ ہوا پر چل رہا ہو، تو بھی اس پر دھوکا نہ کھانا، جب تک کہ اس کو امر، نہی اور حفظِ حدودِ شریعت میں نہ دیکھ لو۔“

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
 ”اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامات میں سے یہ ہے کہ حضور
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں بھی آپ کا اتباع کرے۔“
 حضرت ابوسعید خزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:
 ”وہ احوالِ باطن، جن کی ظاہر شریعت مخالف ہے، وہ
 باطل ہیں۔“

(کذا فی الطریقة المحمدیة)

باب سوم

ابلیس کے مکر و فریب سے ڈرانا:

جاننا چاہئے کہ ابلیس کا کام یہ ہے کہ اپنی ہم جنس مخلوق کو تلبیس و شبہ میں
 ڈالے، سب سے پہلے وہ خود شبہ میں پڑا کہ خداوند کریم جل شانہ کے حضرت آدم علیہ
 السلام کو سجدہ کرنے کے صریح حکم سے منہ موڑ کر قیاس دوڑانے لگا کہ:

”خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ“ (الاعراف: ۱۴)

ترجمہ:.... ”تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اس کو

گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔“

پھر نافرمانی کے بعد اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگا:

”أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلَيَّ“

(بنی اسرائیل: ۶۴)

یعنی مجھے آگاہ کر دے کہ تو نے اس کو مجھ پر کیوں فضیلت دی ہے؟ یعنی یہ
 فضیلت دینا کچھ حکمت نہیں ہے، پھر اس کے بعد تکبر کرنے لگا کہ: ”أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ“ میں

اس سے بہتر ہوں، وغیر ذالک من الخطایا، اب اس کا دعویٰ ہے: ”لَا حَتَنَکِنَّ ذُرِّيَّتَهُ“ یعنی اس کی اولاد کو جڑ سے اکھاڑوں گا، یعنی توحید کے اعتقاد سے بچلا کر شرک کے گڑھے میں ڈالوں گا۔

پھر سارے کے سارے فتنے اور مکاریاں انسان کی خواہش نفسانی اور شہوات کی افراط و تفریط سے ہوا کرتی ہیں، خواہشات چاہتی ہیں کہ مطالب پورے ہوں، جیسی کیسی حالت سے بھی کیوں نہ ہو۔

انسان کو غصہ دیا تاکہ مضمرات کو دفع کرے، عقل دی تاکہ مطالب پورے کرنے اور نقصان کے دفع کرنے میں یہ معیار شریعت اور اعتدال پر قائم رہے، مگر شیطان چاہتا ہے کہ منافع کی تحصیل اور نقصان کے دفع کرنے میں افراط و تفریط ہو جائے، اعتدال نہ رہے، اگر رحمت الہی سے عقل، قالب، قانون الہی اور شریعت میں غالب رہا، تو فائز المرام ہوا، ورنہ اگر ارادے اور طبیعت میں پھنس کر عقل و شریعت کو مغلوب کرے گا، تو دُنیا و آخرت میں نامراد ہوگا، اسی کا نام ہے: اغوائے شیطانی!

اغوائے شیطانی کے اسباب:

- ۱... حسد: جس کی وجہ سے شیطان ملعون ہوا۔
- ۲... حرص: جس کی بدولت شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا کام نکالا۔
- ۳... غصہ: اس لئے کہ غصے کی حالت میں شیطان انسان پر قابو پالیتا ہے۔
- ۴... مال و اولاد: کہ جہاد کے وقت شیطان اس کو بال بچے یاد دلا کر اس کے باعث بزودی ڈال کر جہاد سے بھاگ کھڑا کرتا ہے۔
- ۵... غیر محرم عورت جب پاس بیٹھے، خصوصاً خلوت میں، اس وقت شیطان کا

حملہ زبردست ہوتا ہے۔

۶:۔۔۔ جب آدمی اپنے آپ کو اور اپنے عمل کو بہتر سمجھتا ہے، اور اپنی اغلاط کو

بھول جاتا ہے، اس وقت شیطان اس کے دل میں خود پسندی ڈالتا ہے۔

۷:۔۔۔ انسان جب اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے، تو اس کو ضرور پورا کرنا

چاہئے، وگرنہ شیطان بذات خود عہد شکنی کرانے پر ہمت کرتا ہے۔

۸:۔۔۔ جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرو، تو جلدی نکال دو، وگرنہ شیطان خیرات

کرنے سے خود مانع ہوتا ہے۔

۹:۔۔۔ جب کسی کی منہ پر تعریف کی جائے، اور جب بڑا (ممبر، صدر وغیرہ)

بننے کا شوق ہو تو شیطان اس کو گیند کی طرح حق سے دُور لے جاتا ہے۔

فائدہ:۔۔۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شیطان سے بچنے کا اعلیٰ ہتھیار پیغمبر کی سنت

پر عمل کرنا ہے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف پر شیطان کا تسلط ہے، یہی

زلیغ قلب کے موجب ہیں، اس سے زلیغ، رین قلب پھر ختم اور طبع وغیرہ کے نتائج

نکلنے ہیں، معاذ اللہ! شیطان کی تلبیس کے ہزاروں اسباب ہیں، ان میں سے مشمت

نمونہ پیش کر دیا ہے، واللہ المستعان!

باب چہارم

شیطان کے مکر و اغوا کا معنی؟

جاننا چاہئے کہ شیطان کا مکر و اغوا یہ ہے کہ باطل کو حق کی صورت میں ظاہر

کرے اور ناقص چیز کو اچھی دکھائے، اس نادانی کا سبب کسی ایسے شبہ کا وجود ہے جس

سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، اور وہ شبہ آدمیوں کی عقل و دانش اور جہل و علم کے موافق

کم و بیش ہوتا ہے، جس قدر قرآن و سنت کا صحیح علم، اور اخلاص پر مبنی عمل ہوگا، اسی

قدر شیطان کا غلبہ کم ہوگا، شیطان ایسے شخص کو عمل سنت سے نہیں روکتا، بلکہ دوسری مصیبتوں مثلاً: ریا، شہرت، خود پسندی وغیرہ میں مبتلا کرتا ہے۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

”مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو جنوں سے

باتیں کرتا تھا، کہ: شیاطین باہم گفتگو کر رہے تھے کہ جو لوگ

سنت نبویؐ کے تابع ہیں، وہ ہمارے لئے سخت ہیں، لیکن جو

خواہش نفسانی کے بندے ہیں، اُن کے ساتھ تو ہم کھیلتے ہیں۔“

اکثر اوقات شیطان، ہوش مند اور عاقل آدمی پر حملہ کرتا ہے، اور خواہش

نفسانی کو ایک دُلبہن کی صورت میں پیش کرتا ہے، جس سے وہ شخص پھنس جاتا ہے۔

ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

”شیطان، آدمی کے لئے نیکی کے ننانوے دروازے

کھولتا ہے، جس سے بُرائی کا ایک دروازہ مقصود ہوتا ہے۔“

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ:

”میں نے شیطان کو دیکھا، تو اس نے مجھ سے کہا کہ:

ایک زمانہ وہ تھا کہ میں لوگوں سے ملتا تھا، تو ان کو تعلیم دیتا تھا،

اب حالت یہ ہے کہ اُن سے ملتا ہوں اور خود تعلیم لیتا ہوں۔“

کسی شخص نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: حضرت! کیا کبھی

شیطان سوتا بھی ہے؟ فرمایا: اگر شیطان کو نیند آتی تو ہم لوگوں کو راحت ملتی۔

جب شیطان ہر وقت گھات میں ہے کہ کسی طرح مؤمن کا ایمان چھین

لے، تو مؤمن پر بھی لازم ہے کہ ہر حال میں ہوشیار رہے کہ کہیں ایمان نہ چلا جائے۔

عبدالعزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

”جب ملائکہ بندہ مؤمن کی رُوح کو آسمان پر لے جاتے ہیں، تو فرشتے کہتے ہیں: سبحان اللہ! اس بندے کو خدا تعالیٰ نے شیطان سے نجات دی، تعجب ہے کہ یہ بے چارہ کیونکر بچ گیا؟“

باب پنجم

عقائد و دیانات میں مکر:

شیطان کا سب سے بڑا مکر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح اعتقاد سے بچلائے، اصولیات دین میں خلل ڈالے، اور غلط اعتقاد پر اس کی موت آئے، ایسے شخص سے وہ عبادات، نماز، روزہ اور تہجد وغیرہ کثرت سے کراتا ہے، عبادات میں لذت ڈالتا ہے، اور انوار و کشف دکھاتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ انوار کبھی رحمانی ہوتے ہیں، اور کبھی شیطانی، رحمانی انوار وہ ہیں جو مشکوٰۃ نبوت سے آیا کرتے ہیں، وہ عمل سنت سے آتے ہیں، اور کبھی یہ روشنی ناری بھی ہوتی ہے، جو ترک سنت و بدعت میں منہمک ہونے سے نظر آتی ہے، اور یہ نفسانی و شیطانی اثرات سے ہوتی ہے، اس سے دھوکے میں نہ پڑنا چاہئے، اصل چیز تو صحت اعتقاد اور صحت عمل ہے، اور صحت عمل بغیر صحت اعتقاد کے غیر معتبر ہے، اسی وجہ سے شیطان کا بڑا دھوکا یقینیات میں ہوا کرتا ہے۔

ہمارے ملک میں جو گروہ زیادہ تر موجود ہیں، عوام، بلکہ خواص بھی اُن کی فتنہ پردازی سے محفوظ نہیں، اُن کے حالات پر مختصر سی روشنی پیش خدمت کی جاتی ہے، واللہ الہادی!

محدین کی خفیہ تدبیریں:

محدین، بے دین اور منکرین قرآن و حدیث کی دلی چاہت یہ ہے کہ کسی طرح کلمہ حق چھپ جائے، اور مخلوقات میں شرع کا ثبوت نہ رہے، اور لوگ اس کے احکام پر عمل نہ کریں۔

بعضے محدین تو یہاں تک کرتے ہیں کہ علمائے نقل کے یہاں کسی فاجر کو لالچ دے کر جھوٹی اسناد سے فسادی بات بنا کر ان کی کتابوں میں خفیہ داخل کر دیتے ہیں، یوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات میں جھوٹی خبریں بنا کر علمائے نقل کے ہاں داخل کراتے ہیں۔

اور بعضے محدین یہ کرتے ہیں کہ معجزات کے مشابہ چیزیں نقل کرتے ہیں کہ فلاں ملک میں ایسا پتھر ہوتا ہے جس کی یہ خاصیت ہے، یعنی اس سے خرق عادات کے ظہور کا چرچا کرتے ہیں، مثلاً: اس کو ہاتھ لگانے سے پانی بہتا ہے، اس پر نو رات اعتکاف کرنے سے بیٹا ملتا ہے، دولت بڑھتی ہے، مشکل حل ہوتی ہے اور فلاں قبر سے جواب ملتا ہے، اندھے بینا ہو جاتے ہیں، بیمار کو شفا ہوتی ہے، چنانچہ وہ لوگ ایسی واہی تباہی حکایات اور من گھڑت قصوں سے توحید کے اعتقادات اور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں پر عمل کے بجائے مسلمانوں کو بدعات میں ڈال کر عوام اور خاص کر عورتوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہی کام شیعہ کے گمراہ کن لوگوں کا ہے۔

اور بعضے محدین، کاہنوں وغیرہ کی خبریں دینے کے قصے بیان کر کے عوام و جہال کو ”اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ“ کے یقین سے شک میں ڈالتے ہیں، چنانچہ عوام اپنی کم عقلی و جہالت کی وجہ سے ان محدودوں کا اصلی فتنہ نہیں سمجھتے۔

روافض کے بعض حالات:

ابلیس نے خوارج پر تلبیس کی تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قتال کیا۔ اُن کے برعکس ایک قوم کو تلبیس میں ڈالا، جنہوں نے حضرت علیؑ کی محبت میں یہاں تک غلو کیا کہ بعض روافض نے کہا کہ: ”علیؑ، انبیاء سے افضل ہیں۔“ بعض روافض کو شیطان نے ابھارا تو وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہنے لگے۔ بلکہ بعض نے ان دونوں کو کافر کہا۔

اسحاق بن محمد نخعی احمر کہا کرتا تھا کہ: ”علیؑ هو اللہ عزّ وجلّ“ یعنی حضرت علیؑ ہی اللہ عزّ وجلّ ہیں۔ مدائن میں اسحاقیہ جماعت اسی گمراہ کی طرف منسوب ہے، انہی کا خیال ہے کہ علیؑ ہی ہر وقت ظہور کرتا ہے، چنانچہ ایک وقت میں حسن کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، اور دوسرے وقت میں حسین کی شکل میں ظاہر ہوا، اور اسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر کر کے بھیجا تھا۔

روافض کے بعض فرقوں کا اعتقاد ہے کہ: ابوبکرؓ و عمرؓ کافر تھے، اور بعض نے کہا کہ: نہیں، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مرتد ہو گئے (نعوذ باللہ)۔ روافض میں سے بعض کا قول ہے کہ: امامت موسیٰ بن جعفر میں تھی، پھر آپ کے فرزند علیؑ میں آئی، پھر اُن کے بیٹے محمد بن علیؑ میں، پھر اُن کے بیٹے علی بن محمد میں، پھر حسن بن محمد العسکریؑ میں، پھر اُن کے بیٹے محمد میں آئی، یہی بارہویں امام مہدی ہیں، جن کا انتظار تھا، ان کا کہنا ہے کہ وہ مرے نہیں، بلکہ غار میں چھپ رہے ہیں، اور آخر زمانے میں آئیں گے، تو زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔

ابومنصور العجلی کہتا ہے کہ: محمد بن علی الباقر کا انتظار ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہی خلیفہ ہیں اور اُن کو بالفعل آسمان پر لے گئے ہیں، وہاں پروردگار نے اُن کے سر پر

ہاتھ پھیرا، اور قرآن میں جو آسمان سے کسفاً ساقطاً (گرا ہوا ٹکڑا) آیا ہے، وہ یہی ہیں۔ باطنیہ فرقہ بھی ایک طرح سے روافض کی شاخ ہے، اس میں سے ”بابکیہ“ میں سے ایک جماعت باقی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: سال میں اُن کی خوشی کی ایک رات مقرر ہے، اس میں عورتیں اور مرد ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں، آخر میں چراغوں کو گل کر دیتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک مرد ایک عورت کو پکڑ کر کے اس کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے، اور اپنے اس فعل کی تاویل یہ کرتا ہے کہ ان کا حلال ہونا بطور شکار کے ہے، کیونکہ شکار مباح ہے۔

کتاب تلبیس ابلیس میں ہے کہ بانی رُفص کی اصل غرض یہ ہے کہ دینِ اسلام میں اور اصل دینِ محمدی میں طعن کر کے اسلام کو مٹا دیا جائے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دینِ حق لائے تھے، جب آپ دُنیا سے رُخصت ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئے، تو سارا بھروسا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صداقت، دیانت، امانت اور عدالت پر ہی رہا، اس لئے کہ یہی لوگ ہی ہیں جو حضور علیہ السلام سے دین نقل کرتے اور عمل کر کے دکھاتے اور بتلاتے ہیں کہ من جانب اللہ یہی دینِ اسلام ہے، لیکن روافض کے بقول... نعوذ باللہ... جب صحابہ کرام، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو گئے یا کافر رہے، تو اُن پر وثوق جاتا رہا، اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم معدودے چند اور اقل قلیل افراد ہیں، ان سے سارا دین تو اتر اُ ثابت نہیں ہو سکتا، تو رافضی کے مکر کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ اعتقادات مٹ جائیں گے، کیونکہ اعتقاداتِ حقہ بدوں قطعی روایت کے ثابت نہیں ہو سکتے، اور اہل بیت معدودے چند افراد ہیں، تو سارے دین کا کارخانہ ختم ہو جائے گا۔

اور اس پر طرہ یہ کہ رافضی، امام مہدی کے ساتھ قرآن کے غائب ہونے کا بھی مدعی ہے، یوں رافضی کا نہ قرآن پر اعتماد رہا، نہ حدیث پر اور نہ سیرت صحابہ پر،

خلاصہ یہ کہ رافضی، دین سے بے نصیب رہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل بیتؑ میں سے جو اسلام پر رہے، وہ تو سب (بقول رافضی کے) معصوم تھے، مگر ان کے زمانہ مبارک میں ہر جگہ تو وہی اہل بیتؑ امام نہ تھے، تو اس زمانے میں بھی کسی کی نماز جماعت سے نہ ہوئی، کیونکہ امام وہ ہوتا ہے جو معصوم ہو، جب اہل بیت کرامؑ میں سے کوئی نہ ملے تو نماز جماعت ندارد رہے گی۔

اسی طرح ان روافض کی روایات بھی قابل اعتبار نہیں، جیسے آفتاب ڈوب گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر جاتی رہی، پھر ان کے لئے سورج کو دوبارہ پھیر دیا گیا، اول تو یہ کہ اس کا کوئی راوی ثقہ نہیں، دوم یہ کہ جب آفتاب ڈوب گیا تو عصر کا وقت جاتا رہا، پھر اگر دوبارہ طلوع ہو گیا تو یہ جدید وقت آیا، نہ کہ قدیم وقت عصر، عصر تو بہر حال قضا ہی رہی، نہ کہ ادا ہوئی۔

باب ششم

علماء کو فنون علم میں دھوکا:

شیطان، علماء کے پاس بہت سے راستوں سے آتا ہے، لیکن شیطان اس پر غالب جب آتا ہے، جب کوئی عالم اپنی خواہش نفس پر چلے، جب کوئی عالم خواہش نفس پر چلتا ہے، تو اس وقت اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے، اس لئے کہ بہت سے باریک فریب ایسے ہیں جو اکثر علماء پر بھی مخفی رہتے ہیں، لہذا ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

قاریوں کو دھوکا:

جاننا چاہئے کہ قراءت سے مقصود یہ ہے کہ انسان قرآن مجید کو ٹھیک مخرج

سے پڑھے، پھر اس کو سمجھے، پھر اس پر عمل کرے، پھر ایسی چیز پر متوجہ ہو جو اس کے نفس کی اصلاح کرے اور اس کے اخلاق کو زائل، جیسے: حسد، کینہ، بغض اور ریا وغیرہ سے پاک کر کے اس کو سنوارے، پھر شریعت کے دیگر اہم امور کی طرف متوجہ ہو۔ اور کھلا خسارہ یہ ہے کہ اہم امور کو چھوڑ کر دوسرے غیر اہم میں مشغول ہو جائے، جیسے: قرآن و حدیث میں علمِ کامل اور فہمِ ثاقب پیدا کرنے کے بجائے مبادی: صرف، نحو، منطق اور معقول میں مہارت حاصل کرے، اور قرآن و حدیث میں صرف کی تکمیل سے بھی کم درجہ ہو۔

اغلاط کی مختصر تشریح:

عمر کا بڑا حصہ شاذ قراءتوں کی تحصیل میں ضائع کر دے، فرائض، واجبات، سنن اور مستحباتِ نماز کا پتا نہ ہو، اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ مفسدات و مکروہاتِ نماز کیا کیا ہیں؟ اور امامِ مسجد ہو کر نمازیں مکروہ یا فاسد کر رہا ہو، وہ خود بھی اور عوام بھی اس کی قراءت پر نازاں ہوں، ایسا قاری لوگوں کو مسائل و احکام میں فتویٰ دے رہا ہو، اور شرمساری سے یہ نہ کہے کہ مجھے پتا نہیں۔

نیز قاری صاحبِ محراب میں شاذ قراءت پڑھتا ہو، اور مشہور قراءت کو چھوڑتا ہو، حالانکہ علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شاذ قراءت سے نماز صحیح نہیں ہوتی، مگر چونکہ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے قاری ہونے کی تعریف ہو، اس لئے وہ اس کو پڑھتا ہو۔

نیز بعض قاری نماز میں قراءت کو ”مَلِك، مَلِك، مَالِك“ سب پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ یہ جائز نہیں، کیونکہ اس سے نظمِ قرآن میں خلل آتا ہے، اور بعض سجدات، تہلیلات اور تسبیحات کو جمع کرتے ہیں، حالانکہ یہ مکروہ ہے۔

ان میں سے یہ بھی ہے کہ ختم قرآن کی رات کثرت سے روشنی کرتے ہیں، گویا کہ مال کی بربادی، اور مجوسیوں کی مشابہت کے علاوہ رات میں مردوں اور عورتوں کے فتنے میں پڑنے کا سبب بناتے ہیں، ابلیس نے ان کو یہ دھوکا دیا ہے کہ اس سے دین کی رونق و عزت ہے، حالانکہ دین کی عزت ایسے اُمور کو عمل میں لانے سے ہوتی ہے جو شرع کی رُو سے جائز ہوں۔

ازاں جملہ یہ کہ: قاری صاحب، کسی ایسے شخص کے بارے میں جس سے انہوں نے نہیں پڑھا، دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے فلاں قاری صاحب سے قراءت پڑھی ہے، حالانکہ فی الواقع وہ جھوٹ کہتا ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ: بعض قاری حضرات کثرت قراءت میں ممتاز ہوتے ہیں، کہ ایک دن میں کئی ختم کر لیتے ہیں، اور وہ دو، چار ختم کر کے دکھادیتے ہیں، جس سے اُن کی واہ واہ ہوتی ہے، اور سمجھتے ہیں کہ ایک دن میں ختم کرنا کثرتِ ثواب کی چیز ہے۔ جبکہ کثرتِ قراءت باعثِ ثواب تب ہے جبکہ:

اول:.... یہ قراءت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے، جبکہ مذکورہ بالا قراءت شہرت کے لئے ہے۔

دوم:.... یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لِتَقْرَأْهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْتَبٍ" (بنی اسرائیل: ۱۰۶) (تاکہ (اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)۔ اور فرمایا: "وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً" (المزل: ۴) (اور قرآن کو ترتیل سے پڑھو)، یعنی اس طور سے پڑھو کہ ایک لفظ دوسرے سے جدا ہو، اور تیز قراءت میں ترتیل کیسے ہو سکتی ہے؟

ازاں جملہ یہ کہ: قرآن کریم کو اس قدر اچھے لہجے میں پڑھنا کہ سننے والے کو پسند آئے، دُرست ہے، مگر اے افسوس! کہ اب تو قرآن کو راگنی کے اُصول اور

موسیقی کے قواعد پر لا کر پڑھتے ہیں، حالانکہ راگنی کے جتنا قریب ہوتا جائے گا، کراہت بڑھتی جائے گی۔

ازاں جملہ یہ کہ: ایسا شبینہ کہ ایک رات میں حفاظ جمع ہو کر قرآن مجید کا ختم کریں، اس قدر تو جائز ہے، مگر عموماً اس میں بہت سی ممنوع چیزیں مل جاتی ہیں، مثلاً:
۱.... اگر کوئی ذرا سی غلطی کرے، اس پر ہزار طعن، تشنیع اور مذاق کرتے ہیں۔
۲.... پھر کبھی غالب و مغلوب ہونے کی شرط پر، کبھی تفاخر و ریا کی غرض سے، اور کبھی شبینہ کرانے والا محض فخر کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے کہ فلاں نے کیا کیا ہے؟ اور کیا دیا ہے؟ میں نے یہ کیا اور یہ دیا وغیرہ۔

جبکہ اکثر سننے والے حفاظ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں، اور پڑھنے والا ایک (اکیلا) ہی نفل کی نماز میں تلاوت کر رہا ہوتا ہے، پھر جیسے ہی قاری نے کوئی غلطی کی، تو یکایک سامعین میں سے کسی نے نیت باندھ کر لفظ بتلایا اور پھر نماز توڑ کر بیٹھ گیا۔

کبھی قاری اسپیکر میں پڑھتا ہے، جس سے دُور دُور تک آواز جاتی ہے، کوئی کسی کام میں مشغول ہوتا ہے، کوئی کسی کام میں، پھر ساری رات میں ختم ہوتا ہے، اس لئے لوگ تنگ ہوتے ہیں، نہ روک سکتے ہیں کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ ان کو قرآن پسند نہیں، نہ سنتے ہیں، ہاں! بعض سنتے بھی ہوں گے، ایسا ختم ماں باپ کی رُوح کو بخشا جا رہا ہے، سبحان اللہ! ممکن ہے کہ کسی کو اِخْلاص بھی ہو، مگر اکثر پڑھنے والوں کے جب یہ حالات ہیں، تو کیا ثواب ہوگا؟ ہاں! ماں باپ کے لئے اِخْلاص سے جو کچھ ہو سکتا، پڑھ کر ثواب بخش دیا جاتا، تو یہ اس سے اچھا ہوتا، وغیر ذالک من

العجائبات، فافہم!

محدثین و فقہاء کی بعض اغلاط:

من جملہ اس کہ یہ ہے کہ محدثین اسانید عالیہ کی تحصیل میں اپنی طویل عمریں صرف کرتے ہیں، محض اس غرض سے کہ صحیح اور باطل میں سے صحیح حدیثیں پہچانی جائیں، بلاشبہ ایسے حضرات بڑے درجے کے اور مقتدا لوگ ہیں۔

جبکہ دوسرے وہ محدثین ہیں، جن کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ عالی اسانید حاصل کریں اور غرائب روایات جمع کریں تاکہ ان کو فخریہ، یہ کہنے کا موقع ملے کہ میں فلاں شیخ سے ملا تھا، اور جیسی میری اسانید ہیں، ویسی کسی کی نہیں، اور جو عجیب و غریب حدیثیں میرے پاس ہیں، ایسی کسی کے پاس نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے۔

من جملہ محدثین کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث سے فقہ و معرفت حاصل نہیں کرتے، اور احادیث سے استخراج مسائل بھی نہیں کر سکتے، اگر نماز میں کوئی حادثہ پیش آجائے، تو محدث، نوجوان شاگرد سے، جو فقہ میں مہارت رکھتے ہیں، پوچھتا ہے کہ اس کا کیا حکم ہے؟

من جملہ شیطانی تلمیذوں کے یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے جی کی تشفی کے لئے دوسرے پر جو طعن و تشنیع کرتے ہیں، اس کو بھی جرح و تعدیل قرار دیتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ سلف نے جو جرح و تعدیل کی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ شریعت کو جھوٹوں کے جھوٹ کی آمیزش سے بچایا جائے، جبکہ یہ لوگ جو جرح و تعدیل کرتے ہیں، محض اپنے جی کی تشفی، کینہ نکالنے اور دوسروں کو گرانے کے لئے کرتے ہیں،

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ!

یہی مرض آج کل کے عابدوں اور زاہدوں میں ہے کہ پہلے دوسروں کی شکایت اور عیب ظاہر کر کے، پھر اس کے لئے دُعا کر دیتے ہیں، تاکہ دُعا سے

غیبت کا شائبہ نہ ہو۔

من جملہ اغلاط کے یہ ہے کہ ضعیف و کذاب سے روایت کرتے ہیں، مگر چھپانے کے لئے اس کا نام نہیں لیتے، وغیر ذالک من العجائبات۔
من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ بعض فقہاء کا یہ حال ہے کہ حدیث سے کوئی حکم ثابت کرتے ہیں، مگر ان کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ وہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ علم حدیث کا مطالعہ بھی نہیں کرتے، اور وہی احادیث لیتے ہیں جو احکام کی ہوں، باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ بعض فقہاء کا پورا اعتماد علم جدال یعنی مناظرہ پر ہوتا ہے، اور وہ اپنے زعم میں اس فن سے ہی کسی حکم پر دلیل اور اس کی تصحیح، شرع کے دقائق اور مذاہب کی علتیں تلاش کرتے اور ڈھونڈتے ہیں، اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظروں میں پیشوا گردانا جائے۔
اور بعض فقہاء علم جدل و مناظرہ کے فن میں فلاسفہ کے قواعد داخل کرتے ہیں، جیسے: لزوم، عکس اور تناقض وغیرہ۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ وہ حدیث صریح و صحیح پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ مناسب، بلکہ واجب یہ تھا کہ اپنا مسئلہ دوسری حدیث صحیح سے ثابت کرتے اور پھر فریق مخالف کی پیش کردہ حدیث کا اخلاص سے جواب دیتے،
وغیر ذالک!

یاد رکھنا چاہئے! کہ انسانی طبیعت چور ہے، اگر اس کو لوگوں کے خیال پر چھوڑ دیا جائے تو اہل زمانہ سے اخذ کرنے لگے گی، اور ان ہی کی طرح ہو جائے گی، اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا، تو طبیعت ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کرے گی، تب ان کا رنگ اور ان کے اخلاق پیدا ہوں گے۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے ایک یہ ہے کہ بعض فقیہ اور عالم مدرسہ کے ایسے اوقاف میں سے جو کہ صرف معلم و متعلم کے لئے ہوتا ہے، کھاتے اور اپنے مصرف میں لے لیتے ہیں، حالانکہ وہ نہ طالب علم ہیں، نہ اُستاذ، اور نہ ہی مدرسہ کے کسی کام کے معاوضے میں اسے لینے کا حق ہے۔

حالانکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

”فقیہ وہ شخص ہے جو اللہ عزوجل سے خوف رکھتا ہو۔“

بعض فقہاء و علماء، اُمراء و سلاطین کے ہاں وعظ و نصیحت اور تبلیغ کی غرض سے آمد و رفت رکھتے ہیں، مگر اکثر ہوتا یہ ہے کہ ابتدا میں نیت دُرست ہوتی ہے، لیکن بعد میں اُمراء و سلاطین کے انعام و اکرام اور طمع سے ان کی نیت بدل جاتی ہے، چنانچہ پہلے جو قصد تھا کہ مداہنت نہ کریں گے اور بُری باتوں سے منع کریں گے، اس پر ثابت قدم نہیں رہتے، پھر اُمر معروف اور نہی منکر کا وہ صاف رنگ نہیں رہتا۔

واعظوں اور قصہ گو لوگوں کے لئے تلبیس:

اکابر و اسلاف میں وعظ کہنے والے فقیہ اور عالم ہوتے تھے، چنانچہ عبید بن عمیر تابعیؒ کی مجلس وعظ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابی حاضر ہوتے تھے، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اس دور کے واعظوں کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، لیکن بعد میں یہ پیشہ ایسا ذلیل ہوا کہ جاہلوں نے اُسے اختیار کر لیا، اور تمیزدار (سمجھ دار) لوگ اُن کی مجلس سے الگ ہو گئے، تو عوام مردوں اور عورتوں کا اُن پر ازدہام ہوا، تو واعظوں نے علم چھوڑ کر اُن کو خوش کرنے کے لئے قصہ گوئی اختیار کر لی، پھر یہ پیشہ طرح طرح کی بدعتیں پھیلاتا گیا۔

چنانچہ بعض نے تو دلچسپی اور رغبت دلانے کے لئے حدیثیں وضع کرنا اور بنانا

شروع کر دیں، اور شیطان نے ان کو یہ دھوکا دیا کہ تم یہ حدیثیں نیکی پر آمادہ کرنے کے لئے بنا رہے ہو، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ”جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے، وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائے“ کو بھلا دیا۔

ازاں جملہ یہ کہ یہ لوگ اپنے سریلے کلام میں وہ چیزیں ملاتے ہیں جو نفس کا جوش ابھاریں، اس کے علاوہ اس میں عشقیہ اشعار اور غزلیں بھی پڑھتے ہیں، اس پر شیطان نے ان کو یہ دھوکا دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عشق کی باتیں کرتے ہو، ان عشقیہ اشعار اور غزلوں کی وجہ سے، جن میں جوشِ شہوت بھرا ہوتا ہے، تو وہ اہل پڑتا ہے، یوں یہ واعظ خود بھی گمراہ ہوا اور دُوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا بن جاتا ہے۔

جبکہ بعض واعظ محض تصنع سے خشوع اور وجد ظاہر کرتے ہیں، تاکہ دُوسروں کو رونا آئے، اور اس کا نام چڑھے، جس قدر مجلس زیادہ ہو، واعظ کا خشوع زیادہ ہوتا ہے، ایسا واعظ آخرت کے اعتبار سے خوار و خراب ہوا، اور جو بالفرض سچا بھی ہے، وہ بھی ریاکاری کی میل سے نہ بچ سکا۔

ازاں جملہ بعض واعظین، وعظ کے وقت عجیب و غریب حرکات کرتے ہیں، قرآن مجید کو نئی راگنی میں پڑھتے ہیں، اس کے ساتھ ہاتھوں سے دستک اور پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کی طبیعتیں اُمنگ پر آ جاتی ہیں، اور مرد و عورتیں آوازیں لگاتے ہیں، چنانچہ دبے ہوئے ہزاروں شہوانی و نفسانی خیال اُبھر کر آ جاتے ہیں، تو جلسہ بارونق، اور واعظ کی واہ واہ ہو جاتی ہے۔

واعظوں کے من جملہ عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ منبر پر بیٹھ کر زہد و معرفت کے حقائق اور اسرارِ محبت پر زبانی جمع خرچ کر کے لوگوں کو فریفتہ کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ میں بھی خدا رسیدہ ہوں کہ ایسے دقائق بیان کیا کرتا ہوں، حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ کسی مقام کو زبانی بیان کر دینا، دُوسروں کے بیانات کا علم ہے، جبکہ سلوک

ان مقامات پر وہ عملی مجاہدہ ہے جو علم اور زبانی بیان کے علاوہ دوسری شئی ہے، یعنی جیسے گھڑی بنانے کی ترکیب کتاب میں لکھی ہوئی ہو، تو اُسے ہر کوئی بیان کر سکتا ہے، لیکن بالفعل اس کا بنانا صرف بنانے والے دستکار ہی جانتے ہیں، اسی طرح علم تصوف بھی دوسری شئی ہے، اسی طرح علم پر مجاہدہ کرنا، کرانا بھی صحیح مرشد کی راہ نمائی، اور بڑی محنت سے حاصل ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

من جملہ ان مواعظ کے یہ بھی ہے کہ قصصِ یوسف، زلیخا، مجنوں، لیلیٰ، کربلا کے فرضی حالات، مثنوی کے اشعار، اختلافی مسائل میں فتویٰ کفر و اسلام، فلاں کافر یا مؤمن وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں، مگر فرائض کا تذکرہ بہت ہی کم ہوتا ہے، ترغیب عبادت، ترہیب عن العذاب، آخرت کا بیان، سنت کی ترغیب اور معاملات کا سدھار وغیرہ، واعظ کی زبان مبارک پر نہیں آسکتے، نماز کے مسائل کا تذکرہ واعظ کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا، بلاشبہ إلا ماشاء اللہ آج کا واعظ نہ نیکی بتلاتا ہے اور نہ کسی بُرائی سے روکتا ہے۔

عالم و متعلم کے لئے ابلیسی دھوکا:

جاننا چاہئے کہ تفسیر، حدیث اور فقہ کے لئے صرف، نحو اور لغت کا حاصل کرنا ضروری چیز ہے، لیکن جس قدر کی ضرورت ہے، وہ قریب الحصول ہے، اور ضرورت سے زائد کا حاصل کرنا فاضل و عبث ہے، مگر ایسی زائد از ضرورت چیز کے لئے عمر کا بڑا حصہ صرف کرنا، اور جو اہم امور ہیں، مثلاً: حدیث اور تفسیر کو چھوڑنا اور اس سے غافل رہنا، یا اس کی پوری تکمیل نہ کرنا، سخت خسارہ اور نقصان کا باعث ہے، چنانچہ بہت سے نحوی اور منطقی ایسے ہیں، جو ان فنون میں تو ماہر ہیں، مگر نماز کے احکام و مسائل قدرِ قلیل سے زیادہ نہیں جانتے، مگر اس جہالت کے باوجود ان کا تکبر اور فخر اس قدر

زوروں پر ہے کہ اللہ کی پناہ! جب قرآن و حدیث کا مطالعہ نہیں کیا، اور نہ سلف صالحین کی عادات و خصائل سیکھے، تو لامحالہ خود رو طبیعت ہوئے نفسانی کی طرف دوڑے گی اور ناکارہ خیالات کے تناسب سے بطالت اُبھرے گی، تو نہ حلال و حرام کا فرق رہے گا، نہ ہی بدعت و سنت کا پتا!

ہاں! بعض اس سے مستثنیٰ بھی ہیں کہ وہ صرف، نحو اور منطق میں کمال رکھتے ہیں، تو حدیث و قرآن میں بھی وہ ماہر و فاضل ہوتے ہیں، دام فیوضہم و برکاتہم، اور تقویٰ میں بھی اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔

شعراء کے متعلق:

اکثر و بیشتر شاعر بھی اپنے تئیں مغرور ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خداوند کریم جل شانہ نے ہم کو ایسی دانائی عطا کی ہے، جس سے دوسرے لوگ محروم ہیں، پس جس ذات نے تمہیں یہ امتیاز دیا ہے، وہی تمہاری خطائیں اور لغزشیں بھی معاف فرمائے گا، یہی وجہ ہے کہ اکثر شعراء کا حال یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں، بہتان لگاتے ہیں، اگر کسی کی تعریف کریں تو حد سے بڑھ جاتے ہیں، اور کسی کی مذمت کریں تو پورا، پورا گرا دیتے ہیں، اپنے اُوپر فحش و بدکاری کا اقرار کرتے ہیں، ان کے اشعار اور غزلوں سے شہواتِ نفسانی اُبھر آتی ہیں، حالانکہ غناء نوجوانوں کے لئے، زنا کا منتر ہے، اور اس سے فحش و بے حیائی پر آمادگی ہوتی ہے۔

ہاں! اچھے شاعر حدودِ الہیہ کی نگہداشت بھی کرتے ہیں، اُن کے اشعار سے نیکی پر ترغیب بھی ہوتی ہے، اور بُرائی سے نفرت بھی، مگر وہ بہت ہی قلیل ہیں۔

علمائے کرام کے لئے دھوکا دہی:

حضراتِ علمائے کرام نہ ہوتے تو دُنیا میں جہل ہی جہل ہوتا، اور جہل پر تو

”شی“ کے لفظ کا اطلاق ہی نہیں کیا جاسکتا، ان علمائے کرام کے علم، عمل، تعلیم، تبلیغ اور تلقین سے دینِ اسلام، ایمان اور قرآن دُنیا کے ہر گوشے میں پہنچتا ہے، مردہ طبیعتیں زندہ ہوتی ہیں، علم، عقل اور دانش مندی میں ترقی ہوتی ہے، عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، سعادت دارین حاصل ہوتی ہے، قربِ الہی اور درجاتِ عالیہ نصیب ہوتے ہیں، دُنیا کی ترقی بھی علم سے ہے، نہ کہ جہل و نادانی سے، قیامت اس وقت آئے گی، جب صحیح عالم دُنیا سے رحلت کر جائیں گے، بلاشبہ علمِ نعمت، رحمت، فضل اور احسان ہے، ہاں! بعض عالم ایسے ہوتے ہیں، جو علم پر عمل نہیں کرتے، اور اپنی خواہشِ نفسانی پر چلتے ہیں، انہی میں سے بعض کی اغلاط پیشِ خدمت ہیں:

وہ علماء جو علم و عمل میں پورے تھے، اُن پر شیطان نے دوسری راہ سے تلمیسیں ڈالی، چنانچہ ان کو تکبر و عجب میں مبتلا کیا، اور جو اُن علماء کے برابر تھے، اُن سے حسد پر انہیں ابھارا، اور سرداری کے لئے ریاکاری پر آمادہ کیا، پھر سرداری کی بقا کے لئے ان کو اپنی غلطی اور خطا کی معرفت کے باوجود بھی غلطی اور خطا سے باز نہ آنے دیا، اور سرداری کی طلب کا جواز پیش کرتے ہوئے یہ باور کرایا کہ تم شرع کے اعزاز کے لئے سرداری اور صدارت کے طلب گار ہو، اور حاسدوں پر تمہاری زبان درازی درحقیقت شریعت کے لئے غصہ کرنا ہے، اور یہ ریا، ریا نہیں، بلکہ اس لئے ہے تاکہ لوگ تمہاری اقتدا کریں۔

اچھا! اگر سچ مچ اس کا یہی مقصد ہے، تو جب لوگ کسی دوسرے صحیح عالم اور مخلص عابد کے تابع ہونے لگتے ہیں اور اس کی شناختی کرنے لگتے ہیں، تو اس کو غیرت کیوں آتی ہے؟ اس کی حسد و جلن کی رگ کیوں پھڑک اُٹھتی ہے؟ اور اس عالم کی شکایت، غیبت اور بُرائی پر کیوں خوش ہوتا ہے؟ اگر یہ مخلص ہوتا تو اس پر وہ دل میں خوش ہوتا کہ الحمد للہ! تبلیغِ دین کا بار جو میرے سر پر تھا، وہ میرے سر سے اتر گیا

اور تکلیف کرنے سے بھی بچ گیا، کیونکہ مخلص علماء و مدرّسین کی مثال ان مخلص اطباء کی سی ہے، جو لوجہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں، لہذا اگر کسی مریض کو کسی دوسرے طبیب کے ہاتھ سے شفا ہو جائے تو دوسرا خوش ہوتا ہے۔

غرض اگر کوئی عالم ظاہری شیطانی مکر سے بچ جائے، تو شیطان اس پر مخفی تلبیس لاتا ہے کہ تجھ سا کوئی عالم و متقی نظر نہیں آتا، اور نہ ہی تجھ جیسا اغوائے شیطانی کو پہچاننے والا دنیا میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے، وہ بچ جاتا ہے۔

شیطان، بعض علماء کو یہ بیچ سمجھاتا ہے کہ تیری تصنیف سے ہزاروں کو فائدہ ہو رہا ہے، سب دُعا کریں گے، یہی تیری نجات کے لئے کافی ہے، نیز اس سے تیری شہرت ہے۔ اسی لئے بعض مخلص علماء اپنی کتاب کو اپنے نام سے منسوب کرنا نہیں چاہتے۔

سلف صالحین نے فرمایا کہ:

جو اپنے حالات پر نظر رکھے گا، وہ ہر حالت میں اپنے کو حقیر دیکھے گا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، وہ ریاکاری نہ کرے گا، اور جس نے جان لیا کہ مقدرات الہی حسب ارادہ ازلی جاری ہوں گے، تو وہ حسد نہیں کرے گا۔

باب ہفتم

سلاطین کے لئے تلبیس:

اول: ... یہ کہ شیطان ان کے دل میں ڈالتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ دولت اور شاہی نہ دیتا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ حکومت و اقتدار، مال و دولت اور دنیا جیسے اپنے پیاروں کو

دیتا ہے، ویسے ہی اپنے دشمنوں، جیسے: فرعون، نمرود وغیرہ کو بھی دیتا ہے، لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ، دین صرف اور صرف اپنے پیاروں کو دیتا ہے، اور اپنے دشمنوں کو نہیں دیتا، پھر اگر اس کے اعمال و افعال قانون شرعی کے مطابق ہیں، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا پیار ہے، وگرنہ پیار نہیں۔

دوم: ... شیطان، سلاطین کے دل میں ڈالتا ہے کہ سلطنت کے لئے ہیبت ضروری ہے، لہذا سلاطین، علماء کو حقیر سمجھ کر، ان کے پاس جانے کو خلاف ہیبت جانتے ہیں، اس لئے وہ علماء کے پاس نہیں جاتے اور نہ ہی ان کو اپنے پاس آنے دیتے ہیں، یوں وہ شریعت سے جاہل رہتے ہیں، اور اپنی رائے پر عمل کرنے سے دین برباد کرتے ہیں، جاہلوں کی صحبت میں رہ کر جاہلانہ طرز و طریق کو محبوب، اور قرآن و حدیث اور شریعت کو مبغوض رکھتے ہیں۔

سوم: ... شیطان ان کو دشمنوں کے خوف میں مبتلا کر دیتا ہے تو دشمنوں کے خوف سے نہیں نکل سکتے، تو وہ مظلوموں کے درد سے ناواقف رہتے ہیں، ان کے کارندے کام میں سست، بے رحم اور رشوت خور ہوتے ہیں، بے چارے غریب اور مظلوموں کی فریاد کوئی نہیں سنتا، یوں وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے آگے رویا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے شاہی کو دوام و بقا نہیں ہوتا، اس لئے کہ:

بترس از آہ مظلوماں کہ بروقت دُعا گفتن

اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

ترجمہ: ... ”مظلوموں کی آہ سے ڈر، کیونکہ دُعا کرنے

کے وقت قبولیت در حق سے استقبال کے لئے آتی ہے۔“

چہارم: ... شیطان، امراء و سلاطین کو یہ دھوکا دیتا ہے کہ اپنی رائے پر عمل کرو، اس کی وجہ سے وہ شریعت کی بجائے اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، تو کبھی جہاں کسی کا

ہاتھ کاٹنا جائز نہیں ہوتا، تو وہ ہاتھ کاٹ لیتے ہیں، اور کبھی ہاتھ کاٹنا جائز ہوتا ہے، تو وہ نہیں کاٹتے، ان سب میں ان کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ سیاست ہے، جس کا دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ... نعوذ باللہ... شریعت ناقص ہے، اور اس کو تاملہ وضمیمہ کی ضرورت ہے۔

پنجم:.... امیر اور سلطان یہ سمجھتا ہے کہ اموال سلطنت میں جس طرح چاہوں حکم کر سکتا ہوں، دراصل یہ بھی شیطانی فریب ہے، اس لئے کہ اگر لڑکا بالغ ہو جائے اور اس کی عقل ناقص ہو، تو اس کو اس کا سارا مال دینا جائز نہیں، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ”وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ“ (النساء: ۵) جب ذاتی مال میں یہ حکم ہے تو خیال کیا جائے کہ سلطان تو مسلمانوں کے تمام اموال (بیت المال) کا محافظ ہے، جب بیت المال قومی سرمایہ ہے، تو وہ غیروں کے اس مال میں کس طرح خود مختار ہو سکتا ہے؟ سلطان کا حق صرف اس کے کام کی اجرت کی مقدار میں ہے، بس۔

ششم:.... بعض بادشاہ، صلحاء کے پاس جا کر دُعا کراتے ہیں، یا تو اس لئے کہ اس کی دُعا سے گناہ مٹ جائیں گے، حالانکہ حق العباد کسی کی دُعا سے کیسے معاف ہو سکتے ہیں؟ یا اس لئے کہ بادشاہ کے متواضع اور نیک ہونے کی شہرت ہو، یا اس لئے کہ دشمن پر کامیابی ہوگی۔

ایک بزرگ کو ظالم نے کہا: دُعا کرو! فرمایا: جب ہزار آدمی تیرے لئے بد دُعا کر رہے ہوں، تو کیا تیرے بارے میں ایک کی دُعا سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی؟ وغیر ذالک من العجائب۔

باب ہشتم

عابدوں کی عبادت میں شیطانی دھوکا:

یاد رکھنا چاہئے کہ جہل، ابلیس کے آنے کا بڑا دروازہ ہے، شیطان جاہلوں

کے ہاں بے کھٹکے آتا جاتا ہے، اور علماء کے پاس چوری چھپے آیا کرتا ہے، شیطان نے جن پر بھی تلبیس ڈالی ہے، عموماً ان کو شریعت کا علم بہت ہی کم تھا۔
ربیع بن خثیم نے فرمایا کہ: پہلے علم حاصل کر، پھر گوشہ نشین ہو۔

ا:.... شیطان نے عابدوں پر پہلی تلبیس یہ ڈالی کہ علم پر عبادت کو ترجیح دی، اور کہا کہ علم کا مقصد عمل ہے، اور عمل سے بھی یہی عمل سمجھا جو اعضاء سے صادر ہوتا ہے، اور یہ نہ جانا کہ علم بھی ایک قلبی عمل ہے، اور قلبی عمل ظاہری اعضاء کے عمل کی بہ نسبت افضل ہوتا ہے، بلکہ جوارج کا کوئی عمل، قلبی عمل یعنی نیت کے بغیر درست ہی نہیں ہوتا۔

مطرف بن عبداللہ نے فرمایا کہ: زائد علم، زائد عبادت سے بہتر ہے۔
یوسف بن اسباط نے فرمایا کہ: علم کا ایک باب حاصل کرنا ستر غزوات سے افضل ہے۔

معانی بن عمران نے فرمایا کہ: ایک حدیث لکھنا، مجھے تمام رات کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

بلکہ صحتِ عمل، صحتِ علم پر موقوف ہے، لہذا علم نہیں تو عمل نہیں، علم ہوگا تو عمل ہوگا، جس قدر علم زیادہ ہوگا، اسی قدر عمل میں اغلاط کم ہوں گی، پھر عمل کی مقبولیت کا مدارِ اخلاص پر ہے، اور اخلاص یعنی جب نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی، تب دقائقِ ریا سے خالی ہوگا، اور وہ علم کے سوا کیسے حاصل ہوگا؟

شیطان بعض جاہلوں کو قضائے حاجت اور استنجا میں وساوس ڈالتا ہے، چنانچہ گھنٹوں گزر جاتے ہیں، مگر ان کا استنجا ہی پورا نہیں ہوتا، پھر نیت میں خلل ڈالتا ہے کہ: میں رفعِ حدث کی نیت کرتا ہوں، پھر کہتا ہے: میں نماز مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں، یہاں تک کہ اس کی نیت پوری نہیں ہو سکتی، پھر وضو میں شکوک کہ شاید

اڑتی چڑیا نے بیٹ کر دی ہو، پھر پانی بھی دریا کا ہونا چاہئے، پھر ہر عضو کو کثیر بار دھونا پانی کا اسراف ہے، پھر نماز کی نیت میں، پھر جماعت سے محروم کرنے میں وساوس ڈالتا ہے۔

ابوشوزب نے کہا کہ: حسن بصریؒ ایک بزرگ پر تعریض کیا کرتے تھے کہ یہ کیا ہے؟ کہ تم میں سے ایک آدمی ایک مشک سے وضو کرتا ہے اور ایک پکھال سے نہاتا ہے، مفت میں اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالتا ہے۔

اسود بن سالم جو کبار صالحین میں سے تھے، پہلے بہت پانی بہایا کرتے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے اس کو ترک کر دیا، کسی نے اس کا سبب پوچھا، تو فرمایا کہ: میں ایک رات سو رہا تھا کہ ایک ہاتف یعنی غیبی آواز دینے والے نے مجھے آواز دی: اے اسود! یہ کیا اسراف نہیں ہے؟ اسی لئے میں نے اسراف ترک کر دیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ راقم، پاکی، طہارت اور پرہیز سے منع نہیں کرتا، البتہ تکلف و مبالغہ سے منع کرتا ہے، یعنی جو مبالغہ حدِ شرع سے خارج ہو، اور وقت کو ضائع کرنے والا ہو، میں اس سے روکتا ہوں۔

اسی طرح جاہل عابدوں کے نماز، روزہ وغیرہ میں کثیر در کثیر وساوس ہیں، جو شریعت سے ناواقفی اور جہالت کے سبب افراط و تفریط کی حد کو پہنچ جاتے ہیں، جو عبادت کے ثواب کو باطل کرتے ہیں، بلکہ وبالِ آخرت ہوتے ہیں، یہ مختصر رسالہ ان اسباب کے بیان کو برداشت نہیں کر سکتا۔

یہ لوگ نہی منکرات سے خاموش، اور معروف کے امر سے جی چراتے ہیں، تاکہ کوئی ان سے بے اعتقاد نہ ہو، اور ان کی محبت میں خلل نہ آئے، اور کثرت سے نوافل پڑھتے ہیں، اور فرض و جماعت سے غافل ہوتے ہیں، سنت مؤکدہ تک کی پروا نہیں کرتے، اور بدعات میں منہمک ہوتے ہیں، جتنا عرس کا اہتمام کرتے ہیں، حج کا

اس کا بیسواں حصہ بھی نہیں کرتے، آباء کی تقلید میں، گو غلط ہی کیوں نہ ہو، جیسے گانا بجانا، راگ سننا وغیرہ، اور بدعات میں، فرض عین سے بھی زیادہ جدوجہد کرتے ہیں، وساوس میں مستغرق، کرامات کے عاشق، وجد کے مشتاق، سیرت سلف سے غافل، اعتقادِ توحید سے متنفر، شرک، قبر پرستی، عورتوں کے ساتھ تلقین اور تعویذِ حب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں، وغیر ذالک من العجائب۔

ہاں! بعض عابد، زاہد اور عارف جو سنت پر عامل ہیں، بدعات سے متنفر ہیں، بلاشبہ وہ آنکھوں کے نور، اور رُوحِ رواں ہیں، وہ ان سے مستثنیٰ ہیں۔

بابِ نہم

زاہدوں کے زُہد میں اغوائے شیطانی:

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جاہل آدمی قرآن و حدیث سے دُنیا کی مذمت سنتا ہے، تو سمجھتا ہے کہ نجات، دُنیا کے ترک میں ہے، اور یہ بھی سنتا ہے کہ فلاں شیخ پہاڑ یا جنگل میں عبادت کرتا رہا، پس یہ نادان جمعہ و جماعت، بال بچوں اور بوڑھی والدہ کو چھوڑ کر وحشی جانور کی مانند نکل بھاگتا ہے، تمام گھر والوں کے حقوقِ واجبہ یا قرض خواہوں کے قرض ادا کئے بغیر، خلوت کو اختیار کرتا ہے، ایک طرف بچے اور بوڑھی والدہ رو رہی ہیں، مگر یہ قطب بننے گیا ہے، اگر کسی فقیہ کی صحبت اُٹھائی ہوتی، جو حقائق سے آگاہ ہوتا، تو وہ اس کو بتلاتا کہ دُنیا بذاتِ خود مذموم نہیں، اور ایسی چیز کیوں مذموم ہوتی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے احسانِ جملایا ہے:

”... يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ...“ (فاطر: ۳)

ترجمہ: ”تمہیں روزی دیتا ہے آسمان سے (کہ پانی

برساتا ہے) اور زمین سے (یعنی زمین سے نباتات اُگاتا ہے)۔“

بلکہ مذموم یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بغیر حلت کے لے لے، یا اسراف کے طور پر اس میں تصرف کرے، یعنی جو مقدار حاجت سے زیادہ ہو، غرضیکہ اغلاط کی کوئی حد نہیں۔

خطرہ والی جگہ کی طرف اکیلا سفر کرنا شرعاً ممنوع ہے، پھر ماں باپ کو فراق کا صدمہ دینا کبیرہ گناہ ہے، بال بچوں کو تنگ کرنا اور تنگ رکھنا، کئی گناہوں کا سبب ہے، پھر بزرگوں کی تنہائی میں جا کر عبادت سے استدلال کرنا، یہ بھی غلط ہے، ممکن ہے کہ ان پر حقوق واجب نہ ہوں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حرا میں رہنا پہاڑ کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ کے اخراجات سے سبکدوش تھے، کیونکہ وہ مالدار تھیں اور خرچ کی متقاضی نہ تھیں، بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خرچ کیا کرتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند دن کے بعد آیا بھی کرتے تھے۔

بعض سلف نے یہ بیان کیا کہ ہم لوگ عبادت کے لئے پہاڑ میں چلے گئے، تو سفیان ثوری ہمارے پاس آئے اور ہم کو شہر واپس لے گئے۔

بعض زاہدوں کا خیال ہے کہ مباحات کے ترک کرنے کا نام زہد ہے، چنانچہ مال دار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود سوکھی روٹی پر اکتفا کرنا، صوف کا کپڑا پہننا اور ٹھنڈے پانی کو چھوڑنا وغیرہ زہد ہے، حالانکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا طریقہ نہیں ہے، اس لئے کہ جب کچھ نہ پاتے تھے، تو وہ صبر کرتے، اور جب کچھ پاتے تو کھاتے تھے۔

ایک زاہد نے کہا کہ: میں حلوا نہیں کھاتا، کیونکہ شکر ادا نہیں کر سکتا، حضرت حسن بصریؒ نے سنا تو فرمایا کہ: یہ شخص احمق ہے، کیا یہ سرد پانی کا شکر ادا کر لیتا ہے؟ سفیان ثوریؒ جب سفر کو جاتے تو اُن کے دسترخوان پر بھنا ہوا گوشت، مرغ

کا گوشت اور فالودہ ہوا کرتا تھا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ بدن رُوح کی سواری ہے، اس کے ساتھ حسبِ سنت نرمی کرنی چاہئے، تاکہ مقصود کو پہنچ جائے، ایسا نہ ہو کہ جمعہ، جماعت، تہجد، معاملات، تدبیر منزل، آدابِ معیشت و معاشرت اور ملکی سیاست کے قیام و انتظام سے تھک جائے، اور قربِ نبوی و الہی سے محروم رہ جائے۔

ہاں! افراط و تفریط سے بچنا چاہئے، مثلاً: اس قدر پیٹ نہ بھرے کہ پھر دوا کرتا رہے، اور نہ اتنا کم کھائے کہ کھڑے ہو کر نماز بھی نہ پڑھ سکے۔ پھر طبائع مختلف ہوتی ہیں، کوئی جو کی روٹی کھا کر سب کام کر سکتا ہے، اور کوئی گندم کی روٹی کے سوا کھائے گا تو بیمار پڑ جائے گا، لہذا طبیعت کے موافق اور اعتدال کے ساتھ غذا و لباس وغیرہ استعمال کرتا رہے، یہ بھی نہ کرے کہ طبیعت کو مطلقاً طیبات سے محروم رکھے، اور یہ بھی نہ کرے کہ لذائذ میں مستغرق ہو جائے۔

بعض علمائے کرام جیسے حارث محاسبی اور ابوطالب مکی وغیرہا نے لکھا ہے کہ: مباحات و تلذذات سے بالکل روک رکھے۔ یہ بھی نہ کرے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کرام علیہم الرحمۃ والغفران کی اتباع کرے، یہی ہمارے اسلاف اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فرمانِ ذی شان ہے۔

من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ زُہاد و عباد، غذا و لباس میں زُہد کیا کرتے ہیں، مگر حبِ جاہ و مال اور منصب و مرتبہ کے خواہش مند ہوتے ہیں، امیروں اور دولت مندوں کی ملاقات کے منتظر رہتے ہیں، اور ان سے ملاقات کے وقت ایسا عجز و انکسار ظاہر کرتے ہیں، گویا ابھی مشاہدہ سے نکلے ہیں، اور غریبوں کے ملنے سے احتراز کرتے ہیں۔

دورِ حاضر کے زاہد چاہتے ہیں کہ ان کی دین داری کی وجہ سے ان کی عزت

و توقیر ہو، وہ کچھ خریدیں تو دام کم لئے جائیں، ان سے لوگ ملیں تو ان کی دست بوسی و قدم بوسی کریں، اور چاہتے ہیں کہ اپنے دوستوں اور احباب پر اپنے کمال ظاہر کریں، اور لوگوں میں چرچا ہو کہ فلاں بزرگ سب سے منفرد ہے، اور اس کی اغلاط اور جہل سب چھپے رہیں، نہ بالوں میں کنگھی کرتے ہیں، نہ خوشبو لگاتے ہیں، تاکہ زہد کی عزت و ناموس چلی نہ جائے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالوں میں کنگھی بھی کیا کرتے تھے، خوشبو بھی لگاتے تھے، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دل بہلانے کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، گویا یہ زاہد، عابد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت دے، آمین!

بعض زاہد اپنے واسطے کرامت کے ظاہر ہونے کے منتظر رہتے ہیں، اگر کوئی بے چارہ اس زاہد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے، تو اس پر غیظ، غضب اور بددعائیں کی جاتی ہیں، اس لئے کہ اس نے ہتکِ عزت کی۔

بالجملہ شفقت بود سیرت خویش گفت، غرض یہ کہ زاہد پر فرض ہے کہ وہ علماء سے علم سیکھے، اور کسی واثق عالم سے اپنی اغلاط کی اصلاح کیا کرے:

بہما جوہر خود را بہ خرد مند

عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

ترجمہ: "... اپنا جوہر عقل مند کو دکھا، چند گدھوں کی

تصدیق سے عیسیٰ نہیں ہو سکتے۔"

بابِ دہم

صوفیوں کی اغلاط:

واضح ہو کہ صوفیہ بھی زاہدوں میں سے ایک قوم اور گروہ ہے، لیکن چند

صفات و احوال میں صوفیہ اُن سے جدا ہیں۔

تصوف ابتدا میں زُہد کا نام تھا، پھر ان میں سماع، رقص، جذبات اور واردات وغیرہ چیزیں داخل ہو گئیں، اسی لئے وہ زاہدوں سے ممتاز ہوئے، لہذا ان کا بیان بھی علیحدہ کرنا چاہئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مبارک زمانے میں لوگوں کی نسبت ایمان و اسلام کی طرف ہوتی تھی، چنانچہ انہیں مؤمن یا مسلم کہا جاتا تھا، اس کے بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دُنیا سے انقطاع کر لیا اور عبادت کے لئے علیحدہ ہو گئے، اور اپنے لئے چند اخلاق و صفات مخصوص کر لئے اور اپنے لئے ایک الگ طریقہ بنا کر منفرد نام سے ممتاز ہو گئے۔

”صوفی“ یا تو صوفہ اور صوفان کی طرف منسوب ہے، جو حجاج کو حج کراتا تھا، اس کی اجازت سے عرفہ سے منیٰ اور منیٰ سے مکہ مکرمہ کی اجازت ہوتی تھی، یہ اجازت صوفہ کی اولاد میں برابر رہی، یہاں تک کہ عدوان نے لے لی اور عدوان میں برابر چلی آئی، یہاں تک کہ ان سے قریش نے لے لی۔

یا ”صوفی“ کی نسبت اہل صفہ سے ہے، جو کہ فقیر، محتاج اور بے اہل و عیال ایک جماعت تھی، جو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سنتے تھے، جو مل جاتا کھالیا کرتے، لیکن یہ دُرست نہیں، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ”صفی“ کہا جاتا۔ یا ”صوفی“ منسوب ہے ”صوف“ کی طرف، یعنی اُون پہننے والے (اور یہ ہو سکتا ہے)، بہر حال اور بھی بہت سے اقوال ہیں، بہر حال اس قوم کے واسطے یہ نام دو صدی ہجری سے پہلے ظاہر ہوا ہے۔

تصوف: پہلے لوگوں کے نزدیک تصوف اس کا نام تھا کہ نفس کو کوشش و ریاضت سے اخلاقِ رذیلہ: حسد، ریا وغیرہ سے پھیرے اور اخلاقِ جمیلہ جیسے: زُہد، علم، صبر، صدق اور اخلاص وغیرہ عاداتِ حسنہ پر آمادہ کرے، جس سے دُنیا میں مدح اور

آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔

جنید بن محمدؒ نے فرمایا کہ:

”تصوف: ہر بُرے اخلاق سے نکلنا اور نیک خلق میں

داخل ہونے کا نام ہے۔“

اور بعض نے کہا ہے کہ:

”تصوف کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ اور خلقت کے ساتھ

معاملہ صاف رکھنا۔“

متصوفین کی بعض اغلاط:

متصوفین علم سے اس لئے رُکے کہ مقصود عمل ہے، مگر جب علم کا چراغ گل ہوا، تو سب کچھ گم ہو گیا۔ اور بعض نے دُنیا کو کلی طور پر ترک کرنے کو تصوف سمجھا، لہذا انہوں نے بدن کی اصلاح والی چیزیں چھوڑ دیں (جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے)۔ اور بعض نے بوجہ کم علمی کے موضوع حدیثوں پر عمل کیا، اور یہ خبر نہ رکھی کہ اصل صحیح حدیث کیا ہے؟

اور بعض نے فقر، فاقہ، وساوس اور خطرات کو جیسے: حارث محاسبی نے کتابیں لکھی ہیں، اور بعض نے مذہبِ تصوف کو ترتیب دی، اس میں مرقع (فقیروں کی گدڑی)، سماع، رقص اور تالیاں پیٹنا وغیرہ سے اُسے تمیز بخشی، ہاں! کہیں کہیں وہ اعتدال پر بھی رہے اور کہیں عمل سنت سے افراط و تفریط میں پڑ گئے، اور اس کا نام علم باطن رکھا۔

بعض صوفیہ حلول کے قائل ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں میں رُبوبیت کے معنی سے حلول کیا ہے، یعنی ان میں داخل ہوا، اور اُن سے

بشریت کو زائل کر دیا۔ اور بعض الحاد میں پڑ گئے، اسی طرح شیطان ان کو انواع و اقسام کی بدعتوں سے بہکاتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لئے نئی سنتیں قرار دیں۔
ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ:

”جو نکتہ دل میں آئے اس کو قبول نہیں کرنا، جب تک

کہ دو شاہد عدل: کتاب و سنت اس کی شہادت نہ دیں۔“

ابویزید بسطامی نے فرمایا کہ:

”کسی کی کرامتوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے، گو وہ

ہوا میں دوزانو بیٹھا رہے، جب تک کہ اس امر کو نہ دیکھو کہ

امر و نہی اور حدود شرعی کی نگہداشت میں اس شخص کی کیا

کیفیت ہے؟“

ابویزید فرماتے ہیں:

”جو شخص قرآن کی تلاوت، شریعت کی حمایت،

جماعت کا لزوم، جنازہ کے ساتھ چلنا اور مریضوں کی عیادت کرنا

چھوڑ دے اور احوال باطنی کا دعویٰ کرے، وہ بدعتی ہے۔“

وغیر ذالک من اقوال الکرام رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اوائل صوفیہ کرام کا اعتماد کتاب و سنت پر تھا، بعد میں شیطان نے ان کی کم

علمی کے باعث انہیں فریب دیا۔

قسم بخدا! ان کی غلطیاں بیان کرنے سے مقصود حدود شریعت کی حفاظت کرنا

ہے، اور بس!

اور یہ بھی یاد رکھیں! کہ بسا اوقات انسان، اولیاء اللہ اور اہل جنت میں سے

ہوتا ہے، وہ کبھی سہواً اور کبھی کم علمی سے غلطیاں بھی کرتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت

سے ان کو معاف فرمائیں گے، مگر ہمارا ان کی ان کوتاہیوں کو بیان کرنا، ان پر نکتہ چینی کی غرض سے نہیں، بلکہ اس کی غرض صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم اور آپ ان غلطیوں سے بچ جائیں۔

صوفیہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مال سے علیحدہ ہو گئے، اگر تو کفایتِ معاش کی مقدار مال کو چھوڑا یا ان کو ایسا کسب آتا تھا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے محتاج نہیں تھے، یا سارا مال اس لئے خرچ کر دیا کہ اس میں شبہ تھا، یا بال بچوں کا اپنا مال تھا، جس سے وہ کھا سکتے تھے، تو ان پر کچھ ملامت نہیں۔

لیکن اگر کفایتِ معاش کی کوئی جائز صورت نہیں ہے، تو سارا مال اڑا دینا گو خیرات میں ہی کیوں نہ ہو، مذموم و ممنوع ہے۔ صوفیہ کرام نے مال کے دفع کرنے میں جن حدیثوں سے استدلال کیا ہے، وہ اکثر ضعیف ہیں، اور ان کے جوابات واضح طور پر امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ”تلبیس ابلیس“ باب دوم میں دیئے ہیں، وہاں ضرور دیکھ لیں۔

ہاں! اس امر کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مال جمع کرنے میں فتنہ کا خوف ہے اور مال کے ہوتے ہوئے دل کا آخرت کی یاد میں مشغول ہونا شاذ و نادر ہے، مگر بقدر کفاف مال حاصل کرنا ضروری ہے، لیکن مال کا بڑھانا اگر فخر و نمود کی نیت سے نہ ہو، بلکہ نیک کاموں کو سرانجام دینے کے لئے ہو، تو بہت سی عبادتوں سے افضل ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مال جمع کرنے میں بُرا مقصود ہو، یا ناجائز طریقے سے جمع کیا جائے۔ بہر حال مال فی نفسہ بُرا نہیں، اس لئے کہ اگر مال نہ ہو تو کوئی کام نہیں ہو سکتا، نہ جہاد، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ مسجد کی تعمیر، نہ یتیم پروری، نہ بیوہ کی خبرگیری، نہ علم پڑھنا اور پڑھانا، نہ ماں باپ، پیر اور اُستاد کی خدمت وغیرہ وغیرہ۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

اس زمانے میں مال ایک ہتھیار ہے، سلف کرام ہمیشہ مال کی تعریف کیا کرتے تھے، اور زمانے کی آفات اور حوادث سے بچنے کے لئے جمع کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو سال بھر کا خرچ دے دیتے تھے، لہذا توکل کا معنی خدا تعالیٰ پر اعتماد کرنا ہے، نہ کہ مال اور اسبابِ عادیہ کو دُور کرنا، لہذا مال بھی ہو اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد بھی، اور یہ دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں۔

اوائلِ صوفیہ ورع اور زہد کی وجہ سے مال سے علیحدہ ہوتے تھے، اور متاخرین صوفیہ میں سے اکثر حضرات کسب کی پوری قوت کے باوجود لنگر خانہ یا مسجد کو اس لئے اختیار کرتے ہیں تاکہ کمانا نہ پڑے، اور فقر کی شہرت ہو، اسی لئے تو راشی اور ظالم کی خیرات کو بھی رد نہیں کرتے، امیروں کی مجالست، موانست اور محبت کو نعمتِ عظمیٰ اور خدا تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں، اور اس کا نام فتوح یعنی خدا تعالیٰ کا عطیہ رکھا ہے، جس کو رد نہیں کیا جاسکتا، (حالانکہ یہ سب خلافِ شرع ہے)۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتبہ چیز کھانے

سے منع فرمایا ہے۔“

ایک صوفی کسی ظالم امیر کے پاس گیا، جا کر امرِ معروف کیا، جب اس امیر نے کچھ دیا، تو صوفی نے لے لیا، اس پر امیر کہنے لگا کہ: ہم سب لوگ شکاری ہیں، مگر ہر ایک کے جال مختلف ہیں۔

ایک شخص کسی بزرگ سے ملنے گیا، وہاں شیخ کے بارے میں پوچھا، تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں امیر کو خلعت ملنے کی مبارک باد دینے کے لئے گئے ہیں، اور وہ امیر مشرک و ظالم تھا، وہ شخص یہ قصہ سن کر متعجب ہوا، اور کہنے لگا کہ: (مکر کے لئے) کیا یہ

کافی نہ تھا کہ دکان کھول رکھی ہے؟ ظالم امیر کے پاس گئے تاکہ مکر فروشی کریں۔
یاد رکھنا چاہئے! کہ تصوف فنا، بقا، سکر اور صحو کی تقریریں کرنے کا نام نہیں،
یہ تو علم ہے، بلکہ تصوف قرآن کریم اور حدیث شریف کے الفاظ، معنی اور حقیقت سے
رنگے جانے کا نام ہے، اسی کا نام صبغۃ اللہ ہے، اَللّٰهُمَّ اِزْزُقْنَا بِفَضْلِكَ، اٰمِیْن! نیز
واضح ہو کہ اصل نیکی اعتقادِ صحیح اور عملِ صادق ہے، نہ کہ بلا عمل معارف، معارج اور
مدارج کی تقریریں!

لباسِ شہرت:

بعض صوفی لباسِ شہرت یعنی مرقع (گدڑی) پیوند لگا کر پہنتے ہیں، تاکہ
صوفی اور بزرگ سمجھے جائیں، اور اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ بزرگ ایسا لباس
پہنا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ان صوفیہ کو مغالطہ ہوا ہے، اس لئے کہ وہ بزرگ
تو صرف ضرورتاً پیوند لگاتے تھے، مگر اب بے ضرورت پیوند لگائے جاتے ہیں، نیز اس
میں فقر و افلاس کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض صوفی اپنی صوفیت دکھانے کے
لئے رنگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، جبکہ پہلے لوگ رنگین کپڑے، محض اس لئے پہنا
کرتے تھے کہ ان کو صابن وغیرہ کی طاقت نہ تھی، جبکہ اب دکھانے کے لئے یہ سب
کچھ کیا جاتا ہے، فافہم!

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

خدا تعالیٰ کھوئے، ان کم بختوں کو! کہ ان کو کیا ہو گیا؟ کہ وہ اپنے دلوں میں
تو کبر و غرور پوشیدہ رکھتے ہیں، مگر لباس میں عجز و تواضع ظاہر کرتے ہیں، خدا کی قسم!
ان لوگوں کو اپنے اس لباس پر اس سے بھی زیادہ غرور ہے، جتنا کہ دوشالے والے کو

اپنے دو شالے پر۔ سلف صالحین اوسط درجے کا لباس پہنا کرتے تھے، جمعہ، عید اور بھائیوں کی ملاقات کے لئے جاتے تو نفیس لباس اختیار کرتے تھے۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار درہم کا ایک حدّہ مول لیا، اور وہ اس کو پہن کر تہجد ادا کیا کرتے تھے۔

محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نامی ایک بزرگ سے مروی ہے کہ: مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اُونچے درجے کا لباس پہنا کرتے تھے۔

عیب ناک لباس وہ ہے جس میں زُہد و افلاس کا اظہار پایا جائے، ایسا لباس گویا خدا تعالیٰ کی شکایت کا ذریعہ اور پہننے والے کی حقارت کا سبب ہے۔

سماع اور رقص کے بارے میں اغلاط:

ابو جعفر طبری نے بیان کیا ہے کہ:

جس شخص نے لہو و لعب کی چیزوں کو سب سے پہلے نکالا ہے، وہ ثوبان ہے، اس کے زمانے میں ہی مہلائیل بن قینان نے آلاتِ لہو جیسے: بانسری، طبل اور عود وغیرہ ایجاد کئے تھے، قابیل کی اولاد لہو و لعب میں پڑ گئی، تو آخر الامر فواحش اور شراب پینے تک معاملہ جا پہنچا۔

جاننا چاہئے کہ جسمانی لذات کے آلات میں ایسی چیز رکھی گئی ہے کہ ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری لذت کی چیز حاصل ہوتی ہے، ابلیس نے پہلے گانے بجانے میں لذت دکھائی، پھر طنبور وغیرہ سے، اور آخر میں شراب، زنا اور دیگر فواحش وغیرہ تک پہنچا کر کفر و شرک میں مبتلا کر دیا۔

فقیہ و سمجھ دار وہ ہے جو اسباب و نتائج پر غور کرے، مثلاً: اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو اُمرد یعنی بے ریش لڑکے اور تین سال سے کم عمر لڑکی کو دیکھنا اور چومنا جائز

ہے، اور اگر شہوت کا خوف ہو، تو حرام اور ممنوع ہے۔

اسی طرح محض اچھی آواز اور صحیح کلام سننا جائز ہے، اور اگر یہ ذکر اللہ اور باجماعت نماز سے روکے، اور فواحش تک پہنچائے تو ممنوع ہے، کیونکہ وہ معصیت و گناہ کو متضمن ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تمام انسانوں کی طبیعتیں مشترک اور مساوی ہیں، کبھی بھی مختلف نہیں ہوتیں، اگر کوئی جوان سلیم البدن، صحیح المزاج آدمی دعویٰ کرے کہ حسین و خوبصورت شکلیں دیکھنے سے وہ بے قرار نہیں ہوتا اور اس کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس کے دین میں خلل نہیں آتا، تو ہم ایسے شخص کو جھوٹا کہیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ راگ باجا اور محبت کے عشقیہ اشعار سننے سے اس کے دل پر اثر نہیں ہوتا، تو یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ہر طبیعت اپنے مطمح نظر اور محبوب کی طرف اشعار کو منطبق کرے گی، اسی سے لذت پائے گی، شوق بڑھائے گی، پھر جان، مال، عزت اور آبرو قربان کرے گی، کیا آج کی دنیا کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں شیفتہ اور فریفتہ ہیں؟ کیا نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک دوسرے کو دیکھنے، اور اشعارِ عشقیہ سننے سے محبت صحیحہ مقبولہ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بڑھے گی؟ اور رحمت الہیہ کی بارش ہوگی؟

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ہمارا قلب مصنوع سے صانع اور مخلوق سے خالق کو دیکھتا ہے، تو کیا صانع کی صنعت نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں ہی میں منحصر ہے؟ اگر ایسا ہے تو کسی اور مصنوع پر عاشق کیوں نہیں ہو جاتا؟

نیز مسلم و مؤمن اور ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے پر واجب اور لازم ہے کہ فرمانِ قرآنی اور سنتِ نبوی پر جان دے دے، نہ کہ طبیعت و ہوائے نفسانی کے

پیچھے چلے، لہذا جب شرعاً غیر محرم کو دیکھنا ممنوع ہے تو کیوں پرانی عورت یا امرد کو تاکتا ہے؟ اللہ ورسول سے حیا نہیں کرتا؟

آلاتِ لہو سے اشعار سننا اجماعاً ممنوع ہے، اور ویسے زبانی غلط اشعار سننا بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ چیزیں مبادیٰ زنا ہیں، اور جو چیز حرام کا سبب ہو، وہ بھی حرام ہوا کرتی ہے، کیا ایسی حالتِ شہوانیہ میں ان چیزوں کا سننا کتبِ تصوف میں حرام نہیں لکھا؟ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

وہ اشعار جن میں خوفِ خدا ہو اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح صحیح مدح و ثنا، تعریف اور گناہوں سے زجر ہو، ان کو آلاتِ لہو کے بغیر اچھی کیفیت سے سننا درست اور محمود ہے، مثلاً:

إِذَا مَا قَالَ لِي رَبِّي
أَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصُمِي
وَتُخْفِي الذَّنْبَ مِنْ خَلْقِي
وَبِالْعِضْيَانِ تَأْتِينِي

ترجمہ:.... ”جب مجھے میرا خدا فرمائے گا کہ: تجھے میری

نافرمانی کرتے شرم نہ آئی؟ تو میری مخلوق سے گناہوں کو چھپاتا

تھا، اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا۔“

اگر کوئی یہ بہانہ کرے کہ طرب انگیز اشعار (نشاط میں آکر ناشائستہ حرکات کرنے کا نام ”طرب“ ہے) اور ایسے اشعار جو دنیا اور عورتوں کی محبت پیدا کرنے والے ہوں، مجھ پر اثر نہیں کرتے، تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے، کیونکہ تمام انسانوں کی طبیعت یکساں ہے، جو طرب انگیز اشعار و کلام سے طرب ناک ہوگی اور نفرت والے کلام سے اس میں نفرت پیدا ہوگی، کیونکہ انسان بہر حال ہر بیٹھے، کھٹے، لذیذ اور

مطرب وغیرہ سے متاثر ہوگا، ہاں اگر کوئی گدھا ہے، تو گدھا ہی رہے گا اور اس سے متاثر نہیں ہوگا۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ راگ باجا سننا مذاہب اربعہ میں حرام ہے، گو ذکر الہی تعالیٰ کا محرک ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے، اس کی حرمت پر احادیث صحیحہ اور آثار کثیرہ وارد ہیں، یہ چھوٹا سا رسالہ اُن کی تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

بعض صوفیہ نے غزل، قافیہ بند اشعار کو جو جائز رکھا ہے، اس سے راگ باجے والا کلام مراد نہیں ہے، بلکہ زبان سے صحیح اشعار سننا مراد ہے، اور آج کل کے متصوفین کے ہاں اس کے جواز کی چند وجوہ ہیں، مثلاً:

۱:۔۔۔ ایک یہ کہ ایسا کرنے سے دُنیا میں ولی مشہور ہوگا۔

۲:۔۔۔ دوم یہ کہ عوام و خواص اور مرد و زن کا انبوه و اجتماع ہوگا، نذر و نیاز خوب آئیں گی، پیری کا سلسلہ خوب پھیلے گا، بلکہ نسلوں تک جائے گا، عوام اس سے جواز کی دلیل پکڑیں گے، خلاف سنت کا خوب ڈنکا بجے گا، اور آج کل تو سنت کے خلاف کرنے میں دولت، عزت، شوکت اور شہرت ہے ہی، معاذ اللہ!

یاد رکھنا چاہئے کہ راگ باجے کے سننے کو، خصوصاً بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے زُلف، رُخسار اور حسن پر مشتمل اشعار کو اُمتِ مرحومہ اور تمام علمائے راسخین نے حرام فرمایا ہے، محض زبانی اشعار سننے کو مباح کہا ہے، مگر گناہ و معصیت کی رغبت نہ دلانے، اور نیکی کی رغبت دلانے والے اشعار سننے کو مستحسن کہا ہے، پھر اگر کوئی شخص حرام یا کراہت والی چیز کو موجب قرب الہی سمجھے، تو یہ کفر ہے، مگر افسوس! کہ آج کل کے متصوفین تو راگ باجے والے سماع کے موجب قرب خداوندی، مشاہدہ حق، تجلی ذات، صفات یا افعال الہی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے، آمین!

آج کل کے صوفیہ کے عجائبات:

موجودہ دور کے صوفیہ وجد و طرب میں خوب اُچھلتے کودتے ہیں، اسی حال میں کسی کو پکڑ لیتے ہیں، ان کے مذہب میں یہ جائز نہیں کہ جس کو پکڑا اور کھینچا جائے، تو وہ بیٹھا رہے، اسی طرح دوسرے سب بھی کھڑے ہو جاتے ہیں، اور سرنگا کرتے ہیں، اگر کوئی سرنگا نہ کرے، تو معیوب و معنوب سمجھا جاتا ہے، اسی کو قرب الہی سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی عاقل پر مخفی نہیں کہ سرکھولنا قبیح، آدمیت سے دُوری اور ترکِ ادب ہے، صرف مناسک حج میں اللہ تعالیٰ کے آگے اظہارِ عبودیت اور عاجزی کے لئے احرام میں سرنگا کرنا چاہئے، اور بس!

بعض صوفی کپڑے وغیرہ گانے والے پر پھینکتے ہیں، کبھی سالم اور کبھی پھاڑ کر، اور ارشادِ الہی: "وَالْقَسَىٰ الْأَلْوَاخَ" (الاعراف: ۱۵۰) سے اس پر استدلال کرتے ہیں، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توراہ کی تختیوں کو زمین پر رکھنے کے لئے ڈالا تھا، نہ کہ توڑنے کے لئے۔ پھر اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بے خود تھے، اور یہ لوگ ہوش میں ہوتے ہیں۔

نیز دورِ حاضر کے صوفیہ کا ذوق و مذہب ہے کہ وہ توبہ و استغفار کے وقت سرکھول دیتے ہیں، حالانکہ یہ بھی بدعت ہے، اگر کسی نے سرکھولنے والے طریقے کو دُرست نہ سمجھا تو اس پر تاوان لگاتے ہیں۔

بعض صوفیہ حضرت کعب بن مالکؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے توبہ قبول ہونے کے وقت سارا مال دے دیا تھا، لہذا قبولِ توبہ کے وقت سارا مال لٹا دینا چاہئے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ مقبولیتِ توبہ کے شکر یہ میں حضرت کعب بن

مالکؒ نے خود بخود سارا یا اکثر مال خیرات کیا تھا، نہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، اب بھی اگر کوئی اپنا سارا مال خیرات کر دے، تو درست ہے، مگر توبہ کی سنت نہ سمجھے، اور نہ ہی کوئی دوسرا، مثلاً: شیخ یا دوست اس کو واجب کرے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جیسے کوئی شریعت سے کھیل رہا ہو۔

من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ ہے کہ بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب صورتوں جیسے: بے ریش لڑکے یا عورت وغیرہ میں حلول کرتا ہے، اور اسی کو رُبوبیت کے معانی سے ایک معنی سمجھتے ہیں، اور اسی کو مشاہدہ حق کہتے ہیں، اور اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”تم خیر کو اچھی صورتوں کے پاس طلب کرو۔“

حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے، کذا فی تلخیص ابلیس، اسی لئے یہ ”نیک بخت“ لڑکوں اور عورتوں کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں، معاذ اللہ!

من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ شہزادوں کے پاس آتے جاتے ہیں، حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”تم شہزادوں کے پاس نہ بیٹھو، کیونکہ ان کا فتنہ دوشیزہ

لڑکیوں کے فتنے سے بھی سخت ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

عبدالعزیز بن ابی السائبؒ سے منقول ہے، وہ کہتے تھے کہ:

”میں عابد شخص پر ایک امر لڑکے کے بارے میں ستر

لڑکیوں سے بھی زیادہ ڈرتا ہوں۔“

ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے ابو بکر رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

”صوفیہ کی آفتیں نوجوانوں کی صحبت، ناجنس کی ہم

نشینی اور عورتوں کی رفاقت میں پائیں گے۔“

من جملہ اغلاط صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ صوفیہ ترک اسباب اور ہر چیز کے ترک کو توکل کہتے ہیں، وہ لوگ صرف اسی کو توکل کہتے ہیں کہ انسان انجامِ نبی کو ترک اور اپنی حفاظت کو چھوڑ دے، اور کسی احتیاط و احتراز سے کام نہ لے، جبکہ علمائے کرام کے نزدیک یہ چیز توکل نہیں، بلکہ عجز و تفریط ہے۔

کیونکہ توکل یہ ہے کہ انسان کا دل فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اور اسبابِ عادیہ ضرور یہ کو بھی ترک نہ کرے، جیسے اولاد کے لئے شادی کرنا، قوامِ بدن کے لئے کھانا پینا، اور تحصیلِ علم کے لئے پڑھنا، وغیرہ، ہاں! اسباب پر سہارا نہ ہو، بلکہ سہارا محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو، جیسے کفار سے جنگ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلاتِ جہاد کا اہتمام فرمایا، بدنِ مبارک پر خود وزرہ پہنی، صحابہ کرام سے مشاورت کی: ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ (اصحاب سے مشورہ کرو)، ”وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ“ (اپنے ہتھیاروں اور بچاؤ کو لازم پکڑو)، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہتھیار پہنے اور صحابہ کو ہتھیار لگانے کا حکم دیا، خلاصہ یہ کہ توکل بھی ہو اور اسباب بھی ساتھ ہوں، اس میں منافات نہیں، کیونکہ اسبابِ حکمِ الہی، ارشادات و سنتِ نبوی پر عمل کا حیلہ، اور توکل اسباب سے نظر اٹھا کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔

اور من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ صوفیہ کے دل میں عجز و نیاز اور خشوع و خضوع ہو یا نہ ہو، مگر وہ سر جھکائے رکھتے ہیں، حالانکہ خشوع دل کی نیاز کا نام ہے، نہ کہ سر جھکائے رکھنے کا، نیز دل کی نیاز، اپنی عبدیت اور اپنی ناکارہ حالت پر نظر کئے بغیر سر جھکانے سے نہیں ہو سکتی، ہاں! سر جھکانے، نیاز کا اثر منہ پر لانے، میلے کھیلے

کپڑے پہننے اور نیاز مندانہ الفاظ منہ سے نکالنے میں زہد، ولایت اور کمالات کا اظہار، شہرت کا سبب اور نمود کا حیلہ ہے، تاکہ لوگ بڑا زاہد سمجھیں اور دوڑ کر مصافحہ میں ہاتھ چومیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس صوفی کے پاس لوگ آ کر کہتے ہیں کہ: ہمارے لئے دُعا کرو، ہمارے لئے دُعا کرو، اور یہ صاحب ہر ایک کے لئے ہاتھ اٹھا رہا ہے، گویا یہ اجابت نازل کرنے کا ٹھیکہ دار ہے، غرض میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں سے دُعا کی التجا ناجائز ہے، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ ایسی حالت بنانا کہ دل میں عجز و نیاز نام کو نہیں، مگر نیاز نہ ہوتے ہوئے بھی دُعا میں ہاتھ اٹھاتے جانا گویا اجابت کا نازل کرنا، حاجت روائی و مشکل کشائی کرنا اور اپنی خیر خواہی دکھلانا ہے، ایسا انداز اگرچہ ظاہر میں انکساری ہے، مگر حقیقت میں نفاق ہے۔

اس عرض کا مقصد اس رُوحانی مرض کا اظہار و علاج ہے، نہ کہ دُعا منگوانے یا مانگنے سے روک تھام ہے، کیونکہ جس شخص نے اپنے دل کے خشوع سے زیادہ لوگوں کے سامنے خشوع کا اظہار کیا، تو اُس نے نفاق پر نفاق ظاہر کیا۔

تنہا اور بغیر اسباب کے سفر کرنے میں اغلاط:

اکثر صوفیہ سیر و سیاحت اور سفر تنہا کرتے ہیں، پھر نہ تو اُن کا کسی مقام کا ارادہ ہوتا ہے، نہ طلب علم کی نیت اور نہ جہاد کا ارادہ، پھر وہ اس حرکت سے توکل کا دعویٰ کرتے ہیں، چنانچہ اُن سے اکثر فرائض اور فضائل فوت ہو جاتے ہیں، اور ایسی سیاحت کو ولایت کا سبب سمجھتے ہیں۔

جبکہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے کہ زمین میں سیاحت

کروں، تو حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری

اُمّت کی سیاحت جہاد اور حج و عمرہ ہے۔“
 رہا تنہا سفر کرنا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع کیا
 ہے، اور فرمایا کہ:

۱:.... ”اگر لوگ تنہائی کا نقصان سمجھتے تو کبھی کوئی شخص

رات کو تنہا نہ نکلتا۔“ (مشکوٰۃ ص: ۳۳۸ بحوالہ بخاری)

۲:.... ”سفر ایک عذاب کا ٹکڑا ہے، جب تم سفر میں اپنی

حاجت پوری کر چکو، تو جلدی اپنے گھر واپس آؤ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۳۳۹ بحوالہ بخاری و مسلم)

لہذا جو شخص سفر کو اپنا شیوہ اور عبادت بنا لے، وہ اپنی جان کو عذاب میں ڈالتا
 ہے، یاد رکھو! قربت الہی امر مشروع میں ہے، نہ کہ ممنوع میں۔

من جملہ اغلاط صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: کسی کی موت پر رونا
 نہ چاہئے، حالانکہ خلاف فطرت بات ہے، ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ تقدیر پر راضی
 نہ رہنا اور ہاتھ پاؤں کو کوٹنا، سر کے بال کترانا، نوحہ کرنا چلانا، دوسروں کو رولانا، گوشت
 نہ کھانا، شادی کی رسم کا ترک وغیرہ وغیرہ یہ امور ممنوع ہیں، اور ویسے فراقِ اقرباء و
 احباء پر غم کا آنا، آنسو بہنا اور غم کا کوئی کلمہ نکل جانا جیسے: ”يَا اَسْفَى عَلٰى يُوْسُفَ،
 وَابْيَضَّتْ عَيْنَا“ اور جیسے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت
 پر ”وَ اَكْرَبَّ اَبَا“ کہا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کی
 موت پر آنسو بہائے اور فرمایا: ”اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ“ (آنکھیں آنسو
 بہاتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے)، یہ چیزیں محمود ہیں، اور یہ جسم کا حق ہے، جسے ادا کیا
 جائے، اور رُوح کا حق رضا بالقضاء ہے، جو پورا ادا ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے حضرت ابراہیمؑ یعنی اپنے بیٹے کی موت پر فرمایا: ”وَلَا نَقُولُ اِلَّا بِمَا يُحِبُّ

وَيَرْضَىٰ“ (اور نہیں کہتے ہم، مگر وہ کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا ہے)، عارفِ کامل وہی ہے جو جسم کا حق بھی ادا کرے کہ آنسو آئیں، اور رُوح کا حق بھی ادا کرے کہ رضا بالقضا ہو، سبحان اللہ! وہ بھی پورا اور یہ بھی۔

من جملہ اُن اغلاط کے یہ بھی ہے کہ کسی کے مرجانے کے بعد ایک دعوت کرتے ہیں جس کا نام ”عرس“ رکھتے ہیں، اس میں گانے گاتے ہیں، رقص کرتے ہیں، کھیلتے کودتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ہم اس بات کی خوشی مناتے ہیں کہ میت اپنے پروردگار سے جا ملی۔

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ علم اور علماء سے نفرت رکھتے ہیں، علماء کی مذمت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: علم میں مشغول ہونا بے کار و بے سود ہے، اور کہتے ہیں کہ: ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں۔ غالباً جب انہوں نے دیکھا کہ علم کا حاصل کرنا دشوار ہے تو انہوں نے کوتاہ یا لمبے، صوفیانہ پیوند لگے کپڑے پہنے، لوٹا ساتھ رکھا اور زُہد کا اظہار کیا:

خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم!

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے!

یاد رکھنا چاہئے! کہ علم ایک چراغ ہے، اُسے حاصل نہ کیا تو چراغ ہی نہ رہا، اور چراغ ہی نہ ہو تو سب کچھ کس کام کا؟ پھر کہتے ہیں: ”علم کا مقصد عمل ہے“ لیکن سوال یہ ہے کہ جب علم صحیح نہیں، تو عمل صحیح کیسے آئے گا؟ نیز کہتے ہیں کہ: ”علم وہ ہے جو بذریعہ باطن آئے۔“

حالانکہ علم باطن وہ ہے جو ہو اس نفسانی و شیطانی ہوں اُن ہو اس کا پتا بھی علم سے لگتا ہے، جب علم نہ ہوگا، تو ان میں امتیاز کیسے ہوگا؟

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ حقیقت و شریعت میں فرق کرتے

ہیں، حالانکہ یہ قول اس کے قائل کی نادانی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ شریعت سب کی سب حقائق ہیں، اگر اس سے مراد عزیمت و رخصت ہے تو وہ دونوں شریعت ہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ قانون پر عمل کرنا شریعت ہے، اور تمام آداب سے اُسے بجالانا حقیقت ہے، مثلاً: نماز میں قیام، رُکوع سجدہ وغیرہ کا ادا کرنا شریعت ہے، اور اس میں خشوع و خضوع کا ہونا حقیقت ہے، پھر اس حقیقت کے اعلیٰ درجہ کا نصیب ہونا، یعنی اس طرح ادا کرنا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، یا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ حقیقت کا اعلیٰ درجہ ہے، مگر یہ بھی شریعت ہے۔

اور تمام دن، روزہ کی نیت سے کھانے، پینے اور جماع کے ترک کرنے کا نام روزہ ہے، اور اس سے نفسانیت کا دفع کرنا یہ حقیقت ہے، تو یہ بھی شریعت ہے، اسی طرح زکوٰۃ، حج وغیرہ ہر دو چیزیں شریعت ہیں، غیر نہیں، پس شریعت و حقیقت ایک ہی چیز ہے نہ کہ دو چیزیں، صرف سمجھ کا فرق ہے، بس اسی طرح شریعت و طریقت ایک ہی چیز ہے، اصطلاح تصوف میں اخلاقِ رذیلہ جیسے: حسد، کبر، ریا وغیرہ کے دفع کرنے، اور اخلاقِ حمیدہ جیسے: شکر، توکل، تفویض، تسلیم وغیرہ کے حاصل کرنے کو طریقت کہتے ہیں، اور یہ بھی شریعت ہی ہے، مگر جہال صوفیہ علیحدہ علیحدہ نام رکھ کر جہال کو دھوکا دیتے ہیں، اور یہ سب چیزیں کتب تصوف میں صاف صاف موجود ہیں، مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہیں۔

ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

”میں نے ابوسعید خزار سے سنا ہے کہ: جو باطن خلاف

شریعت ہے، وہ باطل ہے۔“

سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

”سیاہی کو سفیدی پر نگاہ رکھو، (یعنی علم کو)، اور جو شخص

ظاہر کو چھوڑے گا، ضرور زندیق ہو جائے گا۔“

ان کی من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ متصوفین نے قرآن و حدیث کے معانی کو اپنی عقل و فہم پر لانے کی سعی کی، اور صحیح روایات کو بالائے طاق رکھا، کبھی تفسیر میں گفتگو کی، کبھی حدیث میں، کبھی فقہ میں، اور کبھی دوسرے علوم میں، مگر بغیر سند کے کلام کیا، اور سند بیان کی تو موضوع یا ضعیف، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صوفیوں کی سند میں تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے، اگر یہ لوگ کوئی کلام یا معنی یا مطلب بیان کریں، تو دیکھا جائے کہ اگر متقدمین ثقات کی روایات کے مطابق ہے، تو قبول کیا جائے، وگرنہ نہیں، قیامت میں ہم سے وہی پوچھا جائے گا جو ظاہر قرآن و حدیث میں ہے، دقائِق و حقائق کا سوال ہم سے نہ کیا جائے گا، ضرور یاد رکھیں!

ان کی من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ ان میں سے بعض سے بڑے بڑے دعویٰ ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ: میں چاہتا ہوں کہ قیامت قائم ہو اور میں اپنا خیمہ دوزخ پر نصب کروں، پھر جب کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیوں کرو گے؟ تو کہا کہ: میں جانتا ہوں کہ جب دوزخ مجھے دیکھے گی تو سرد ہو جائے گی، لہذا میں مخلوق کے لئے رحمت ہو جاؤں گا۔

جاننا چاہئے کہ علم تو خوف، کسرِ نفسی اور کثرتِ سکوت کا باعث ہوتا ہے:

”إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“ (فاطر: ۲۸)

اللہ سے تو عالم ہی ڈرتے ہیں۔

علمائے سلف سے جب کوئی کلماتِ طیبات سنو گے تو اُن پر خوف غالب

پاؤ گے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ کہتے تھے کہ:

”کاش میں مؤمن کے سینہ کا ایک بال ہوتا!“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نزع کی حالت میں کہا کہ:

”اگر عمر نہ بخشا گیا تو اس پر افسوس ہے!“

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے موت کے وقت حضرت حماد رحمہ اللہ سے کہا کہ:

”کیا تم اُمید کرتے ہو کہ مجھ جیسا شخص بخشا جائے گا؟“

یاد رکھنا چاہئے! کہ ”عبد“ اور ”رَب“ دو مقابل کی چیزیں ہیں، جس کو ”عبد“ کہا جاتا ہے وہ ”رَب“ نہیں ہو سکتا، اور جو ”رَب“ ہے، اس میں عبدیت نہیں ہو سکتی، اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باجماع سب مخلوق سے افضل و اکرم ہیں، مگر ان کا لقب اور کمال بھی عبدیت میں ہے، چنانچہ تمام اُمت کو نماز میں: ”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ پڑھنے میں بھی ان کی عبدیت کے اعلان کا حکم دیا گیا، اسی طرح معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو عبدیت سے بیان کیا گیا، چنانچہ فرمایا: ”سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا... الخ“، اور عبدیت وہ ہے کہ جس میں دعویٰ نہ ہو، اور ”عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ کا اظہار بھی بحکم رب تعالیٰ ہے، پس انسانیت کا کمال عبدیت میں ہے، اور عبدیت میں دعویٰ نہیں ہوتا، اور جو بغیر اذن مدعی ہے، اس میں عبدیت ناقص ہے، بلکہ اس میں رُبوبیت کے آثار میں سے انسانیت کا دعویٰ موجود ہے، لہذا وہ کامل نہیں، اور جس انسان کو کمال نصیب ہوگا، وہ کمال عبدیت ہی سے آئے گا، اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کنار عبدیت سے ہی حصہ عطا ہوا ہوگا، پس فانی فی اللہ اور باقی باللہ میں دعویٰ کہاں ہوگا؟ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ترساں و لرزاں ہوگا، فافہم!

یاد رکھنا چاہئے! کہ من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سخت مجاہدہ و مشقت میں ڈالتے ہیں، کوئی تو ہمیشہ ٹھنڈا پانی نہیں پیتا، کوئی ساری رات

نہیں سوتا، کوئی سخت سرد پانی میں اپنے آپ کو گرا دیتا ہے، کوئی شادی کرنے سے اجتناب کرتا ہے، وغیر ذالک۔

حالانکہ مجاہدہ وہ مقبول ہے جو سنتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو، اسی سے خودی مٹتی ہے، اسی میں مقبول نورانیت ہے اور بس! لہذا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے کو اپنی زندگی کا نظام بناؤ، وگرنہ خیر نہیں۔

صوفیوں کی اغلاط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بدنام کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کی نظر سے گرجائیں اور جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے سلامت رہیں، خبردار! شریعت کی مخالفت کر کے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنا رُتبہ بڑھایا نہیں، گرایا ہے، اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عزت: ”وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ“ (المنافقون: ۸) کو مٹایا ہے، پھر کیا جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے بچنا خلاف شریعت سے ہی میسر آتا ہے؟ بلکہ اپنی اغلاط کو سوچتے رہنے سے بھی کبر، غرور اور عجب دفع ہو سکتا ہے۔ من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ علم شریعت کو حجابِ اکبر کہتے ہیں، جو قطعاً درست نہیں! بلکہ علم شریعت سے دونوں جہان کی سعادت و سیادت میسر آتی ہے، اور ربّ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، مبدأ و معاد کا پتا چلتا ہے، اپنی نفسانیت کا علم ہوتا ہے، اور انسان کی انسانیت کا حصول و فروغ بھی علم ہی سے ہے، ہاں! اگر کوئی علم شریعت سے دین فروشی کرے، ربّ تعالیٰ کو ناراض کرے، یا حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت و فرمان کے خلاف کرے، تو وہ علم بے شک حجابِ اکبر ہے، یا اسی طرح اگر ”الْعِلْمُ حِجَابٌ اَكْبَرٌ“ کا یہ مفہوم لیا جائے کہ علم غفلت اور جہل سے حجاب ہے تب بھی صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم!

ان کی من جملہ اغلاط سے یہ بھی ہے کہ ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کا تعلق خلقت سے، تبلیغ سے، تلقین سے اور جہاد سے ہے، اور

ولایت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور یکسوئی و استغراق سے ہے، لہذا ولایت نبوت سے افضل ہے۔

اس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ ولایت نبوت کا ظل اور سایہ ہے، اور نبوت اصل ہے، بھلا ظل کو اصل پر کیسے فضیلت؟ ولایت نبوت کا ظل اس لئے ہے کہ ولی کے لئے اتباع نبی ضروری ہے اور ولی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک فرمان نبی پر نہ چلے، چنانچہ وہ نبوت کی عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، اعتقادات وغیرہ میں اس قدر ہمت سے اتباع کرے کہ ذرا بھر بھی خلاف نہ ہو، تب ولی کو ولایت خاصہ عطا ہوتی ہے، اسی لئے ولایت ظل نبوت ہے، لہذا ولایت نبوت کے مقابل نہیں ہے، اور نہ ہی ولایت کوئی علیحدہ نظام ہے، یعنی نبوت اور ہو، اور ولایت اور ہو، یہ نہیں، بلکہ ولایت اتباع نبوت کا نام ہے، پھر ولایت کو نبوت سے افضل کہنا جہل محض ہے، یہ بھی جہال کا سبق ہے کہ نبوت کے اتباع کی ضرورت نہیں، صرف ولی کا اتباع ہونا چاہئے۔

نیز اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک: ولایت، اور دوسری نبوت، جبکہ ولی میں صرف ولایت تو ہوتی ہے مگر نبوت نہیں ہوتی، تو مطلب یہ ہوا کہ نبی کی ولایت، نبی کی نبوت سے افضل ہے، اس لئے کہ نبی کی ولایت اسے تبلیغ، ارشاد، جہاد، تلقین اور تعلق باللہ سے مانع نہیں ہوتی، چنانچہ نبی کا تعلق بالخلق ہوتے ہوئے بھی تعلق و ربط بالخالق پورا پورا ہوتا ہے، لہذا نبی جامع بین التعلقین ہے، بخلاف ولی کے کہ اس میں تعلق بالخالق تو ہے، تعلق بالخلق کم درجہ ہے، اسی لئے ناقص ہے۔

من جملہ اغلاط صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رحمت کی امید کافی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہمارے گناہوں پر سزا دینے سے کیا فائدہ ہے؟

اس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ تمنی (آرزو) اور رجا یعنی اُمید میں فرق یہ ہے کہ تمنی یہ ہے کہ کام تو اچھا نہ کرے، مگر اُمید اچھائی کی رکھے، جیسا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عاقِل وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور آخرت کے لئے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں رکھے (اور مغفرت کی تمنا کرے)۔“ (مشکوٰۃ ص: ۴۵۱)

اور رجا، یعنی اُمید صحیح یہ ہے کہ نیک کام کرے، پھر اللہ تعالیٰ پر مغفرت اور مقبولیت کی اُمید رکھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ.“ (البقرة: ۲۱۸)

ترجمہ:.... ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ اُمیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔“

تو رجا کے لئے تین چیزیں فرمائیں: اَمْنُوا، هَاجَرُوا، جَاهَدُوا، یعنی پہلے یقین صحیح ہو، پھر گناہ سے بچے، اور عبادت میں سعی کرے، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں، لہذا یہ جاہل صوفی جو کچھ کہتے ہیں وہ قرآن کے خلاف ہے۔

اُمید کے متعلق:

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: اخلاقِ رذیلہ: شہوت اور غصہ وغیرہ بالکل نیست و نابود ہو جائیں۔ یہ بھی غلط ہے، بلکہ ریاضت و

مجاہدہ کا یہ مطلب ہے کہ احکام شریعت کی تعمیل میں نفسانیت کی رُکاوٹ نہ ہو، غصہ اُبھرے تو اعتدال میں رہے، شریعت کی حد سے نہ بڑھے، اسی طرح خواہش بھی حدِ شرعی سے بڑھ کر طمع و حرص تک نہ جائے۔

اسی طرح اخلاقِ رذیلہ بھی حدِ شرعی سے متجاوز نہ ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے: ”وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ“ (آل عمران: ۱۳۴) فرمایا ہے، اور ”وَالْفَاقِدِينَ الْغَيْظَ“ نہیں فرمایا، اور: ”وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ“ (النازعات: ۴۰) فرمایا ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ بالکل خواہش ہی نہ رہے۔

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ آج کل کے صوفیہ نے متقدمین صوفیہ کے الفاظ کو جو مصداقِ صحیح پر مستعمل تھے، انہیں اپنے تعیش اور خواہشِ نفسانی پر اطلاق کرنا شروع کر دیا، مثلاً: طرب کو وجد، اور راگ کو قوالی، دعوت کو وقت، اور کپڑے بانٹ لینے کو حکم کہہ دیا ہے، حالانکہ وجد وغیرہ شرعی اعتبار سے ایک حالتِ واردہ تھی اور وہ بے اختیار تھی، مگر یہ لوگ اپنی نفسانی خواہش پورا کرنے اور اپنے کو عارف دکھانے کے لئے من گھڑت چیزیں جہال کے سامنے پیش کرتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایتِ صحیحہ مقبولہ عطا فرمائے۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ آج کل کے متصوفین کی اغلاط تو بے شمار ہیں، مگر ان میں سے چند ایک بطور نمونہ مشت از خروارے پیش کی ہیں، واللہ البہادی!

بابِ یازدہم

مشابہ کرامت کو ولایت سمجھنا:

بار بار عرض کرتا ہوں کہ شیطان کم علمی کے مطابق ہی انسان پر قابو پاتا ہے، چنانچہ جتنا علم کم ہوگا، شیطان کا غلبہ اتنا ہی زیادہ ہوگا، اور جتنا علم دین زیادہ ہوگا،

شیطانی غلبہ بھی اتنا ہی کم ہوگا۔

بعض اوقات عابدین کو روشنی اور نور نظر آتا ہے، کبھی تو وہ نور اور روشنی عناصر کی لطافت سے ہوتی ہے، جیسے: آگ لالین میں ہو، تو وہ زیادہ روشن ہوتی ہے، اور اگر آگ گیس بتی میں ہو تو اس سے زیادہ روشن ہوتی ہے، اور اگر وہ روشنی بجلی کے ذریعہ ہو تو روشنی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔

کبھی یہ روشنی حواسِ خمسہ ظاہرہ کی لطافت سے ہوتی ہے، چنانچہ بعض لوگ حسِ باصرہ میں مشق کرتے کرتے دُور سے دیکھ لیتے ہیں، حسِ سامعہ میں مشق کرتے کرتے دُور سے سن لیتے ہیں اور حسِ خیال میں تصرف کرتے کرتے اس سے عجائبات دکھاتے ہیں۔

کبھی یہ روشنی لطائف کی روشنی ہوتی ہے، یعنی قلب اور رُوح وغیرہ کی، پھر یہ روشنی کبھی سینے کے اندر معلوم ہوتی ہے، اور کبھی باہر، اور قریب تک جاتی ہے، اور کبھی دُور تک، اور یہ تمام چیزیں بعض حضرات کو ریاضتوں سے حاصل ہو سکتی ہیں، یہ کوئی کمال نہیں، بدعتی کو بھی حاصل ہو جاتی ہیں، صاحبِ سنت کو بھی حاصل ہوا کرتی ہیں، بدعتی کو نورِ ناری سے، اور سنت پر عمل کرنے والے کو نورِ نبوت سے، اس میں امتیاز ماہر و عالم شیخ ہی کر سکتا ہے، کمال یہ ہے کہ سنتِ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صحیح عمل ہو جائے:

ما برائے استقامت آدمیم

نہ پے کشف و کرامت آدمیم

ترجمہ: "... ہم استقامت کے لئے آئے ہیں، نہ کہ

کشف و کرامت کے لئے۔"

جاہل بدعتی نور دیکھ کر اپنے کو ولی اللہ سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہونا اتباع سنت، تقویٰ اور اعتقادِ توحید سے ہوتا ہے، نہ کہ نور اور کشف سے، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ نور کا دیکھنا منقول ہے، نہ کرامت کا ظہور، کیا وہ ولی اللہ نہ تھے؟ کبھی جاہل عابد کو کسی چیز کا خیال آتا ہے، اور وہ چیز فوراً آجاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ کرامت ہو، یا شیطانی دھوکا، مثلاً: پیسے کی ضرورت تھی اور جتنے پیسے کی ضرورت تھی، اتنے ہی راستے میں مل گئے، تو جاہل یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں، جبکہ دراصل شیطان نے کسی کے پیسے چوری کر کے اس کے مصلے یا جیب میں ڈال دیئے، اب ان کا استعمال کرنا جبکہ یہ پتا بھی نہیں کہ یہ کہاں سے آئے ہیں؟ کیونکر جائز ہوگا؟ اور جاہل اُسے اپنی کرامت سمجھ کر عجب اور خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بابِ دوازدهم

عوام پر تلبیس:

اکثر عامی انسان ذاتِ الہی اور صفاتِ حق میں غور کرنے سے گمراہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ غور کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کو ایک صورتِ مصورہ سے متصف، مثلاً: ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان اور ناک نقشے کا محتاج سمجھ بیٹھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ وہم، فکر اور خیال سے اُونچی ذات ہے:

تواں در بلاغت بسجان رسید

نہ در کنہ بیچوں سجان رسید

کبھی شیطان، عوام کو مذہبی تعصب کی رو سے بہکاتا ہے، جس کی وہ حقیقت بھی نہیں جانتا، مگر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے، چنانچہ بعض لوگ حضرت ابو بکر کو اور

بعض حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بُرا کہتے ہیں، بعض تقدیر کے انکار، بعض قیامت کے انکار، بعض برادری کے رسم و رواج کی وجہ سے، اور بعض اپنی عقل کو روشن سمجھنے کی وجہ سے قرآن و حدیث کا انکار کرتے ہیں، اور بعض، علماء پر رُذ و نکیر اور ان سے نفرت کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں، جبکہ بعض لوگ خلاف سنت پیروں کی سخت محبت رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں گرتے ہیں، اور بعض جاہل نوافل میں شب و روز تندہی کرتے ہیں، مگر فرائض میں غفلت کرتے ہیں، بعض رات دن ذکر کریں گے، مگر باجماعت نماز میں شریک نہ ہوں گے، یہ عجب دھوکا ہے۔

بعض جاہل مال داروں کو شیطان مال کے حصول و وصول میں گمراہ کرتا ہے، حلال طریقے سے مال آئے یا حرام راستے سے، لے لیتے ہیں۔

بعض مال دار، زکوٰۃ نہیں دیتے یا کچھ ادا کرتے ہیں، مگر پوری زکوٰۃ دینے سے جی چراتے ہیں، تاکہ بخیل بھی مشہور نہ ہوں اور شہرت بھی ہو جائے، اور بعض زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتے ہیں، چنانچہ اپنا سارا مال بیوی کی ملک کر دیا، اور برس گزرنے سے پہلے بیوی نے میاں کی ملک کر دیا، نہ برس پورا ہوا اور نہ زکوٰۃ واجب ہوئی۔

بعض زکوٰۃ تو نہیں دیتے مگر مساجد، سڑکوں اور پلوں پر مال خرچ کرتے ہیں، فرض سے کنارہ کشی اور مستحب و مباح میں تندہی! یہ بھی دھوکا ہے، اور بعض لوگ صرف رمضان میں مسجدوں کے لئے چراغ بھیجتے ہیں، حالانکہ سارا سال مسجدوں میں اندھیرا رہتا ہے، یہ سب کچھ شہرت کے ارادے یا کسی دوسری نیت سے ہوتا ہے۔

بعض مال دار خیرات کر کے فقیر سے اپنی مدح و دُعا چاہتے ہیں، مال دار کو چاہئے کہ مال اللہ تعالیٰ کے لئے دے، فقیر مدح کرے یا نہ کرے، دُعا کرے یا نہ کرے، اس کو اس کی توقع نہ کرنی چاہئے، ہاں! فقیر کو چاہئے کہ محسن کے لئے دُعا

کردے، مال دار پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دے اور بس! بعض مال دار، فقیروں کو خوب کھلاتے ہیں مگر گھر والوں اور بال بچوں کو تنگ رکھتے ہیں، اور فقیر اکثر غنی ہوتے ہیں، مگر فقیرانہ لباس پہن کر، زبان سے یا اپنے لباس کے انداز سے سوالی بنتے ہیں، نیز بعض فقیر اپنے آپ کو مال داروں سے اچھا سمجھتے ہیں۔

اکثر جاہل، کاہن، نجومی اور رمال (فال نکالنے والے) کی بات پر یقین کرتے ہیں، مگر قرآن و حدیث سے رُوگردانی کرتے ہیں، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”جو شخص نجومی کے پاس آئے اور اس سے کچھ پوچھے

تو چالیس روز تک اس کی نماز مقبول نہ ہوگی۔“

(مشکوٰۃ ص: ۳۹۳ بحوالہ صحیح مسلم)

عوام کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ریشم کے لباس اور سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، اور بُری بات پر رُڈ و نکیر کو مہمل جانتے ہیں، اور بازاری حمام میں بغیر تہبند کے داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ بی بی کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔ اور یہ بھی ہے کہ میت کو صندوق میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور بیش قیمت کفن بناتے ہیں، اور قبروں کی تعظیم میں حد سے بڑھتے ہیں، اور اپنی حاجتوں میں میت کو خطاب کرتے ہیں، اور اسی مضمون کے رقعے لکھتے ہیں، گویا سماع موتی کے اعتقاد کے بعد انہیں خود مختار یا شفیع مطلق مانتے ہیں، اور تبرکاً قبر کی مٹی لے جاتے ہیں۔

عوام میں سے عورتوں پر شیطان کا فریب زبردست ہے، چنانچہ باوجود قدرت کے فرض نماز بیٹھ کر پڑھتی ہیں، حالانکہ ہر امام کے نزدیک قیام کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا ناجائز ہے، اس سے فرضیت ادا نہیں ہوتی، نوافل ہو جائیں

گی۔ معمولی عذر پر نماز چھوڑ دیتی ہیں، اکثر عورتیں واجبات و سنن نماز نہیں جانتیں، بلکہ غسل کے فرائض تک کا اُن کو پتا نہیں، بلکہ جنابت (ناپاکی) میں رہتی ہیں، اور بعض عورتیں حمل ساقط کرنے کو آسان سمجھتی ہیں (حالانکہ چار ماہ بعد حمل ساقط کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے)، اور بعض عورتیں خاوند کے ساتھ رہنے سہنے کو بُرا سمجھتی ہیں، اور خاوند کا ادب کرنے کی بجائے ان کو بُرے کلمات سے مخاطب کرتی ہیں، اور قبروں پر اعتکاف بیٹھتی ہیں، اور مرد کے مال میں بلا اجازت تصرف کرتی ہیں، وغیر ذالک، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خطاؤں اور لغزشوں سے بچائے اور معاف کرے، اور نیک بات اور نیک کام کی توفیق بخشے، اللہم امین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

والصلوة والسلام علی خیر خلقہ و آلائہ و آلائہم

ضروری گزارش:

جاننا چاہئے کہ تصوف تعمیر الظاہر والباطن کا نام ہے، ظاہر یعنی جسم کو اور جسم کے متعلقات یعنی عبادات و معاملات کو احکام شریعت سے آباد کرے، اور باطن کو اعتقادِ صحیحہ اور اخلاقِ حمیدہ سے آباد کرے، یہ نعمت ہے، رحمت ہے، یہی شریعت ہے، اور یہی حقیقت ہے۔

عرض:

یہ رسالہ اس لئے نہیں لکھا کہ لوگوں کی اغلاط بیان کی جائیں، بلکہ اس لئے کہ اپنی اور اپنے احباب کی اصلاح و سدھار ہو جائے، واللہ الہادی، اللہ تعالیٰ قبول

فرمائے اور میرے اور تمام اہل اسلام کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، وَمَا ذَلِكَ عَلٰى
اللّٰهِ بِعَزِيزٍ! وَمِنْ فَضْلِ اللّٰهِ لَيْسَ بِبَعِيدٍ!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ

عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاتَّبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ مِنْ

الصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ اَفْضَلَهُمَا وَاكْمَلَهُمَا وَاَدْوَمَهُمَا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اسْتَغْفِرُكَ وَاتُوبُ اِلَيْكَ.

۱۵/صفر/المظفر ۱۳۸۶ھ

چودھویں صدی کے آخر میں ولایت ہے محال

اُٹھ گئی وہ مئے و میخانہ رہی ہے قیل و قال

صد ہزاراں شکر کیجئے گر ملے صاحبِ خصال

مدت و محنت و صحبتِ شیخ سے بدلے گا حال

(ناقص شجاع آبادی)

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ کی چند وصیتیں اور مشورے:

- ۱:.... شہوت و غضب کے مقتضایہ عمل نہ کریں۔
- ۲:.... تعجیل نہایت بُری چیز ہے۔
- ۳:.... بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔
- ۴:.... غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔
- ۵:.... بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔
- ۶:.... بدون سخت تقاضے کے ہم بستر نہ ہوں۔
- ۷:.... بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔
- ۸:.... فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔
- ۹:.... غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔
- ۱۰:.... سخت مزاجی و تند خوئی کی عادت نہ ڈالیں، رفق، ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بنائیں۔

۱۱:.... زیادہ تکلف سے بہت بچیں، اقوال و افعال میں بھی، طعام و لباس میں بھی۔

۱۲:.... مقتداء کو چاہئے کہ اُمراء سے بد خلقی نہ کرے، اور نہ زیادہ اختلاط رکھے، اور نہ اُن کو کبھی حتی الامکان بالخصوص دُنوی نفع حاصل کرنے کے مقصد کے لئے۔

- ۱۳: ... معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتمم بالشان سمجھیں۔
- ۱۴: ... زبان کی ہر قسم کی معصیت و لایعنی سے غایت درجہ احتیاط کریں۔
- ۱۵: ... حق پرست رہیں، اپنے قول پر جمود نہ کریں۔
- ۱۶: ... تعلقات نہ بڑھائیں۔
- ۱۷: ... کسی کے دنیوی معاملے میں دخل نہ دیں۔
- ۱۸: ... روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دین دار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔
- ۱۹: ... کثرتِ کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو، اور کثرتِ اختلاطِ خلق بلا ضرورتِ شدیدہ و بلا مصلحتِ مطلوبہ، خصوصاً جبکہ ہر کس و ناکس کو رازدار بھی بنالیا جائے، نہایت مضر چیز ہے۔

صِبْغَةَ طَبِيبِ جَلِيلِي

يَعْنِي

خُدَائِي رَنگُ



قُطْبُ الرِّشَادِ حَضْرَتِ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ عَبْدِ اللَّهِ مَهْلُوِي قَدِيسِ سَرُو

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ، أَمَّا بَعْدُ!

تصوف کی تعریف:

جاننا چاہئے کہ تصوف تعمیر الظاہر والباطن کا نام ہے۔
 یعنی اپنے ظاہر کو ان اعمال سے آراستہ کرے جو جسم کے ظاہری اعضاء سے
 کئے جاتے ہیں اور ان کا کرنا ضروری ہے، جیسے: نماز، روزہ وغیرہ۔
 اور باطن کو بُرے عقیدے اور بُری عادتوں، جیسے: ریا، حسد وغیرہ سے پاک
 کرے، اس کو تخلیہ کہتے ہیں۔

اور سچے عقیدوں اور نیک عادتوں، جیسے: اخلاص، شکر، صبر وغیرہ سے آراستہ
 کرے، اس کو تجلیہ کہتے ہیں۔

ہر دو کے اس مجموعہ کے حاصل کرنے کا نام ولایتِ عامہ ہے، اور ولایت کا
 یہ درجہ ہر مسلمان متقی کو حاصل ہے اور اس درجے کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ولایت و نسبت:

دوسرا درجہ ولایت کا یہ ہے کہ ان مذکورہ باتوں کے ساتھ ظاہر کو نفل عبادتوں
 اور باطن یعنی دل کو ہمیشہ اللہ کی یاد میں مشغول رکھے اور کسی دم غافل نہ ہو، اس کو

نسبت کہتے ہیں، اس درجے کا نام ولایتِ خاصہ ہے، اور ولایت کا یہ درجہ صرف بزرگوں کو حاصل ہے، اس درجے کو حاصل کرنا مستحب ہے، اس درجے کے حاصل کرنے کے لئے بقدر ضرورت علمِ دین سیکھنا اور سیکھے ہوئے علم پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کرنا ضروری ہے۔

تطہیر الظاہر کے دس اصول:

تطہیر الظاہر کے معنی ہیں: اپنے ظاہر کو پاک کرنا، پھر اس تطہیر الظاہر کے دس اصول ہیں:

۱۔... نماز:

اس میں تین باتوں کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے، اول نماز سے پہلے وضو کی نگاہ داشت کرے، اس کی سنتوں اور مستحبات کا پورا لحاظ رکھے اور ہر عضو کے دھونے پر حدیث میں جو دُعا آئی ہے، پڑھے۔

فائدہ:... حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جس کی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے۔

دوم:... نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتیں ہوں یا مستحب، ذکر ہو یا تسبیح، سب کو اپنے اپنے قاعدہ پر ادا کرو۔

سوم:... نماز کی رُوح کا زیادہ لحاظ رکھو، یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک اخلاص اور حضورِ قلب قائم رکھو، اور جو الفاظ زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضاء سے کرتے ہو، ان کا اثر دل میں بھی پیدا کرو، اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ۔

۲:... زکوٰۃ، خیرات:

عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے اس محبوب کے نام پر جس کی محبت قلب میں

زیادہ ہوتی ہے، اپنی تمام مرغوبات اور پیاری چیزیں لٹا دیا کرتا ہے، پس مال جیسی پیاری چیز کا حق تعالیٰ کے نام پر خرچ کر ڈالنا خدا کے ساتھ محبت کے بڑھے ہوئے ہونے کی علامت ہے، اور بخل کرنا خدا کی محبت کے نہ ہونے کی علامت ہے، تو اس زکوٰۃ و خیرات میں محبت کی علامت بھی ہے اور بخل کی بدخصلت کا دُور کرنا بھی ہے، مگر چونکہ اس میں ریا کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے، اس لئے چھپا کر دینے میں ریا سے نجات مل جائے گی۔

- ۲:.... دُوسری شرط اس میں یہ ہے کہ جسے خیرات دیا کرو، اس پر احسان نہ سمجھو، اور اس سے شکرگزاری کی توقع بھی نہ رکھو، اور اگر صدقہ دینے کے بعد صدقہ لینے والا تمہارے دُشمن کے ساتھ محبت کرنے لگے تو تم کو ناگوار نہ ہو، بلکہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ اس نے تم سے صدقہ لے کر تم کو حق خداوندی سے سبکدوش کر دیا۔
- ۳:.... تیسری بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو۔
- ۴:.... چوتھی بات یہ ہے کہ ہشاش بشاش ہو کر دیا کرو۔
- ۵:.... پانچویں بات یہ ہے کہ صدقہ کے لئے عمدہ مصرف تلاش کیا کرو، یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو، یا کسی عیال دار نیک بخت مسلمان کو۔

۳:.... روزہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

”حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے

سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے، مگر روزہ خاص میرا ہے، اور میں

خود اس کا صلہ ہوں، جو چاہوں گا، دُوں گا۔“

(مشکوٰۃ ص: ۱۷۳ بحوالہ بخاری و مسلم)

روزہ کی تین قسمیں:

خوب سمجھ لو کہ روزہ کی تین قسمیں تو اس کی کیفیت کے اعتبار سے ہیں، اور تین ہی درجے اس کی مقدار کے اعتبار سے ہیں۔

مقدار کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ صرف ہر سال کے رمضان کے فرض روزے رکھ لیا کرے۔

اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزے رکھتے تھے، اسی طرح ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے، پھر تیسرے دن رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے۔

اور متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا تہائی حصہ روزہ میں صرف ہو جائے، لہذا مناسب ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتے میں دو شنبہ (سوموار) اور پنجشنبہ (جمعرات) کا روزہ رکھ لیا کرو، اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہو جائیں گے۔

روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں یہ ہیں:

۱: ... ایک عوام کا روزہ کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں سے بچتے ہیں۔

۲: ... دوسرا درجہ یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلاف شرع نہ ہو، یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے، اور آنکھ نامحرم کو بُری نظر سے دیکھنے سے بچی رہے، وغیرہ۔

۳: ... اور تیسرا روزہ خاص بندوں کا ہے کہ اعضائے بدن کے ساتھ ان کا قلب بھی فکر و وسواس سے محفوظ رہتا ہے، اور سوائے ذکرِ الہی کے کسی چیز کا اُن کے دل میں گزر نہیں ہونے پاتا۔

۴... حج:

حج بھی دین کا ستون ہے، اس عبادت میں رموز و اسرار تو بہت ہیں، مگر ہم صرف ایک ہی مضمون بیان کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بندوں کی غلامی کا اظہار اور ان کی بندگی کا امتحان ہو جائے، اور فرماں بردار غلام اپنے آقا کے دربار میں دُور دراز جگہوں سے بالقصد زیارت کرنے اور جوق در جوق ایسی حالت میں آئیں کہ بال بکھرے ہوئے ہوں، غبار آلودہ ہوں، شاہی ہیبت و جلال سے سراسیمہ و پریشان حال ہوں، ننگے سر، ننگے پاؤں، مسکین و محتاج بنے ہوئے ہوں، چنانچہ اس مصلحت سے، اس عبادت میں جس قدر بھی اعمال و ارکان مقرر کئے گئے ہیں، وہ سب کے سب بعید از عقل و قیاس ہیں، تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر ہو، اور کسی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کی اتباع اس کا سبب اور باعث نہ ہو۔

۵... تلاوت و آدابِ تلاوت:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”میری اُمت کے لئے سب سے بہتر، کلام اللہ کی

(رواہ ابیہقی)

تلاوت ہے۔“

تلاوت کے ظاہری آداب:

تلاوت کے ظاہری آداب تین ہیں:

اول: ... یہ کہ تلاوت کرتے وقت دل میں بھی کلام اللہ کا احترام ہو، اس

کی صورت یہ ہے کہ وضو کر کے نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکائے ہوئے قبلہ کی

طرف منہ کر کے دو زانو اس طرح بیٹھو جس طرح اُستاذ کے سامنے بیٹھتے ہیں، اور تجوید

کے موافق حروفِ قرآنیہ کو پڑھو، اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرو۔

دوم: ... کبھی کبھی فضیلتِ تلاوت کا انتہائی درجہ حاصل کر لیا کرو، وہ یہ ہے کہ شب کے وقت بحالتِ نماز کلامِ اللہ پڑھو۔

سوم: ... یہ کہ تلاوت کی مقدار کا بھی خیال رکھو، ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ مہینے میں ایک ختم کرو، اور افضل درجہ یہ ہے کہ تین دن میں ختم کرو۔

تلاوت کے باطنی آداب:

اول: ... جس طرح حق تعالیٰ کی عظمت و جلالِ دل میں ہے، اسی طرح اس کے کلام کی عظمت قلب میں بھی ہونی چاہئے۔

دوم: ... یہ کہ اگر قرآنِ کریم کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو، حضرت علی کریم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: اس تلاوت سے کیا نفع جس میں سمجھنے سے واسطہ نہ ہو؟

ایک عارف فرماتے ہیں کہ: میں ہر ہفتے میں ایک ختم کرتا ہوں، اور ایک ہر مہینے میں، اور ایک ختم ایسا ہے کہ جس کو سال بھر میں ختم کرتا ہوں، اور ایک تلاوت ایسی بھی کہ جس کو تین سال سے شروع کر رکھا ہے، اور اب تک پورا کلام مجید ختم نہیں ہوا۔

سوم: ... یہ کہ قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں جو امور مانع ہیں، ان کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو۔

۶: ... ذکرِ الہی:

حق تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

”وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.“ (الجمعة: ۱۰)

ترجمہ: ... ”اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ فلاح

پاؤ۔“

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

”اللہ کا ذکر جہاد، صدقات اور خیرات، سب سے

افضل ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

ذکر کے لئے ایک مغز اور تین پوست:

ذکر الہی کے لئے ایک مغز اور تین پوست ہیں، مغز تو مقصود بالذات ہے، مگر

پوست اس لئے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

پہلا پوست: صرف زبان سے ذکر کرنا ہے۔

دوسرا پوست: قلب سے ذکر کرنا ہے، جبراً اور بہ تکلف اس کا خوگر ہونا۔

تیسرا پوست: یہ ہے کہ ذکر الہی قلب میں جگہ کر لے اور ایسا گڑ (راسخ ہو)

جائے کہ اس کا چھڑانا دُشوار ہو جائے۔

چوتھا درجہ: جو کہ مغز اور مقصود بالذات ہے، وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام

و نشان بھی باقی نہ رہے، بلکہ مذکور یعنی حق تعالیٰ کی ذات ہی ذات باقی رہ جائے کہ نہ

قلب کی طرف توجہ رہے، نہ ذکر کی جانب التفات، اور نہ ہی اپنی خبر ہو، نہ کسی دوسرے

کی، غرض ذات پاک کی محبت میں استغراق ہو جائے، اسی حالت کا نام فنا ہے، اور اس

حالت پر پہنچ کر بندہ کو نہ اپنی حس و حرکت کا علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا، یہاں

تک کہ اپنے فنا ہو جانے کا بھی علم باقی نہیں رہتا، جیسے دفعتاً کوئی شاہی دربار میں

آجائے تو مارے ہیبت کے اس کو نہ اپنی خبر رہتی ہے، نہ دوسرے کی۔

۷: ... طلبِ حلال:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا.“

(المؤمنون: ۵۱)

یعنی پاک چیز کھایا کرو، اور نیک کام کیا کرو۔
یاد رکھو کہ رزقِ حلال کو قلب کی نورانیت میں بڑا دخل ہے، لہذا مالِ حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

تقویٰ کے چار درجے:

۱:.... پہلا درجہ: جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے، ان کا استعمال نہ کرو۔

۲:.... دوسرا درجہ صلحاء کا تقویٰ ہے: یعنی مشتبہ چیز سے پرہیز کرنا۔

۳:.... تیسرا درجہ اتقیاء کا تقویٰ ہے: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں کہ:

”لا يبلغ العبد ان يكون من المتقين حتى يدع

ما لا بأس به حذرًا لما به بأس.“ (مشکوٰۃ ص: ۲۴۲، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:.... ”مسلمان جب تک خطرے والی چیزوں میں

بتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہ

کرے گا، اس وقت تک اتقیاء کے درجے کو ہرگز نہ پہنچے گا۔“

کیونکہ اگر آج حلال کا مزہ پڑا ہے تو کل کو حرام کی لذت حاصل کرنے کا

شوق ہو جائے گا۔

۴:.... چوتھا درجہ صدیقین کا تقویٰ ہے: یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت

اور اطاعت پر قوت حاصل نہ ہو، اس سے پرہیز کرنا، اگر یہ درجات حاصل نہ کرو تو

پہلے درجے کا تقویٰ حاصل کرنا تو بہر حال ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ دو باتوں کا اور بھی خیال رکھو:

۱:۔۔۔ بعض فقہاء نے جو حیلے بیان کئے ہیں، ان کی جانب التفات نہ کرو، مثلاً: سال ختم ہونے سے پہلے اپنا تمام مال بیوی کے نام منتقل کر دیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح بلا ضرورت شدیدہ کے کسی سے سوال نہ کرو، نیز اپنے دین کو ذریعہ کسب نہ بناؤ، مثلاً: اس نیت سے صلحاء و فقراء جیسی صورت نہ بناؤ کہ ہمیں بزرگ سمجھ کر لوگ ہدیہ دیں گے، حالانکہ تم بالکل کورے ہو، اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے۔

۲:۔۔۔ دوسری بات یہ ہے کہ صرف علماء کے فتویٰ پر اکتفا نہ کیا کرو، بلکہ اپنے دل سے بھی پوچھ لیا کرو کہ اس معاملے میں دل کیا کہتا ہے؟ کیونکہ گناہ کی بات مسلمان کے دل میں ضرور کھٹکتی ہے۔

۸:۔۔۔ مسلمانوں کے حقوق محفوظ رکھو:

جان لو کہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے، ہم جنس مسافروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رکن ہے، حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہے، یعنی ایذا نہ پہنچے، اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہنچاؤ، مخلوق کے حقوق محفوظ رکھنے کے لئے ان باتوں کا لحاظ رکھو:

اول:۔۔۔ جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو، وہی دوسروں کے لئے بہتر سمجھو۔

دوم:۔۔۔ ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

سوم:۔۔۔ بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو۔

چہارم:۔۔۔ ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی کے ساتھ پیش آؤ۔

پنجم:.... مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کرو۔
 ششم:.... تہمت کی جگہ سے بچو۔
 ہفتم:.... برتاؤ کے وقت لوگوں کے مرتبہ کا خیال رکھو۔
 ہشتم:.... مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کرو۔
 نہم:.... بیمار مسلمانوں کی عیادت کیا کرو، اور کوئی مسلمان انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ ساتھ جاؤ۔
 دہم:.... شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارت کرو کہ اس طرح ان کے شر سے محفوظ رہو گے۔
 یازدہم:.... زیادہ تر مسکینوں کے پاس اٹھو بیٹھو، اور امراء کی صحبت سے پرہیز کرو، وغیر ذالک۔

۹:.... امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اللہ پاک فرماتا ہے کہ:

”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ
 بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَأُولَئِكَ هُمُ
 الْمُفْلِحُونَ.“ (آل عمران: ۱۰۴)

ترجمہ:.... ”تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہونے
 چاہئیں جو نیکی کی جانب بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور
 بُرائیوں سے منع کریں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

اگر تم نے کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھا اور خاموش بیٹھے رہے، تو
 اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے، کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا گناہ کے

اندر دونوں برابر ہیں۔

اسی طرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جس قدر گناہگار ہیں، اسی قدر اس کے وہ یار دوست، یعنی اس کے پاس بیٹھنے والے مسلمان بھی گناہگار ہیں جو اس کو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنتے دیکھتے ہیں مگر منع نہیں کرتے۔

اسی طرح ایسے مکانوں میں بیٹھنا جن کی دیواروں پر تصویریں ہوں، یا بدعت کی مجلس میں شریک ہونا، یا کسی مباحثہ اور مناظرہ کے ایسے جلسے میں جانا جہاں سب و شتم اور لغو مشغلہ ہو، سب گناہ ہے، پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہوں کے موقع سے صرف بچنا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ جب تک بے تامل نصیحت نہ کرو گے اور گناہ سے ان کو نہ روک دو گے، اس وقت تک ہرگز عہدہ برآ نہ ہو سکو گے، ہاں! اگر اس کو معلوم ہو کہ یہ لوگ میری بات کی بالکل پروا نہیں کریں گے، بلکہ نظرِ حقارت سے دیکھیں گے، یا اس کو کہنے کی قدرت ہی نہیں ہے، تو اس وقت منع نہ کرنے کا گناہ نہیں ہے۔

۱۰... اتباعِ سنت:

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے، اس لئے سمجھ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال دو قسم پر ہیں:

اول... عبادات، جیسے: نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ۔

دوم... عادات، مثلاً: کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، وغیرہ۔

مسلمان پر لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ، وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ“

(الحشر: ۷)

فَانْتَهُوْا.

یعنی پیغمبر جو کچھ بھی تم کو دے اس کو لے لو، اور جس چیز سے منع کرے، اس

سے باز آ جاؤ۔

یہ ارشاد عادت اور عبادت دونوں کو شامل ہے، اس آیت میں رمز (اشارہ) یہ ہے کہ انسان، جانوروں کی طرح آزاد و بے کار نہیں پیدا کیا گیا، بلکہ اس کو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ جو کام کرو، سنت کے موافق کرو، تاکہ نفس محکوم و مطیع بنا رہے، اور تم فرشتہ خصلت بن جاؤ۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ امور عادیہ میں اتباع سنت کی ترغیب کا بیان ہے، تاکہ اتباع کی وجہ سے اس کی عادت بھی عبادت بن جائے، اور قلب کو صلاحیت اور نور حاصل ہو، کیونکہ قلب کو اعضاء سے خاص تعلق ہے، اور اعضاء بدن کے تمام افعال کا اثر دل کے اندر پہنچتا ہے، جب اس کے تمام افعال، حرکات اور سکانات میں اتباع ہوگی، اور اتباع عبادت ہے، اور عبادت میں نورانیت ہے، تو قلب بھی نورانی ہو جائے گا۔

جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بھی بیان کیا گیا ہے، ان میں اتباع چھوڑ دینے کی وجہ تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے اور کوئی نظر نہیں آتی، مثلاً: حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

”جماعت سے نماز پڑھنے کو تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس

درجے کی فضیلت ہے۔“

اس کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان جماعت کی نماز ترک کرے تو اس کا سبب یا تو حماقت ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص دو پیسہ چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اس کو احمق ہی کہا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرے تو، کیونکہ

بے وقوف نہ ہوگا، اگر کوئی یہ خیال کرے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت انتظامی کی بنا پر ایسا فرمایا ہے، تاکہ لوگ جمع ہو جایا کریں، پس اگر کسی نے ایسا خیال کیا تو یہ کفر ہے، اور کفر بھی ایسا خفی کہ اس کی اطلاع اپنے آپ کو بھی نہیں، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک!

تعمیر الظاہر کی مختصر تفصیل ختم ہوئی، اب تعمیر الباطن بتوفیق اللہ تعالیٰ مختصر طور پر پیش خدمت ہے۔

تعمیر الباطن کے دس اصول:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا.“ (الشمس: ۹)

یعنی جس نے اپنا قلب پاک بنا لیا، وہی فلاح کو پہنچا۔

اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”طہارت نصف ایمان ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۳۸)

کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں، یعنی قلب کو ان نجاستوں سے پاک کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہیں، گویا نجاست سے پاک کرنا، ایمان کا ایک جزو ہے، اور اطاعت و عبادت سے اس کو مزین و آراستہ کرنا اس کا دوسرا ٹکڑا ہے، لہذا اول اخلاق ذمیمہ معلوم ہونا چاہئیں، جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے، سو ان کے بھی دس اصول ہیں، ہر ایک کا بیان جدا جدا ہے۔

۱۔... کثرتِ اکل و حرصِ طعام:

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے، کیونکہ اس

سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے، اس پر مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے، کیونکہ شہوتیں بغیر مال کے پوری نہیں ہو سکتیں، اس کے بعد طلبِ جاہ کی خواہش ہوتی ہے، کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل ہونا دشوار ہے، اور جب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر، ریا، حسد، کینہ، عداوت، اور بہت سی دوسری آفتیں پیدا ہو جائیں گی، اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہو جائے گا۔

جبکہ کم کھانے میں یہ فوائد ہیں کہ: قلب میں صفائی ہوتی ہے، دل رقیق ہو جاتا ہے، مناجات میں مزہ آتا ہے، سرکش نفس ذلیل و مغلوب ہو جاتا ہے، تمام شہوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، نیند زیادہ نہیں آتی، اور عبادت گراں نہیں گزرتی، وغیر ذالک۔ علاج:.... چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے یک لخت اس کا چھوڑنا دشوار ہے، لہذا اپنی مقررہ خوراک میں سے ایک لقمہ روزانہ کم کرو، تو مہینے بھر میں ایک روٹی کم ہو جائے گی، اور کچھ گراں بھی نہ گزرے گا۔

۲:.... کثرتِ کلام و فضول گوئی کی ہوس:

یاد رکھو! کہ جب زبان جھوٹی ہو جاتی ہے تو دل میں بھی صورتِ کاذبہ کی تصویر کھینچتی اور کجی آجایا کرتی ہے، خصوصاً جبکہ فضول اور لغو گوئی بھی ساتھ ہو، زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کے لئے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے: ”لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ“ جس کے منشا کا خلاصہ یہ ہے کہ فضول اور بے ہودہ کلام نہ کرو، صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو کہ اس میں نجات ہے، زبان کے متعلق بہت سی آفتیں ہیں اور غیبت کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ (رواہ ابن ابی الدنیا) اور غیبت کرنا مردہ مسلمان کا گوشت کھانے کی مانند ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان سے متعلق اس کے پیٹھ پیچھے کوئی ایسی

واقعی بات کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، مثلاً: کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا، یا کسی شخص کی کسی حرکت، مکان، مویشی یا لباس وغیرہ، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو، اس کا کوئی ایسا عیب بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار ہو، خواہ زبان سے یا اشارہ، کنایہ، ہاتھ، آنکھ کے اشارہ، نقل اُتارنے یا تعریض سے کیا جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہیں، ہاں! اگر مظلوم، افسرِ اعلیٰ تک، ظالم کی شکایت پہنچائے، یا مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتاء میں امرِ واقعی کا اظہار کرے تو جائز ہے۔

علاج: ... اس کا علاج یہ ہے کہ غیبت کے نقصان اور سزا میں غور کرو۔

فضول جھگڑا کرنا:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات پر سوائے دینی فائدے کے اعتراض کرنا اور اس کے لفظ یا معنی میں غلطی اور نقص نکالنا جھگڑا ہے، اور یہ اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے:

۱: ... یا تو تکبر کی بنا پر، اپنی بڑائی اور تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

۲: ... یا دوسرے شخص کو چپ کرانے اور عاجز کر دینے کا شوق ہوتا ہے، اسی لئے مسلمان کو چاہئے کہ جو بات واقعی اور حق ہو، اس کو تسلیم کرے اور جتنی خلاف واقعہ اور غلط ہو، اس پر سکوت اختیار کرے۔

مزاح و دل لگی کرنے اور زیادہ ہنسنے، ہنسانے سے قلب مردہ ہو جاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے، اور اکثر اوقات اس سے عداوت و کینہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، البتہ تھوڑے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں، مگر اس کی عادت ڈالنا اچھا نہیں۔

جھوٹ بولنا: جھوٹ کی بُرائی اور قباحت کون نہیں جانتا؟ ہاں! صلح کرانے،

جہاد میں دشمن کے دھوکے سے بچاؤ اور بی بی کے راضی کرنے کے لئے تعریف کرنا جائز ہے، وغیر ذالک من الآفات۔

۳: ... غصے کا بیان:

غصہ بُری بلا ہے، یہی مار پیٹ، گالی اور زبان درازی کے گناہ کراتا ہے، اسی سے حسد، کینہ، بدگمانی، افشائے راز اور ہتکِ عزت کے عزم کی باطنی معصیتیں ہوتی ہیں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ بدلہ لینے کے لئے خون جوش میں آتا ہے۔

علاج: ... اس کا علاج دو طرح سے ہے، اول اس کو ریاضت و مجاہدہ سے توڑنا چاہئے، مگر توڑنے سے مقصود یہ نہیں کہ غصے کا مادہ ہی باقی نہ رہے، اس لئے کہ اگر مادہ ہی جاتا رہا تو کفار سے جہاد کیونکر ہوگا؟ اور فساق و مبتدعین کی خلافِ شرع باتوں پر ناگواری کس طرح ہوگی؟ اس ریاضت سے مقصود یہ ہو کہ اس کو مہذب اور عقل و شرع کا تابع بنا لیا جائے، چنانچہ جہاں شریعت حکم دے تو غصہ بھڑک اٹھے اور اپنا کام کرے، ورنہ چپ رہے۔

ریاضت کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی غصہ پیدا کرنے والا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصے کو بھڑکنے نہ دو، اسی سے غصہ مطیع بن جائے گا۔ غصے کا عملی علاج یہ ہے کہ غصے کے وقت خدا تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرو اور ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھو، کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے، نیز اپنی حالت بدل دو، یعنی اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کر لو، اور اپنا رخسار زمین پر رکھو تا کہ تکبر ٹوٹے، اور عزت والا عضو زمین پر جب رکھا جائے تو نفس مرے گا، یاد رکھو! کہ تحمل کی بدولت مسلمان شب بیدار، روزہ دار کا مرتبہ پالیتا ہے۔

۴... حسد کا بیان:

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کو فارغ البالی یا عیش و آرام میں دیکھ کر کڑھے اور اس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے، قرآن و حدیث دونوں میں اس کی مذمت آئی ہے، عموماً حسد کا باعث یا تو نخوت و غرور ہوتا ہے یا عداوت و خباثتِ نفس، حسد کرنے والا بلا وجہ خدا کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا، اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور یہ چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہو جائے، یہ غبطہ کہلاتا ہے، اور غبطہ شرعاً جائز ہے، جبکہ حسد قلبی مرض اور ناجائز ہے۔

علاج: ... اس کا علمی علاج یہ ہے کہ حاسد کو جاننا چاہئے کہ اس کا حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے، اس محسود کا جس پر یہ حسد کر رہا ہے، کچھ بھی نہیں بگڑتا، بلکہ اُس کا نفع ہے اس لئے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اس کے ہاتھ آرہی ہیں، اس کے برخلاف حاسد کے دین کا نقصان یہ ہے کہ اس کے نیک عمل ضائع ہو رہے ہیں، حاسد کا دُنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و بلا میں مبتلا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو افلاس اور ذلت نصیب ہو۔

اس کا عملی علاج یہ ہے کہ جس پر حسد کر رہا ہے، اس کی بہ تکلف تعریفیں کیا کرے، اور اس کے سامنے تواضع اور اس نعمت پر مسرت کا اظہار کرے، جب چند روز بہ تکلف ایسا کرے گا، تو محسود کے ساتھ محبت پیدا ہو جائے گی، اور حسد جاتا رہے گا، اور رنج سے نجات مل جائے گی۔

۵: ... بخل اور محبت مال:

بخل درحقیقت مال کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ مال کی محبت قلب کو دُنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا تعلق ضعیف و کمزور ہو جاتا ہے، اور بخیل آدمی مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے، اس لئے اس کو خالق جل جلالہ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی، اور حدیث میں آیا ہے کہ:

”جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہ

کرے، وہ جہنمی ہے۔“

اسی لئے بخل کے علاج کے ساتھ حب مال کا علاج بھی ہونا چاہئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔“

(مشکوٰۃ ص: ۴۴۴ بحوالہ بیہقی)

مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت ہوتی ہے، اور قدرت ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ نہ کرنا دشوار ہے۔ پھر مال کے ہوتے ہوئے لذتوں کا خوگر ہو جاتا ہے، اور لذت کے حاصل کرنے میں عموماً نفاق، جھوٹ، ریا، عداوت، بغض، حسد، سب گناہ ہوتے ہیں، مال کی تحصیل میں اکثر ذکر الہی کا وقت نہیں ملتا، پھر روپیہ کی تحصیل، اس کی حفاظت، اس کے نکالنے اور کسی کام میں لگانے میں بھی وقت صرف ہوتا ہے، یہ سب دھندے قلب کو سیاہ کرنے والے ہیں۔

علاج: ... پس اس کا علاج یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال نہ رکھے، پس

محنت و مزدوری سے روزانہ اسی قدر مال حاصل کرو جس سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا

روزانہ خرچہ پورا ہو، اور باقی خرچ کر ڈالو، اس کے علاوہ سارا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں خرچ کرو۔

بخل اس کو کہتے ہیں کہ جہاں شریعت مال خرچ کرنے کا حکم دے یا مروّت تقاضا کرے، وہاں خرچ نہ کرنا، پس جو شخص باوجود ضرورت کے مال خرچ نہ کرے، سمجھ لو کہ اس کو مال سے محبت ہے۔

اس کا علمی علاج یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دُنیا کی بدنامی دونوں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور اس کا عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو، اور خرچ کرنے کی بہ تکلف

عادت ڈالو۔

۶:.... رعونت، شہرت اور جاہ کی محبت اور اس کا علاج:

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”بکریوں کے گلے میں دو بھوکے بھیڑیے آپڑیں، تو

وہ اتنا نقصان نہ کریں گے جتنا مال و جاہ کی محبت دین دار اور

مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔“

خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حبِ جاہ بُری بلا ہے، ان سے قلب میں نفاق پیدا

ہوتا ہے، حقیقت میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔

حبِ جاہ اس کا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے، اور ظاہر ہے کہ

اس سے رعونت پیدا ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ محفوظ رکھیں، آمین! مال کی محبت اور جاہ و

شہرت کی خواہش، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ کوئی ضرورت ادھوری نہ رہے، مگر

انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش اس لئے زیادہ ہوتی ہے کہ جاہ میں

جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو لامحالہ لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اور دوسروں کو اس ضمن میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں، جس میں بسا اوقات کامیاب ہو جاتے ہیں، تو آخر کار مخلوق کے مطیع و فرماں بردار بننے کی وجہ سے بلا مشقت و محنت مال و اسباب کی آمد اور ضروریات پوری ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اس کے برعکس مال جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں، مگر پھر بھی خاطر خواہ مال کا جمع ہونا مشکل ہوتا ہے۔

فائدہ:.... ہاں! یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے، تاکہ اس کی وجہ سے ظلم و تعدی اور ظالم حکام کی دست برد سے بے خوف ہو کر اطمینان قلب سے عبادت میں مشغول رہ سکے، لہذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں، مگر اپنی عبادت میں ریا و دکھلاوا کر کے متقی اور صوفی صورت بن کر مخلوق کو دھوکا دے کر جاہ حاصل نہ کرو۔

علاج:.... اس کا یہ ہے کہ سوچو کہ ایک دن موت آنے والی ہے، اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کتنے دن کے لئے؟ آخر ایک دن وہ ہوگا کہ نہ تم باقی رہو گے اور نہ سجدہ کرنے والے، اکثر و بیشتر حب جاہ کا سبب اپنی مدح و ثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے، اسی کی بدولت ریا اور طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، لہذا سوچو کہ تعریف کرنے والا کس بات کی تعریف کر رہا ہے؟ اگر تمہارے مال و عزت کی تعریف کر رہا ہے تو یہ وہمی ہے، کوئی کمال کی چیز نہیں، کمال تو معرفت الہی کا نام ہے، اور اگر تمہارے زہد و اتقاء کی تعریف کرتا ہے تو اگر تم فی الحقیقت زاہد و متقی ہو تو یہ سوچو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آجانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرمالینا ہی خوشی کی بات ہے، نہ کہ دوسروں کا بیان کرنا، اگر تم متقی و زاہد نہیں ہو تو اس پر خوش ہونا کھلی حماقت ہے۔

۷:.... دُنیا کی محبت اور اس کا علاج:

دُنیا صرف مال و جاہ ہی کی محبت کا نام نہیں ہے، بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی ہو وہ سب دُنیا ہے، اور دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، دُنیا کے تمام جھگڑوں، بکھیڑوں، مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دُنیا کی محبت ہے۔

یاد رکھو! دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے، اسی سے اکثر مہلک باطنی امراض، مثلاً: غرور، نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر وغیرہ کی حرص پیدا ہوتی ہے، اور جب انسان کو دُنیاوی حیات کی آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ اس کو آگے، پیچھے، مبدا اور معاد کی کچھ خبر نہیں رہتی، اور اس کا ظاہر تدبیر میں، اور اس کا باطن محبت میں مشغول و مصروف ہو جاتا ہے، حالانکہ دُنیا تو شہِ آخرت ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مسافرانِ آخرت با آسانی اپنا سفر ختم کر سکیں، اسی لئے چاہئے کہ بہ قدرِ ضرورت دُنیا پر قناعت کر کے بہ اطمینان ہر لمحہ ذاتِ الہی کے ذکر اور فکر میں مشغول ہو جائے۔

علاج:.... اس کا علاج یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اپنی موت، مال، خویش، اقرباء اور سب کچھ چھوڑ جانے کا تصور کیا کرے۔

۸:.... نخوت و تکبر اور اس کا علاج:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”تکبر کرنے والے کا بہت بُرا ٹھکانا ہے، کبریائی

خاص میری چادر ہے، پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا

چاہے گا، اس کو قتل کر دوں گا۔“ (مشکوٰۃ ص: ۴۳۳، بحوالہ مسلم)

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:
 ”جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ
 جنت میں نہیں جائے گا۔“ (مشکوٰۃ ص: ۴۳۳ بحوالہ مسلم)

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفات کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے، اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے، اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، مثلاً: راستے میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا، مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا، دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنا، اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا، اگر کوئی نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا، حق بات معلوم ہونے پر اس کو نہ ماننا، عوام کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں، نعوذ باللہ تعالیٰ! چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے، اسی لئے پورا جہنم کا ذخیرہ ہے، تکبر کرنے والا تواضع سے محروم رہتا ہے، حسد اور غصہ دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ریاکاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس سے دشوار ہوتا ہے، مسلمان بھائی کی خیر خواہی نہیں کر سکتا۔

علاج: ... اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی حقیقت کو یاد کرے کہ وہ نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے، اور آخر میں مردار لاشہ اور کیڑے مکوڑوں کی غذا، جبکہ اس وقت نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے، ہزاروں مصیبتوں، امراض، بھوک پیاس، اور سردی گرمی میں مقید ہے، اور ہر لحظہ موت کا نشانہ ہے۔

تکبر کے اسباب:

عموماً تکبر کے اسباب پانچ ہیں: علم، تقویٰ، حسب و نسب، مال اور جمال۔

اول: علم: ... علماء تکبر سے بہت کم خالی ہیں، کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں، لہذا اس کے حاصل کرنے کے بعد دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں:

۱: ... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے برابر دوسروں کا رتبہ نہیں۔

۲: ... دوم یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے، پس اگر لوگ تواضع سے پیش نہ آئیں تو ان کو تعجب ہوا کرتا ہے، ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہئے، کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شریر نفس کی حقیقت اور پروردگار کی عظمت و جلال کو معلوم کرتا، اور سمجھتا کہ اعتبار خاتمہ کا ہے، اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں، پس جو شخص اپنے آپ کو قابلِ عظمت سمجھے، گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشے سے بے خوف ہے، اور یہ بڑی معصیت ہے۔

یاد رکھو! کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو، وہ علم، جہل سے بھی بدتر ہے، کیونکہ حقیقی علم جتنا زیادہ ہوگا، اسی قدر اس کا خوف و خشیت بڑھے گی۔

دوم: زہد و تقویٰ: ... چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اس کو کوئی ایذا دے تو جھنجھلا کر کہتا ہے کہ: ”دیکھتے رہو، اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے؟ اس نے ہم پر تو ظلم کیا ہے، مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد رکھے گا۔“ اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ ایذا دینے والا بیمار پڑ گیا یا اس کا کوئی نقصان ہو گیا تو اپنے دعوے کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں کہ: ”دیکھا! اللہ کے بندوں کو ایذا دینے کا نتیجہ کیا ہے؟“ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو ہزار ہا ایذائیں پہنچائیں، مگر کسی نے بھی انتقام کی فکر نہ کی، اگر دشمنوں سے انتقام لینا یا ان کا مرجانا چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی؟ کیا کوئی عابد، ولی کسی نبی سے بڑھ کر ہے؟

سوم: نسب: ... تیسرا سبب نسب ہے کہ اپنے کو شریف اور عالی خاندان سمجھ

کر تکبر کرتے ہیں۔

علاج: ... اس کا یہ ہے کہ ہر شخص کا نسب اس کے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہے، پھر اس کے باپ دادا اگر دنیا دار تھے، تب تو فخر و تکبر کرنا محض حماقت ہے، کیا خبر کہ وہ نسب والے کہاں گئے؟ ممکن ہے کہ جہنم کا کونکہ بن گئے ہوں، اور اگر دین داروں کے نسب پر فخر ہے، تو یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ ان کو جو کچھ عزت، آبرو اور شرف حاصل ہوا تھا، وہ ان کی دین داری اور تواضع کی بدولت تھا، جب وہ اپنے دین دار ہونے پر فخر نہیں کرتے تھے، تو اولاد کو فخر کرنا کیسے زیبا ہے؟

چہارم، پنجم: مال و جمال: ... اگر اپنے مال دار یا حسین ہونے پر فخر کرتا ہے، تو یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ اگر مال پر ڈاکا پڑ جائے تو سب جاتا رہے، حسین اگر بیمار ہو جائے یا اس کے چچک نکل آئے تو صورت کا رُوپ ہی بدل جائے گا، اور ویسے بھی اگر ہفتہ بھر بناوٹ، آرائش اور غسل نہ کرے تو دیکھ لو کہ بدن کے رنگ اور بو کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس پر نازاں ہونا بڑی حماقت ہے، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ كُلِّ سُوِّ اَمِيْنٍ بِرَحْمَتِكَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ!

۹: ... خود پسندی کا علاج:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ“ (النجم: ۳۲)

”اپنے آپ کو پاک و صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو۔“

یہ کافروں کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپ کو اچھا سمجھیں، خود پسندی تباہ کر دیتی ہے، کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکو کار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور سعادتِ اُخروی سے محروم ہو جاتا ہے، خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ

ہے، فرق صرف یہ ہے کہ تکبر میں اپنے نفس کو دوسرے لوگوں سے بڑا سمجھتا ہے، اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں، بلکہ اپنے آپ کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا، اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا، یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جانا، خود پسندی و عجب کہلاتا ہے، اور اگر یہاں تک نوبت پہنچے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور با وقعت سمجھنے لگے تو یہ ”ناز“ کہلاتا ہے، اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دُعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دُعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا خوف دل میں ہو تو یہ خود پسندی نہیں ہے، کیونکہ خود پسند شخص نعمت کو منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھتا ہے۔

علاج: ... اس کا یہ ہے کہ اگر غیر اختیاری نعمتوں مثلاً قوت و طاقت یا حسن و جمال پر عجب ہو تو یوں سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں؟ یہ اس کا فضل و احسان ہے کہ اس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھ کو عطا کر دیں، علاوہ ازیں یہ سب خوبیاں معرض زوال میں ہیں کہ بیماری و ضعف سے سب جاتی رہیں گی، ناپائیدار پر عجب کیسا؟ اور اگر افعال اختیاریہ، مثلاً: علم، زہد، تقویٰ اور عبادت پر ناز ہو، تو اس پر غور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ ذہن رسا، طاقت، ہمت، دماغ، بینائی، ہاتھ پاؤں، قصد اور ارادہ عطا نہ فرماتا تو کسی کو کمال کیونکر حاصل ہوتا؟ تعجب تو اس پر ہے کہ عاقل سمجھ دار جب کسی جاہل بیوقوف کو مال دار پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا کہ ہم عاقل ہو کر مال سے محروم ہیں اور یہ جاہل متمول بن جائے؟ بھلا کوئی پوچھے کہ عقل، علم تم کو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمتِ علم و عقل سے محروم رہا،

ایسا کیوں؟ بس سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے بلا استحقاق تم پر کرم فرمایا اور عقل و علم جیسی نعمت بخشی، جس کے مقابلے میں مال کی کوئی حقیقت نہیں، اور سوچا کرو کہ جس نے بلا استحقاق یہ چیزیں عطا فرمائیں، اگر بلا تصور چھین بھی لے تو کوئی چوں و چرا نہیں کر سکتا، اور کیا خبر کہ مال کی نعمت اس کے لئے استدراج ہو، وبال جان اور سبب عذاب بن جائے؟ اگر بلا استحقاق انعام کو ذرا بھی سوچتا رہے تو خشیت اور خوف بھی پیدا ہو جائے گا اور عجب سے بھی باسانی نجات مل جائے گی، واللہ اعلم!

۱۰:۔۔۔ ریا کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ

سَاهُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ.“ (الماعون: ۶ تا ۴)

”افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر

ہیں، جو دکھاوا کرتے ہیں۔“

ریا کی مذمت قرآن و حدیث میں بہ کثرت مذکور ہے، ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ وقعت اور قدر و منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے خلاف ہے، کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور ریا میں رضائے خلق اور حصول منزلت مقصود ہے، لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے۔

یاد رکھو! ریا بڑا مہلک مرض ہے، اس کا سبب یا تو حُب مدح یعنی اپنی تعریف کی خواہش اور مذمت کا خوف و اندیشہ ہوتا ہے، یا مال و دنیا کی حرص ہوتی ہے، حُب مدح و مال کی حرص کا علاج گزر چکا اور مذمت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن

نشیں کر لو کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوں تب تو لوگوں کی مذمت مجھ کو کچھ نقصان نہیں کرتی، اور اگر پسندیدہ نہیں ہوں تو لوگوں کی مذمت کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا چاہئے۔

ریا کی اقسام:

یاد رکھو! کہ ریا کئی طرح سے ہوا کرتی ہے:

اول: ... بدن کے ذریعے، مثلاً: شکستگی، ضعف بدن اور پلکوں کا جھپکانا، تاکہ لوگ اُسے روزہ دار اور شب بیدار خیال کریں، یا غمگین شکل بنائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو آخرت کی فکر ہے، یا آواز پست کرے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ریاضت کرتے کرتے اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔

دوم: ... ہیئت کے ذریعے، یعنی اپنی رفتار میں نرمی اور ضعف ظاہر کرے، اور ایسی صورت بنائے جس سے لوگ سمجھیں کہ یہ حالت وجد، مکاشفہ، یا فکر میں مستغرق اور محو ہے۔

سوم: ... لباس کے ذریعے، صوف اور موٹے کپڑے پہنے، کپڑوں کو بوسیدہ اور میلا کچھلا رکھے تاکہ لوگ سمجھیں کہ صوفی صاحب ہیں، یا اس غرض سے کپڑوں کو میلا کچھلا رکھے کہ دین داروں کے دل میں قدر و منزلت ہو، یا کپڑے تو بیش قیمت پہنے مگر گیر و یا آسمانی رنگ سے رنگوالے تاکہ صوفی لوگ بھی طعنہ نہ دیں، اور امیر لوگ بھی نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔

چہارم: ... گفتگو اور زبان کے ذریعے، یعنی وعظ کرے تو زبان کو موڑ موڑ کر، مسجع عبارتیں بنا کر، آواز اور لہجہ غمگین بنائے، مگر دل میں خاک بھی اثر نہ ہو، یا خلاف شرع باتوں سے نفرت کا اظہار کرنا، مگر دل میں رنج و نفرت کا اثر نام کو بھی نہ

ہو، یا مشائخ کی ملاقات اور صوفیوں کی کرامات کا اظہار کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ تو بالکل سلف کا نمونہ ہے۔

پنجم: ... عمل میں ریا، یعنی قیام و رکوع طویل کرنا، اگر معلوم ہو کہ ان کو کوئی نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے تو فوراً سکینت و وقار سے پڑھنا تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ اس کی نماز خشوع سے بھری ہوئی ہے۔

ششم: ... مریدوں اور شاگردوں کی کثرت بیان کرنا، اور اس کا خواہاں ہونا کہ کسی طرح سلاطین، امراء، علماء اور صلحاء اس کی زیارت کرنے لگیں، تاکہ اس کی شہرت ہو جائے۔

اسی طرح جن عبادتوں میں ریا ہوتی ہے، وہ بھی مختلف ہیں:

اصل ایمان میں ریا، نفاق کہلاتی ہے۔

اصل عبادت میں ریا، مثلاً: لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا وغیرہ، چنانچہ اگر کوئی پاس نہیں تو نہ نماز ہے، نہ زکوٰۃ۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ فرائض میں ریا نہ ہو مگر نوافل و مستحبات میں ریا کرے،

یہ سب اقسام تو نہایت سخت ہیں۔ اس کے سوا تین درجے اور ہیں:

اول: یہ کہ عبادت سے مقصود تو حق تعالیٰ کی رضا ہو، لیکن اگر کوئی اس کو

عبادت کرتا دیکھ لے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے اور اسے نماز گراں معلوم نہ ہو، اگر اتنی سی بات ہے تو اُمید ہے کہ حق تعالیٰ معاف فرمادے اور عبادت قبول فرمائے۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ عبادت کا قصد کم اور دکھاوے کا خیال غالب ہو، یعنی

یہ حالت ہو کہ جتنا لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے، تنہائی اور خلوت میں اتنا عبادت نہیں ہو سکتی، ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ عبادت اور ریا دونوں مساوی ہوں، مثلاً: جس قدر

عبادت سے خدا تعالیٰ کی طاعت مقصود ہو، اسی قدر دکھلاوا بھی مقصود ہو، چونکہ اس میں نفع اور نقصان برابر ہے، ممکن ہے کہ اس پر نہ عذاب ہو نہ ثواب، مگر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”جملہ شرکاء میں، شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز

میری ذات ہے“

پس عجب نہیں کہ اس صورت میں بھی عبادت باطل ہو جائے۔

ریا جلی و خفی:

ریا کبھی تو جلی ہوتی ہے، مثلاً: تنہائی کی حالت میں اتنی عبادت نہیں ہوتی جتنی لوگوں کے سامنے ہوتی ہے۔

اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتی ہے، مثلاً: تہجد تو ہمیشہ پڑھتا ہے، مگر مہمان کے سامنے زیادہ نشاط اور مسرت ہوتی ہے، اس میں بھی ریا ہے، مگر پہلے کی نسبت خفی ہے۔ اس سے زیادہ مخفی یہ ہے کہ کسی کے موجود ہونے میں نشاط زیادہ نہ ہو، مگر اثناء عبادت یا بعد میں اگر کوئی مطلع ہو تو اس کے دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں ریا چھپی ہوئی ہے۔

اس سے بھی زیادہ خفی یہ ہے کہ اطلاع سے خوشی بھی نہ ہو، لیکن اس کا آرزو مند رہے کہ کاش لوگ میری تعریف کریں، اگر کوئی اس کے ساتھ بُرائی کرے تو اس کو تعجب ہوتا ہے، یہ بھی ریا ہے، کیونکہ لوگوں پر اپنی طاعت و عبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے، اس قسم کی ریا بھی، جس سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں، گناہِ صغیرہ میں داخل ہے، اور اعمال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ضرور ہے۔

البتہ اگر عبادت پر مطلع ہونے سے خوشی اور سرور اس بنا پر ہو کہ الحمد للہ! اللہ

تعالیٰ نے عمل نیک کا اظہار فرمایا اور ہمارے فعل قبیح کو پوشیدہ فرمایا، کیونکہ گناہ پر ستاری اور نیکی کا اظہار کرنا قیامت کی رسوائی سے بچاؤ کی نشانی ہے، تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فائدہ: ... ریا، یا تو عبادت کے شروع ہی سے ہو، جیسے: اول سے لے کر آخر تک دکھلاوے کے لئے نماز پڑھے، یہ صورت تو نماز کے لئے مفید ہے، یعنی موجب ثواب نہیں، بلکہ موجب عذاب ہے، یا عبادت کے درمیان میں ریا پیدا ہوگئی، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عبادت کی اصلی نیت مغلوب ہے تو نماز مقبول نہیں، یا بعد میں ریا پیدا ہوئی، مثلاً: لوگوں کے آگاہ ہونے پر مسرت ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ بعد کی ریا مضر نہیں، ہاں! اس کا اظہار کرنا مستقل اور علیحدہ گناہ ہوگا۔

فائدہ: ... گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں، البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کریں گے اور متقی اور عابد سمجھیں گے، بے شک حرام ہے، کیونکہ مخلوق کی مدح سے گویا اپنی طاعت کا معاوضہ لینا ہے، ہاں! ریا کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں، اپنے معمول کو ترک نہ کرے، بلکہ عادتوں کے موافق اپنا کام کیا کرے اور حتی الوسع اس وسواس کو علیحدہ کرتا رہے، ریا کا علاج گزر چکا ہے۔

تعمیر الباطن کے دوسرے جزو، اخلاق محمودہ کی تفصیل:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”طہارت نصف ایمان ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۳۸)

ایک جزو یہ ہے کہ قلب کو نجاستوں سے پاک کرے، جس کا بیان مختصراً

گزر چکا ہے۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ خوبیوں سے قلب کو آراستہ کرے، اس کی تفصیل مختصراً
عرض کی جاتی ہے، اس میں دس اصول ہیں:

۱۔... توبہ کا بیان:

یاد رکھو! غفلت اور ہوائے نفس ایسے مہلک امراض ہیں کہ ان کی وجہ سے
انسان خدا کی معصیت اور گناہ کے کام پر اصرار اور مداومت کرنے لگتا ہے، اور یاد
رکھو! کہ غفلت کا باطنی مرض جسم کے ظاہری امراض بخار، جاڑا اور پھوڑے پھنسی وغیرہ
سے بہت بڑھا ہوا ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

اول: ... اس وجہ سے کہ بدن کے ظاہری امراض نظر آتے ہیں، اور باطنی
امراض نظر نہیں آتے۔

دوم: ... اس وجہ سے کہ انسان نے باطنی امراض کا انجام نہیں دیکھا، اسی
لئے خدا تعالیٰ کے عفو پر بھروسہ کئے بے فکر ہو کر علاج کی طرف مطلقاً متوجہ نہیں ہوتا،
بخلاف بدنی امراض کے کہ ان کا نتیجہ تجربے میں آچکا ہے، اسی لئے یہاں خدا تعالیٰ پر
بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ جاتا، بلکہ انتہائی کوشش سے علاج کرتا ہے۔

سوم: ... اس وجہ سے کہ ان باطنی امراض کے طبیب مفقود ہیں، کیونکہ اس
مرض کے طبیب علمائے شریعت اور عقلائے زمانہ ہوتے ہیں، اور وہ خود باطنی
بیماریوں، مثلاً: حب دُنیا، حسد اور ریا وغیرہ میں مبتلا ہیں، اور لوگ انہی کو اپنا مقتدا و
پیشوا سمجھتے ہیں، جب ان کی اقتدا کریں گے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؟ افسوس! کہ
جو لوگ مصلح تھے، مفسد بن گئے، اور جو راہبر تھے، گمراہ ہو گئے، تو کس طرح گناہوں پر
اصرار نہ ہونے لگے؟

گناہوں پر اصرار ہونے کی اور بھی کئی ایک وجوہ ہیں، اول یہ کہ گناہوں کی

سزا دست بدست نہیں ملا کرتی، اس لئے اس کی وقعت نہیں ہوا کرتی۔

علاج: ... اس کا علاج یہ ہے کہ سوچے کہ جو چیز ضرور آنے والی ہے، وہ

قریب ہے۔

دوم: ... یہ کہ نفس کو مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزہ آرہا ہے، اس کو

چھوڑنا ناگوار ہے۔

سوم: ... یہ کہ نفس نے کابلی کا سبق پڑھا دیا ہے کہ یہ کام آج ہی کرنا کیا

ضروری ہے؟ پھر کر لیں گے!

چہارم: ... یہ کہ نفس نے حق تعالیٰ کے عفو و کرم کا آرزو مند بنا رکھا ہے،

حالانکہ حدیث میں ہے کہ:

”عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع بنالیا اور

مرنے کے بعد کام آنے والا ذخیرہ جمع کر لیا، اور احمق ہے وہ

شخص جس نے خواہشات کا اتباع کیا اور پھر خدا سے عفو و کرم کا

آرزو مند رہا۔“ (مشکوٰۃ ص: ۴۵۱)

اسی لئے توبہ کر کے رجوع کرنا بہت ضروری ہے، خصوصاً کبیرہ گناہوں اور

صغیرہ پر اصرار سے، یاد رکھو! کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا بہت ہی خطرناک ہے، اس

لئے کہ صغیرہ گناہ کی ذہن میں وقعت نہیں ہوتی، اور جب اس کو معمولی سمجھتا ہے، تو اس

سے توبہ کیسے کرے گا؟ اور اس لئے کہ بسا اوقات اس صغیرہ کو نعمت سمجھتا ہے اور اس پر

فخر کرتا ہے کہ: ”میں نے فلاں کو کیسا جواب دیا، دھوکا دیا، اس کی آبروریزی کی“

کیونکہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضر ہے۔

توبہ کی حقیقت اور اقسام:

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ کو اخروی زندگی کے لئے سم قاتل سمجھ کر متأسف اور نادم ہو، اور اس کے چھوڑنے کا عزم کرے، اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گزشتہ تقصیر کا تدارک کرے، مثلاً: نماز فرض کی قضا کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور حقوق العباد معاف کرائے یا ادا کرے۔

یاد رکھو! کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے، صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے، متقین کی توبہ شک و شبہات کے ابتلا سے، محبتین کی توبہ غفلت ذکر سے، اور عارفین کی توبہ اس مقام سے جس سے اوپر پہنچ گئے ہیں۔

۲: ... خوفِ الہی کا بیان:

خوف کرنے والوں کی شان میں حق تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضا کی محمودہ خصالتیں جمع فرمائی ہیں۔

خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ آنے والی تکلیف کے اندیشہ سے دل دُکھے

اور سوزش پیدا ہو۔

تخصیلِ خوف کا طریقہ:

ظاہر ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ کی معرفت حاصل نہ ہوگی، اس وقت تک خوف پیدا نہ ہوگا، اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا کہ خداوند تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ دم میں جو چاہے کرے اور مخلوق میں کوئی شخص چوں بھی نہیں کر سکتا، تو اس وقت خوف و اندیشہ پیدا ہو جائے گا، پس اگر خوف پیدا کرنا چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کی صفاتِ جلال اور بے نیازی کو سوچو۔

خوف کی حد:

یاد رکھو! کہ خوف ایک چابک ہے، جو انسان کو سعادتِ ابدی کی طرف دوڑاتا ہے، اسی لئے خوف اسی حد تک پسندیدہ ہے جب تک کہ نیکوکاری کا آلہ ہے، پھر اگر خوف اس قدر زیادہ ہو کہ ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے، تو بھی شرعاً مذموم ہے، اور اگر اتنا ضعیف ہو کہ خالق سے نڈر ہو جائے تو بھی مذموم ہے، کیونکہ: "الْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ" پس چاہئے کہ خوف اور اُمید کے دونوں پلے برابر ہوں۔

یاد رکھو! کہ جوانی اور عیش میں خوف کو غالب رکھنا چاہئے، مگر بڑھاپے، مصیبت اور موت کے وقت اُمید کو غالب رکھنا چاہئے۔

رجائے مقبول:

یاد رکھو! کہ رجا اور اُمید مقبول وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی اطاعت میں پوری مشقت اٹھانے اور مجاہدہ و ریاضت کے بعد ہو اور اگر ایسی نہ ہو تو وہ رجا مقبول نہیں، اس کو تمنا اور ہوس کہتے ہیں، اور وہ شیطانی دھوکا ہے۔

۳: ... زُہد کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ

(الانعام: ۱۲۵)

لِلْاِسْلَامِ."

ترجمہ: "... اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے، اس کا

شرح صدر کر دیتا ہے۔"

صحابہ رضوان اللہ علیہم نے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ! اس کی شناخت کیا

ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”دُنیا سے بے رغبتی، دین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا، شرح صدر ہے۔“
(کذافی ابن ابی شیبہ وغیرہ)

زُہد کی حقیقت، ثمرہ اور درجات:

حقیقی زُہد یہ ہے کہ انسان دُنیا کے مال و متاع کی جانب التفات نہ کرے، اور تحصیل کی قدرت کے باوجود اس کی جانب متوجہ نہ ہو، زُہد کا ثمرہ یہ ہے کہ نفس اگرچہ دُنیا کی طرف مائل ہو، مگر اس کو جبراً بے التفات بنائے، اس حالت کو زُہد سے تزہد کہنا بہتر ہے۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ دُنیا سے نفس اتنا متنفر ہو جائے کہ اس کی طرف مائل ہی نہ ہو اور سمجھے کہ دُنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یکجا جمع ہونا ناممکن ہے۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ دُنیا کے مال و متاع کا ہونا نہ ہونا برابر ہو، یعنی اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہیں، اور نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھوں سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہ ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ دُنیا کی وقعت نظر سے اُٹھ جائے۔

اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زُہد سے بھی زُہد ہو جائے یعنی دُنیا کی جانب سے بے التفاتی کو بھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھے، بلکہ اس کو قابل ذکر بھی نہ سمجھے۔

زُہد کے اسباب:

زُہد کے اسباب متعدد ہیں:

خائفین کا زُہد اندیشہ عذابِ قبر سے ہوتا ہے، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

کبھی اخروی نعمتوں اور لذتوں کی رغبت سے ہوتا ہے، اور یہ راجحین کا زُہد ہے، اور یہ درجہ پہلے درجے سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ اُمیدِ محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی

فضیلت تم کو معلوم ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کے غیر اللہ کی جانب التفات نہ کرنے کو ہی کو فضول سمجھا جائے، کیونکہ وہ کوئی چیز نہیں۔
اگر کوئی شخص دُنیا کو حاصل کرنا چاہے، مگر دُنیا اس کے ہاتھ نہ آئے، تو اس کو زُہد نہیں کہتے، بلکہ اس کا نام فقر ہے، بہر حال فقر کی فضیلت بھی آئی ہے۔

۴: ... صبر کا بیان:

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ.“ (البقرة: ۱۵۳)

ترجمہ:...” اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز

کے ذریعہ، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”صبر نصف ایمان ہے۔“

(الترغیب والترہیب ج: ۴ ص: ۲۷۷)

صبر کے حقیقی معنی: ہوائے نفس (خواہشِ نفس) کے مقابلے میں خدا تعالیٰ

کے حکم پر ثابت قدم رہنے کے ہیں، مگر یہ صرف انسان کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ

بہائم میں صرف خواہشات و شہوات ہی کا مادہ ہے، ان میں عقل اور دین کا شعور نہیں

ہے۔ جبکہ فرشتوں میں صرف خدا تعالیٰ کے قرب کی استعداد پیدا کی گئی ہے، وہ شہوات

اور غیظ و غضب سے بالکل منزہ ہیں، وہ جانتے ہی نہیں کہ شہوت کیا چیز ہے؟ لہذا صبر کا

مرتبہ ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

صبر کے درجات:

یاد رکھو! کہ صبر کے تین درجے ہیں:

الف: ... صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شہوات اور ہوائے نفس کا مادہ اتنا مغلوب ہو جائے کہ اس میں عقل سلیم کے مقابلے کی قدرت ہی نہ رہے۔ جن نفوس کو اس پر ثبات و بقا نصیب ہوا، ان نفوس کو نفس مطمئنہ کا خطاب حاصل ہوتا ہے، اور ان کو رضائے الہی کی بشارت ہے۔

ب: ... صبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آجائے، پھر اس کی دو

علامتیں ہیں:

۱: ... ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ مجھے توبہ کا شوق ہے، مگر توبہ اس سے ہونہیں سکتی۔

۲: ... دوم یہ کہ توبہ کا شوق ہی نہ رہے، یا کہے کہ اللہ رحیم و کریم ہے، اسے

میری توبہ کی کیا پروا ہے؟

ج: ... صبر کا متوسط درجہ یہ ہے کہ شیطانی گروہ اور خدائی لشکر میں جنگ و

جدال رہے، کبھی یہ غالب اور کبھی وہ غالب، اس کی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشوں کو چھوڑ سکے اور زور آور شہوات کو نہ چھوڑ سکے، اور برابر اس کوشش میں لگا رہے کہ کسی طرح نفس پر قابو حاصل ہو جائے، اسی کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

یاد رکھو! کہ انسان ساری عمر اور ہر حالت میں صبر کا محتاج ہے، کیونکہ اُسے دو

ہی حالتیں پیش آسکتی ہیں: سب کچھ اس کی مرضی کے موافق ہوگا یا مخالف و ناگوار

ہوگا، اگر اول ہے، جیسے: تو نگری، اولاد اور عزت وغیرہ، تو اس میں صبر کی نہایت

ضرورت ہے، کیونکہ اگر نفس کی باگ نہ تھامی گئی تو یہ سرکش شرارت کرے گا، اور اگر

حالتِ دوم یعنی ناگواری ہو، تو اس کی چار قسمیں ہیں:

صبر طاعت:

اول: طاعات میں صبر کرنا جس سے نفس بھاگتا ہے، جیسے نماز میں سستی نہ کرنا، زکوٰۃ میں بخل نہ کرنا، عبادت میں شروع سے آخر تک اخلاص رکھنا، عبادت کے اندر آداب و سنن پورے طور پر ادا کرنا، اور فراغت کے بعد ریا و سمعہ کے طور پر اس کا اظہار نہ کرنا وغیرہ۔

صبر عن المعصیت:

دوم: معاصی سے صبر کرنا، خاص کر جس کا نفس معاصی کا عادی ہو، جیسے: غیبت، جھوٹ اور خود ستائی وغیرہ۔

صبر علی المکارہ:

سوم: صبر کی تیسری قسم یہ ہے کہ اختیار ہونے کے باوجود انتقام نہ لینا، یہ کسی وقت واجب، اور کسی وقت مستحب ہوتا ہے، چنانچہ اپنے متعلق انتقام نہ لینا اور صبر کر لینا مستحب ہے، اور دوسروں کے متعلق انتقام لے لینا اور ظالموں سے ضعیفوں کو حق و لادینا واجب ہے۔

چہارم: چوتھی قسم بالکل غیر اختیاری ہے، جیسے: مرض و مصیبت میں صبر کرنا، اس کا بہت بڑا درجہ ہے، اس میں صبر یہ ہے کہ شکایت کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔

۵: ...شکر کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

(ابراہیم: ۷۰)

”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ“

ترجمہ: "... اگر تم لوگ شکر کرو گے تو ہم تم کو زیادہ دیں

گے۔"

واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی ہے، اور صبر، خوف، زہد اور تمام مذکورہ مقامات سے بلند ہے، کیونکہ جن صفات کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے کوئی بھی مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ مقصود بالغیر ہے، چنانچہ صبر تو اس لئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہو جائے، خوف اس لئے کہ کوڑے کا کام دے کر مقام مقصود تک پہنچادے، اور زہد اس لئے کہ ماسوا اللہ کے تعلق سے بے خبر ہو جائے، البتہ شکر ایسی صفت ہے جو مقصود بالذات اور فی نفسہ مطلوب ہے، یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت میں ہوگا، مگر توبہ، زہد اور صبر کی وہاں حاجت نہیں۔

شکر کے ارکان:

شکر کے تین رکن ہیں:

اول: علم، یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا اور نیز سمجھنا کہ سب نعمتیں حق تعالیٰ کی ہیں، اور سب وسائط اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، اس کو سمجھنے سے دو باتیں پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوم اس کی خدمت گزاری، اور امثال امر میں سرگرم ہونا، ان دو حالتوں کا نام حال اور عمل ہے۔

دوسرا رکن: حال ہے، کہ منعم کی نعمت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ یہ منعم کا عطیہ ہے، اور اس پر خضوع و تذلل ظاہر کرنا، پھر اس کی خوشی بھی تین وجہ سے ہوتی ہے: ایک: یہ کہ میرے کام کی چیز ہاتھ آگئی، مثلاً: گھوڑے کی ضرورت تھی اور گھوڑا ہاتھ آ گیا، یہ حالت تو کوئی چیز نہیں، کیونکہ اس میں صرف نعمت پر خوشی ہے، اس میں منعم کی حیثیت ملحوظ نہیں۔

دوم: یہ کہ یہ نعمت، مثلاً: گھوڑے پر سوار ہو کر منعم آقا کے حضور حاضر ہو کر شاہی خدمت بجالا سکے گا، یہ حالت شکر کا حال درجہ ہے، کیونکہ اس پر اس وجہ سے خوش ہو رہا ہے کہ یہ منعم یعنی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ کسی ایسی نعمت پر خوشی نہ ہو جس کے سبب ذکر الہی سے غفلت ہو۔

سوم: متوسط درجہ یہ ہے کہ اس نعمت سے خوش ہو کر اُسے عطیہ بتلا رہا ہے کہ اس غلام پر منعم کی عنایت ہے، جس سے آئندہ اور بڑی نعمت کے حصول کی اُمید ہے، یہ حالت شکر میں شمار ہے، البتہ ضعیف ہے۔

تیسرا رکن عمل ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرے، مثلاً: زبان کو یادِ خدا تعالیٰ میں، کان کو ذکرِ الہی کے سننے میں، اور قلب کو ذکرِ معرفت اور اخلاص میں استعمال کرے، اسی طرح ہر نعمت کو۔

۶: ... اخلاص اور صدق کا بیان:

اخلاص کی بنیاد مسلمان کی نیت ہے، کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے، اور اخلاص کا کمال صدق ہے، اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو، اس لئے نیت، اخلاص اور صدق کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

رکنِ اول: نیت: ... حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”اعمال کا مدار نیت پر ہے۔“

(مشکوٰۃ ص: ۱۱، بحوالہ بخاری و مسلم)

اور نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں، جس سے کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے اس شے کا علم ہوتا ہے، علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کام کو کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، گویا قصد و ارادہ،

قدرت کے خادم ہیں، پس وہی عزم و میلان، جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں پھیلانے، یعنی کام کرنے پر مستعد کیا ہے، نیت ہے۔

ایک عمل میں کئی نیتیں:

یاد رکھو! ایک عمل میں کئی کئی نیتوں کا جمع ہونا ممکن ہے، مثلاً: مسجد کے اندر جانے میں اللہ کی زیارت کی نیت، انتظارِ صلوٰۃ کی نیت، اعتکاف کی نیت، خلوت کی نیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیر ذالک کی نیتیں جمع ہو سکتی ہیں کہ یہ سب یا بعض نیتیں اس کے مسجد میں جانے کے لئے محرک ہوں۔

اسی طرح معصیت میں بھی کئی کئی فاسد نیتیں جمع ہو سکتی ہیں، مثلاً: مسجد میں جانے کا باعث فضول باتیں کرنا، مسلمانوں کی آبروریزی، ہنسی مذاق اڑانا، بے ریش لڑکوں کو دیکھنا، تفاخر اور مناظرہ کی نیتیں جمع ہو کر شیطان کے اعمال کے مساوی ہو جانا ممکن ہے، معاذ اللہ!

رُکنِ دوم: اِخْلَاصِ نِيْتٍ: ...حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”وَمَا أُمْرُوًا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“

(البینہ: ۴)

ترجمہ: ...”لوگوں کو اسی کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت

کریں، مخلص بن کر۔“

اِخْلَاصِ كے معنی یہ ہیں کہ صرف ایک نیت ہی عمل کا باعث ہو، خواہ ریا مقصود ہو یا محض حق تعالیٰ کی رضا۔ جس طرح الحاد کے لغوی معنی محض میلان کے ہیں، خواہ حق کی جانب ہو یا باطل کی طرف، مگر شرعاً باطل کی جانب مائل ہونے کا نام الحاد ہے، اسی طرح عبادت میں اگر محض رضائے حق تعالیٰ کا قصد ہو تو وہ اِخْلَاصِ ہے، اور

اگر اس میں ریا کی آمیزش یا دُنیا کے کسی فائدہ کا ارادہ شامل ہو، جیسے: اگر روزہ میں عبادت کے ساتھ، ساتھ بیماری سے نفع ہونے کا قصد بھی ہو تو یہ اخلاص نہیں، اسی طرح اگر حج کرنے میں یہ غرض بھی ہو کہ سفر کرنے سے صحت مزاج حاصل ہوگی یا دشمن کی ایذاؤں سے چند روز بچ جاؤں گا، تو اخلاص نہ رہا، اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہو جائے تو نجات مل جائے گی۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مبارک ہو اس کو! جس کا ایک قدم بھی ایسا اٹھا جس

سے مقصود خدا ہی ہے۔“

یاد رکھو! اگر مباح کاموں کے اندر حق تعالیٰ کی رضا کا قصد شامل ہو جائے تو اس کا ثواب بھی ضرور ملے گا۔

تیسرا رکن صدق ہے: ... اور یہی اخلاص کا کمال ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے وہ ہیں جو اپنے عہد میں سچے ثابت ہوئے۔

صدق کے درجات:

صدق کے چھ درجے ہیں:

پہلا درجہ: صدقِ قولی ہے، کہ ہر حالت میں سچ بولے، اس کے دو کمال ہیں، اول: تعریض سے بھی پرہیز کرے، دوسرا: یہ کہ ان اقوال میں بھی صدق کا لحاظ رکھے، جو حق تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے، مثلاً: نماز میں ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ (تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں) کہتا ہے، پس اگر دل کے اندر زر کی طلب اور مال کی محبت موجود ہے، تو یہ بھی کذب ہے، کیونکہ دل میں تو دُنیا کا بندہ بنا ہوا ہے، اسی طرح ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہنے کے وقت ہمہ تن شکر ہو جائے، اگر ایسا

نہ ہو تو یہ بھی کذب ہے، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا!

دوسرا درجہ: نیت میں سچا رہنے کا ہے، یعنی ایسا اخلاص کہ جس میں عبادت کے قصد کے سوا کسی دوسرے قصد کی آمیزش نہ ہو۔

تیسرا درجہ: عزم میں سچا بننے کا ہے، انسان اکثر قصد کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کروں گا، پھر جب مال مل گیا تو بعض حضرات تو عزم میں پختہ رہتے ہیں، مگر بعض متردّد ہو جاتے ہیں، سچا وہ ہے جس کے عزم میں تردد نہ آئے۔

چوتھا درجہ: عزم کے پورا کرنے میں سچائی کا ہے، کیونکہ اکثر اوقات انسان عزم میں تو پختہ ہوتا ہے، مگر پورا کرتے وقت کاہل بن جاتا ہے، مثلاً: مال کے ہاتھ آنے کے بعد صدقہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

پانچواں درجہ: یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہوں، یعنی ظاہری حالت وہی ہو جو باطن میں ہے، مثلاً: نرم چال چل کر ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے، جبکہ قلب کے اندر وقار نہ ہو، بلکہ محض لوگوں کے دکھانے کو ہو، تو اس کا نام ریا ہے، اگر دکھاوے کا خیال نہیں تو ریا تو نہیں، مگر صدق بھی نہیں۔

چھٹا درجہ: باطنی معاملات اور مدارج میں سچا ہو، مثلاً: زُہد، اخلاص، توکل وغیرہ کا انتہائی مرتبہ حاصل کرے، جو اُسے اسمِ باسْمٰی بنادے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ.“
(الحجرات: ۱۵)

ترجمہ:.... ”مؤمن وہی ہے جو اللہ و رسول پر ایمان لائے، پھر اس نے نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستے میں اپنے

مال و جان سے دریغ کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔“
جس شخص کو ان میں سے جو درجہ حاصل ہوگا، اسی مقدار کے موافق اُسے
صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

۷:.... توکل کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ.“ (ابراہیم: ۱۱)

ترجمہ:.... ”اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔“

”إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا“ (یونس: ۸۴)

ترجمہ:.... ”لوگو! اگر ایمان دار ہو تو خدا پر توکل کرو۔“

توکل کے معنی اس حالت کے ہیں، جو حق تعالیٰ کو یکتا، فاعل، مختار، تمام
صفات کمالیہ میں مستقل اور لا شریک سمجھنے کے بعد پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد یہ
حالت ایسے کام کراتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے۔

توکل کے ارکان:

توکل کے تین رکن ہیں: اول معرفت، دوم حالت، سوم اعمال۔

رکن اول: معرفت:.... یعنی حق تعالیٰ کی توحید، جس کا اقرار کلمہ توحید

سے ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کا ملک ہے، وہ یکتا ہے اور وہی ہر چیز

پر قادر ہے، جب اس کا اعتقاد راسخ ہو جائے گا تو توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی،

بشرطیکہ اس صدق اقرار کا معنی قلب پر غالب آجائے۔

دوسرا رکن حال توکل ہے:.... اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے تمام کام

خدا کے حوالے کر دو، قلب کو مطمئن رکھو، اور غیر سے نظر اٹھا لو، کیونکہ جب سب کچھ

اسی کے قبضے میں ہے اور وہ رحیم و قدیر بھی ہے، تو پھر اس پر توکل کیوں نہ ہو؟ اگر اتنا جان کر بھی توکل نہ ہو، یا پورا یقین نہ ہو، یا یقین تو ہے مگر قلب پر اس یقین کا اثر نہیں، جیسے موت کے آنے کا یقین تو ہے، مگر ایسا نڈر ہے کہ گویا مرنا ہی نہیں، یا قلب پیدائشی طور پر ضعیف اور بزدل ہے، جس پر اوہام اور افکارِ باطلہ غالب ہیں، جیسے مردہ کے پاس لیٹنے سے ڈر معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یقین ہے کہ مردہ کچھ نہیں کر سکتا، تو یہ واقعی توہم ہے۔

تیسرا رکن اعمال ہیں: ... جاہلوں کا خیال ہے کہ متوکل وہی ہے جو سب کام چھوڑ چھاڑ کر، بے کار محض ہو کر خلوت میں بیٹھا رہے، اگر بیمار ہو جائے تو علاج نہ کرے، کہیں آگ میں گھس جائے، کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے، تب متوکل کہلائے گا، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے، کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے، جبکہ شرع نے توکل کی ترغیب دی ہے، بھلا جس چیز کو شریعت حرام بتلائے، اس کی ترغیب کیوں دلائے گی...؟

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی کوشش چند وجوہ سے ہوا کرتی ہے، مثلاً: نافع چیز کے حاصل کرنے، موجودہ نفع کی حفاظت، آنے والے ضرر کے روکنے یا موجودہ نقصان کے دور کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

منفعت اور مضرت کی صورت میں اسباب اختیار کرنے اور کوشش کرنے کی تین صورتیں ہیں: یا تو وہ نفع حاصل کرنے اور مضرت سے بچنے کا یقینی سبب ہوگا، یا اس کا غالب گمان ہوگا، یا محض موہوم ہوگا، یقینی سبب کے اختیار کرنے کا حکم شرعاً ضروری ہے، کیونکہ جن کو حق تعالیٰ نے قاعدے کے طور پر تجویز فرمایا ہے، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، اس کو ترک کرنا حرام اور گناہ ہے، مثلاً: اولاد ہونے کے لئے نکاح کرنا، اور بھوک پیاس رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یا درندہ کو دیکھ کر بھاگ

جانا، یا جھکی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا، اس میں توکل یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرے، مگر ان سب پر دل سے بھروسہ نہ ہو، بلکہ دل سے خالق پر بھروسہ ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سبب پر نتیجہ مرتب ہونے کا غالب گمان ہو، مثلاً: جنگل کے سفر کے لئے توشہ لے جانا، اگر توشہ ساتھ نہ لے جائے تو اگرچہ مرجانا تو یقینی نہیں، تاہم غالب گمان ہے کہ مرجائے گا، تو ایسے سبب کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں، بلکہ سلف کا طریقہ اور صلحاء کا معمول رہا ہے۔

تیسری صورت موہوم کی ہے کہ جیسے مرض کے جاتے رہنے کے لئے منتر پڑھنا، داغنا اور مضر کا ترک کرنا وغیرہ بھی توکل ہے، ہاں! اگر غالب گمان ہو تو اختیار کرنا جائز ہے۔

فائدہ: ... متوکل کو اپنے لئے ذخیرہ بنا کر رکھنا خلاف توکل ہے، اور بال بچوں کے لئے ذخیرہ بنانا خلاف توکل نہیں، حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے لئے سال بھر کا نفقہ مرحمت فرمادیتے تھے۔

۸: ... محبت کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے، اور نیک

بندے اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔“

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”جب تک تمہارے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ہر

چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوگا، اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ

ہوگا۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۲ بحوالہ بخاری و مسلم)

یاد رکھو! محبت کا مدار حسن پر ہے، اور حسن دو قسم پر ہے: حسن ظاہری اور حسن معنوی۔

اسبابِ محبت:

حسن ظاہری: کی وجہ سے محبت کا ہونا ادنیٰ درجہ ہے، کیونکہ حسن بھی معرض زوال میں (زوال پذیر) ہے، اور اس حسن کا ادراک بھی حواسِ خمسہ سے ہوتا ہے، مثلاً: آنکھ کو خوبصورت و حسین چیز دیکھنے سے لذت آتی ہے، کان کو موزوں اشعار اور خوش الحانی سے مزہ آتا ہے، زبان کو چکھنے سے، ناک کو سونگھنے سے اور تمام بدن کو نرم چیز کے چھونے سے لذت حاصل ہوتی ہے، اور حواسِ خمسہ کے لذائم میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں۔

حسن معنوی: یعنی خوب سیرتی کی وجہ سے محبت کا ہونا اعلیٰ درجہ ہے، کیونکہ اس حسن کا ادراک کرنے والا قلب ہے، اور قلب، جس کو عقل اور نور بھی کہتے ہیں، انسان کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اس کا ادراک بصیرت پر ہے، بشرطیکہ بصیرت کے آنکھ، کان روشن ہوں، اور بصیرت قلب انسان کے ساتھ خاص ہے، جتنا خوبصورتی کے اوصاف کمال پر ہوں گے، اتنا ہی محبت کمال پر ہوگی، مثلاً: جتنا بھی مقتدایانِ دین کے کمالات سے جاتے ہیں، اتنا ہی ان سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ ان کے نام پر جان و مال خرچ کرنے میں مطلق دریغ نہیں ہوتا، حالانکہ ان کی صورتِ مبارک بھی آنکھوں سے نہیں دیکھی، جب مقتدایانِ دین کے کمالاتِ عالیہ سن کر ان سے ایسی محبت ہو جاتی ہے، کہ ان کے نام پر جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں ہوتا، تو چونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات بدرجہ اتم موجود ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کے

ساتھ محبت دُنیا بھر کے علماء و انبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ذات نے یہ کمالات عطا فرمائے ہیں، اور درحقیقت مخلوق کے جملہ کمالات اس ذات کے اوصاف کے پرتو اور ظل ہیں، تو اس کے ساتھ محبت کیوں نہ ہوگی؟ اس پر بھی اگر تمہاری بصیرت حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا ادراک نہ کر سکے اور عشق پیدا نہ ہو، تو کم سے کم اتنا تو کر لو کہ اس کے احسانات و انعامات کو یاد کرو، آخر محسن کے ساتھ محبت پیدا ہو جائے گی۔

محبت کی علامات یہ ہیں:

اوّل: ... یہ کہ انسان اپنے نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا ہو۔

دوم: ... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو، موت سے نہ گھبرائے۔
سوم: ... یہ کہ حکم الہی اور قضا و قدر پر اس طرح راضی رہے، کہ گوار اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آئے، اس پر زبان یا دل سے شکوہ نہ کرے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ حَبِيْبِكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ!

۹: ... رضا بر قضا کا بیان:

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے کہ:
”اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔“

رضا کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر، باطن، زبان اور دل میں سے کسی سے اور کسی حالت میں حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے، اس کے ساتھ ہی اس کے حکم کی تعمیل بھی ہو، اسی طرح اس نے عالم کے لئے جو نظام تجویز فرمادیا ہے، اس سے بھی باہر نہ نکلے، بلکہ

شرعی احکام کا پورا پابند رہے، اور حق تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے اور اس کو راضی کرنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہ کرے، مثلاً: دُعا مانگنے اور شر سے بچنے کی تدبیر کرنے کا شرعاً حکم ہے۔ اسی طرح جس شے کے حاصل ہونے کے لئے جو اسباب مقرر فرمائے ہیں، مثلاً: پیاس کے دفع کرنے کے لئے پانی اور بھوک کے لئے روٹی، اولاد حاصل کرنے کے لئے شادی کرنا، ان سب کے اختیار کرنے میں رضا بالقضا ہے، اور ان کے ترک میں اسباب اور عادتِ جاریہ میں رخنہ ڈالنا یا حدودِ شریعت سے باہر نکلنا ہے، اسی طرح امر بالمعروف نہ کرنا بھی حدودِ شریعت سے نکلنا ہے۔

معصیت و کفر کی دو حیثیتیں:

یاد رکھو! کہ معصیت و کفر میں دو حیثیتیں ہیں:

ایک یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے، کیونکہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی ذرہ بھی نہیں ہل سکتا، پس اس اعتبار سے تو اس کو قضا اور تقدیر کہتے ہیں، اس حیثیت سے اس پر ناگواری نہیں، بلکہ رضا ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ کا جو کام بھی ہے، وہ مصلحت سے خالی نہیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ کفر و معصیت، عاصی و کافر شخص کا عمل اور کسب ہے، جو اس کے، حق تعالیٰ کا دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے، پس اس اعتبار سے بے شک اس پر ناگواری اور اس سے بغض ہونا چاہئے، اسی اعتبار سے امر بالمعروف ہے، اور یہی تعمیلِ فرمان ہے، اور اسی اعتبار سے مبغوض ہے، خوب سمجھ لو!

۱۰: ... فکرِ موت کا بیان:

یاد رکھو! کہ مقاماتِ سابقہ، سب ایک درجے میں نہیں ہیں، ان میں سے

بعض تو مقصود بالذات ہیں، کہ کسی کی وجہ سے نہیں ہیں، جیسے مقامِ رضا اور مقامِ محبت، اور بعض مقصود بالغیر ہیں، کہ کسی اور شے کی وجہ سے مقصود ہو گئے ہیں، مثلاً: زُہد، توبہ، خوف اور صبر وغیرہ، کیونکہ درحقیقت مقصود تو قربِ خداوندی ہے، البتہ یہ تمام مقامات خود قرب نہیں، بلکہ راہِ قرب میں معین ہیں، کیونکہ قرب تو معرفت و محبت سے حاصل ہوتا ہے، اور معرفت و محبت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر اللہ کی محبت قطع نہ کر دی جائے، اور غیر اللہ کی محبت جیسے خوفِ خداوندی اور ذکرِ الہی کے ذریعہ قطع ہوتی ہے، اسی طرح موت کی یاد سے بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”اکثروا ذکر ہازم اللذات“

(مشکوٰۃ ص: ۱۴۰ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:.... ”لذتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کا

کثرت سے ذکر کیا کرو۔“

موت کے یاد کرنے کی صورت یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر دل سے سارے خیالات کو نکال کر توبہ کے ساتھ موت کو یاد کرو کہ ایک دن آئے گا جب مال، اولاد، خویش و اقرباء کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، جیسا کہ میرے فلاں فلاں دوست کیسے عیش و آرام میں تھے، مگر کیا ہوا کہ ان کی سب اُمیدیں خاک میں مل گئیں، اور ان کے جسم کیڑے مکوڑوں کی غذا بن گئے، وہ پس ماندگان جن کے لئے تکلیف کش تھا، اب وہ ان کو یاد بھی نہیں، اسی طرح فکر کرتا رہے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ طولِ اہل یعنی لمبی اُمیدیں کم ہو جائیں گی، اور نفس کی اصلاح ہو کر ان شاء اللہ تعالیٰ بہشت کے حصول کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب پیدا ہو جائے گا، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ!

خاتمہ در حسنِ خلق:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:
 ”مؤمنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے
 بہتر ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۴۳۲ بحوالہ ابوداؤد و دارمی)

حسنِ خلق کا نام دین ہے، اور اسی کی تکمیل کے لئے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے، اگرچہ خلقِ حسن کی تحقیق میں محققین کے اقوال مختلف ہیں، مگر ہم اختصار کے ساتھ چند چیزیں بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ خلقِ بفتحِ خا سے مراد صورتِ ظاہری ہے، اور خلقِ بضمِ خا سے مراد صورتِ باطنی ہے، جس طرح خوبصورت، حسین اسی وقت کہلا سکتا ہے جبکہ ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان اور سارے اعضاء متناسب اور خوبصورت ہوں، اسی طرح حسنِ خلق یعنی خوب سیرتی اس وقت حاصل ہوگی جب اس کی تمام باطنی حالتیں قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوں، پھر باطنی حالت کا حسن اور خوبی ان چار قوتوں کے اعتدال پر موقوف ہے جن کا نام قوتِ علم، قوتِ غضب، قوتِ شہوت اور قوتِ عدل ہے، اگر ان میں سے ایک میں بھی افراط و تفریط ہوگئی تو حسنِ خلق نہ ہوگا۔

اول: قوتِ علم:.... جس کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اقوال میں سچ، جھوٹ، اعتقادات میں حق و باطل، اور اعمال میں حسن و فحش یعنی اچھے اور بُرے کی پہچان اور امتیاز و تفریق کر سکے۔

حکمت: جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی، تو اس وقت حکمت اور اس کا ثمرہ پیدا ہو جائے گا، جسے اللہ تعالیٰ بایں الفاظ ارشاد فرماتا ہے کہ:

”وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“
 (البقرة: ۲۶۹)

ترجمہ: "... اور جس کو حکمت نصیب ہوئی، اس کو خیر کثیر

عطا ہوئی۔"

جو درحقیقت تمام فضیلتوں کی جڑ ہے۔

دوم و سوم: قوتِ غضب و قوتِ شہوت: ... ان کا اعتدال اور حسن یہ

ہے کہ یہ دونوں قوتیں حکمت و شریعت کے اشارے پر چلنے لگیں، اور مہذب و مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرماں بردار بن جائیں۔

شجاعت:

قوتِ غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے، اور یہی عند اللہ تعالیٰ پسندیدہ

ہے، اسی سے شجاعت، لطف، کرم، دلیری، جودت، بردباری، استقلال، نرمی، غصے کے ضبط کا مادہ، ہر کام میں دُور اندیشی اور وقار پیدا ہوتا ہے، اگر اس میں زیادتی ہوتی ہے تو اس کا نام تہور ہے، اس سے ناعاقبت اندیشی، شیخی بگھارنا، غصے سے بھڑک اٹھنا، تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے، اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی، ذلت، بے غیرتی، بے حمیتی اور وہ حرکات پیدا ہوتی ہیں جو چھچھورا پن کہلاتی ہیں۔

پارسائی:

شہوت کی حالت کے اعتدال کا نام پارسائی ہے، اس حالت سے سخاوت،

حیا، صبر، قناعت اور اتقا پیدا ہوتے ہیں، اسی سے خوف و خشیت اور دوسرے کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اعتدال سے بڑھنے سے حرص، ہوئی، لالچ، خوشامد، تذلل، فقراء کو بہ نظر حقارت دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریا، تنگ دلی، بزدلی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں۔

چہارم: قوتِ عدل: ... اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوتِ غضب اور قوتِ

شہوت دونوں کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین و عقل کے اشارے کا ماتحت بنائے رکھے، گویا عقل حاکم ہے، اور یہ قوتِ عدل اس کی پیش کار ہے، جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے، اسی جانب کو جھک جاتی ہے، اور اسی کے موافق احکام جاری کرتی ہے، پس جس وقت یہ حالت قابلِ اطمینان اور لائقِ تعریف ہو جاتی ہے، تو انسان احسن الخلق اور خوب سیرت کہلائے گا۔

قوتِ عدل اگر اعتدال میں ہو تو انسان مدبر، منتظم، ذکی اور سمجھ دار ہوتا ہے، اس کی رائے صائب ہوتی ہے، ہر مضمون میں چلتی ہے، اور جو دت کہلاتی ہے۔ اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکا بازی اور مکاری کہلاتی ہے، اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کند ذہنی اور حماقت کہلائے گا، جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکے میں آجائے گا۔

فائدہ: ... ان بد اخلاقیوں کی اصلاح چونکہ ریاضت و مجاہدہ سے ہو سکتی ہے، لہذا اگر کسی میں کوئی بُرا خلق ہو تو اس کو چاہئے کہ نفس پر جبر کرے، مثلاً: اگر بخل کی عادت ہو تو جبراً و قہراً اور نفس کو ناراض کر کے خرچ کرنے کی عادت ڈالے، اگر فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو فرضی سخاوت سے روکے اور جبراً خرچ کرنا بند کرے، تاکہ کم خرچی کی عادت ہو جائے، رفتہ رفتہ طبیعت حالتِ اعتدال پر آجائے گی، اور خصلتِ محمودہ سے دل ایسا متصف ہو جائے گا کہ وہ عمدہ خصلتِ طبیعت بن جائے گی، اسی طرح ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے کرے، اُمید ہے کہ وہ مرض کا فور ہو جائے گا۔

بداخلاقیوں کا علاج:

کبھی بد خلق شخص بھی اپنے کو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ کے واسطے ہی غصہ

آیا ہے، جو خوب سیرتی کے لئے ہونا چاہئے، اسی طرح مثلاً: اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور اس کو نفس یہ دھوکا دے کر مطمئن بنا دیتا ہے کہ تمہاری غرض یہ ہے کہ لوگ اس نیک کام کی رغبت اور اس میں تمہاری اقتدا کریں۔ لہذا مناسب ہے کہ اپنی حالت اپنے کسی مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہیں کیسا سمجھتا ہے؟ پس اگر تمہارے دوست کو تمہاری خیر خواہی منظور ہوگی تو بے تکلف وہ تم کو بتا دے گا کہ تمہاری فلاں عادت خراب ہے، پس اس کی اصلاح میں تم کو مشغول رہنا چاہئے، اگر چند عادتیں خراب ہوں تو زیادہ خراب کی فکر پہلے کرو، یا قلوب کے کسی ماہر طبیب کو اپنا اچھا بُرا حال سب بیان کرتے رہو، وہ جو فرمائے، اس کا اتباع کرو، ان شاء اللہ اصلاح ہو جائے گی، اور اگر یہ دونوں مفقود ہوں، تو اپنی حالت کا کتبِ اخلاق سے موازنہ کیا کرو، اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو لوگوں سے اختلاط اور تعلقات کو کم کرتے جاؤ، اُمید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اصلاح ہوتی جائے گی۔

سلسلہ قادریہ کے اسباق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی
 خُصُوْصًا عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اَصْحَابِهِ
 وَآلِهِ وَاتَّبَاعِهِ الَّذِیْنَ فَازُوْا بِاتِّبَاعِهِ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی.

سلسلہ قادریہ کے اسباق، خواص و عوام کے لئے مختلف ہیں، کسی کے لئے حسب استعداد مراقبات و اذکار ہیں، کسی کے لئے زبانی و طائف ہیں، کسی کے لئے شغل و تصورات ہیں، اور کسی کے لئے محض ذکر قلبی، رُوحی، سری وغیرہ ہیں، بندہ متوسط علم و استعداد والے حضرات کے لئے چند اسباق پیش خدمت کرتا ہے، گر قبول افتد زہے عز و شرف!

- ۱:.... ذکر قلبی: دل کے مقام پر ”اللہ، اللہ“ کی ضرب لگانا اور زبان سے بھی کہنا، قلب بائیں پستان کے نیچے بفاصلہ دو انگشت ہوتا ہے۔
- ۲:.... ذکر رُوحی: لطیفہ رُوح دائیں پستان کے نیچے بفاصلہ دو انگشت۔ بجانب پہلو ہے، اس پر ”اللہ، اللہ“ کی ضرب لگانا اور زبان سے بھی کہنا۔
- ۳:.... ذکر سری: مذکورہ بالا دونوں لطائف کے درمیان وسط سینہ سے ذرا نیچے ”اللہ، اللہ“ کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔
- ۴:.... ذکر لطیفہ نفسی: لطیفہ نفس ناف کے نیچے ہے، اس پر ”اللہ، اللہ“ کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔

۵: ... ذکرِ لطیفہِ خفی: یہ ہے کہ پیشانی پر ”اللہ، اللہ“ کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔

۶: ... ذکرِ لطیفہِ اخفی: تالو پر ”اللہ، اللہ“ کی ضرب لگانا، اور زبان سے کہنا۔
 ۷: ... پاسِ انفاس: لطیفہِ قلبی، رُوحی اور سری سے اسمِ ذات ”اللہ“ کو اٹھا کر (یعنی بذریعہ سانس کھینچ کر) انھی (تالو) تک لے جانا، پھر ناک کے راستے سے ”ہو“ کو نکالنا۔

۸: ... ذکرِ اڑہ: دائیں کندھے سے ”یا“ کو لطیفہِ رُوحی تک لانا، پھر رُوحی سے سری تک ”اللہ“ کہنا، اور سری سے قلبی تک ”ہو“ کہنا۔

۹: ... سبعِ صفات: یعنی سمیع، بصیر، کلیم، حی، قدیر، مرید اور علیم، ان صفات مذکورہ کو لطائف پر اس طرح پڑھنا کہ: سمیع تُو، میں نہیں، بصیر تُو، میں نہیں، کلیم تُو، میں نہیں، حی تُو، میں نہیں، قدیر تُو، میں نہیں، مرید تُو، میں نہیں، علیم تُو، میں نہیں۔

۱۰: ... سلطانِ الاذکار: اسمِ ذات ”اللہ“ کو لطیفہِ نفس سے اٹھا کر عرش سے اوپر لے جائے اور تصور کرے کہ تمام فرشتے تسبیحیں پڑھ رہے ہیں، اور چاروں بڑے فرشتے زور زور سے تسبیحیں پڑھ رہے ہیں، پھر وہاں سے ”ہو“ کو نیچے لانا اور ساتوں زمین کے نیچے تک لے جانا۔

۱۱: ... نفیِ اثبات: لطیفہِ نفس سے ”لا“ کو لطیفہِ سری تک لانا، پھر سری سے ”إلہ“ کو اخفی تک لے جانا، پھر رُوحی سے قلبی تک ”إلَّا اللہ“ پڑھنا۔

۱۲: ... مراقبہِ اسمِ نورانی: مذکورہ بالا لطائف ستہ پر بیک وقت ”اللہ“ کی ضرب لگانا اور ساتھ ہی ان کو روشن کرنا۔

۱۳: ... کبھی نفیِ اثبات اس طور سے کراتے ہیں کہ: ”لا“ کو لطیفہِ رُوحی سے لطیفہِ سری تک لانا اور ”إلَّا اللہ“ کی قلب پر معمولی ضرب لگانا، اور کبھی ”لا“ کو لطیفہِ نفسی

سے کھینچ کر اخفی تک اور ”الہ“ کو داہنے مونڈھے تک لا کر نفی غیر اللہ کا تصور کرنا، اور ”إِلَّا اللّٰهُ“ کی ضرب دل پر لگانا، اور اثبات ذات کا کیا جائے، پھر ”إِلَّا اللّٰهُ، إِلَّا اللّٰهُ“ کی ضرب دل پر لگائے، پھر ”اللّٰهُ، اللّٰهُ“ کی ضرب دل پر لگائے، پھر ”ہو، ہو“ کی ضرب دل پر لگائے، تمام تین، تین سو بار پڑھے، یہ دوازدہ تسبیحات ہیں، مگر زبان سے رونے کی آواز سے آہستہ آہستہ اس قدر کہ ساتھ والا سنے، دُور آواز نہ جائے۔

۱۴:.... پھر ”اللہ حاضری“ داہنے مونڈھے پر اور ”اللہ ناظری“ بائیں مونڈھے پر ”اللہ معی“ سینہ پر تین بار کہے، مگر حاضری، ناظری اور معی کا اس قدر فکر کرے کہ ہر وقت اس کا تصور رہے تاکہ غلطیوں سے بچ جائے، اور فرمان کی تعمیل پوری ہوتی رہے، اور حاضری، ناظری اور معی میں اللہ تعالیٰ کا استحضار اکثر اوقات رہ جائے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ

وصحبہ وسلم ابدا الابد و ختم لنا العمل السعید فانہ

بالاجابة جدیر وهو علی کل شیء قدیر

ويفعل ما يشاء ويحكم ما يريد

۲ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ

”درحقیقت مقصود تو قربِ خداوندی ہے.....“

قرب تو معرفت و محبت سے حاصل ہوتا ہے، اور

معرفت و محبت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر اللہ

کی محبت قطع نہ کر دی جائے۔“

کتابِ
فی الایوار والتجلی

یعنی

اوار و تجلی کی حقیقت

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 رَبِّ یَسْرُ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
 عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ اَجْمَعِیْنَ،
 اَمَّا بَعْدُ!

واضح ہو کہ انوار ذکر، کشف اور تجلیات کی کیفیات میں بعض احباب کو ورطہ حیرت میں مضطرب و سرگرداں دیکھا، خیال ہوا کہ اگر چند چیزیں کتب سابقہ صحیحہ اور مسموعہ انفاس طیبات اکابر کرامؒ مثلاً: حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ وغیرہم سے حوالہ قلم کردی جائیں تو شاید کسی کو فائدہ ہو اور دُعائے مغفرت کرے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مجھے بخشے، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، تو یہ بھی میری نجات کے لئے ایک سبب ہے، اسی لئے ما حضر پیش خدمت ہے، ناظرین کرام قبول فرما کر میرے لئے دُعا فرمائیں، سیجزیہم اللہ تعالیٰ خیراً!

عرض یہ ہے کہ دل کا آئینہ ذکر اللہ سے آہستہ آہستہ صاف ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ.“

(مشکوٰۃ ص: ۹۹)

ترجمہ:.... ”بے شک ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی

خاص چیز ہوتی ہے، اور دلوں کو صفا کرنے والی چیز ذکر اللہ ہے۔“

اگرچہ تمام عمر قساوتِ قلوب میں بسر ہوتی ہے، چند ایام ذکر کرنے سے ...

بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک غالب ہے ... سیاہی آہستہ آہستہ دور ہونے لگتی

ہے، ذکر سے صفائی ہوتی ہے، اور صفائی پر گاہے انوار وارد ہونے لگتے ہیں (ہر کسی کو

انوار معلوم نہیں ہوتے، کسی کسی کو ہوتے ہیں)، اور وہ انوار تین قسم پر منقسم ہیں:

۱.... بروق، ۲.... لوامع، ۳.... لواح۔

بروق: برق کی طرح جلدی آتے اور جاتے ہیں، جیسے روشنی و چمک ظاہر

ہوئی اور پھر غائب ہوگئی۔

لوامع: چمک پے در پے ہوتی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی بس (ختم)

ہو جاتی ہے، لیکن ان کی روشنی پہلی قسم سے زیادہ ہوتی ہے، کبھی چراغ، مشعل کی طرح

ہوتی ہے۔

لواح: میں روشنی دیر تک رہتی ہے، اکثر آفتاب، چاند اور ستارے کی طرح

منعکس ہوتی ہے، پھر وہ روشنی کبھی جسم کے باہر اور کبھی اندر ظاہر ہوتی ہے۔ مع ہذا اگر

کسی رنگ، شکل، صورت اور کیفیت میں ظاہر ہو تو صفاتِ بشری کی آلائش سے خالی نہ

ہوگی، حواسِ باطنہ، ظاہرہ، عناصر یا کسی خارجی چیز کی لطافت کی آمیزش ہوگی، وہ نور

مقید کے نام سے موسوم ہے، اگر وہ بے رنگ و کیف ہے تو وہ وجدانِ قلبی سے معلوم

ہوتی ہے، اس کو نورِ مطلق کہتے ہیں۔

انوار کس کس چیز سے پیدا ہوتے ہیں؟

کبھی یہ انوار اعتقاداتِ صحیحہ کا پرتو، کبھی اعمالِ صالحہ کی تجلی، کبھی اخلاق

فاضلہ کی روشنی، کبھی یہ نور مشکوٰۃ نبوت سے مستفاد، کبھی ولایت شیخ و مرشد اور کبھی مکان مقدس، مزار منور اور زمان مبارک کا نور ہوتا ہے۔ انوار کے امتیاز کے لئے شیخ صاحب بصیرت کی ضرورت ہے۔

جاننا چاہئے کہ انوار میں تماز (امتیاز) اور پہچاننا کہ کس چیز سے پیدا ہوا؟ اور اس کا دوسرے نور سے کیا فرق ہے؟ اور چند چیزوں کے انوار مجتمع ہونے کے وقت غالب و مغلوب میں فرق کرنا بغیر طبیبِ حاذق یعنی شیخِ واثق کے مشکل ہے۔ نیز لطافتِ ناری سے نور کا جدا کرنا اور حواسِ باطنہ کی تجلی کو عبادت کی تجلی سے علیحدہ سمجھنا بھی سوائے ماہر، باریک بین کے عمیر (مشکل) ہے۔ اور بعض وقت مجاہدہ شاقہ، کم خوردنی اور خلوت کے سبب سے بھی کسی قسم کا نور نمودار ہوتا ہے، اور کبھی جن و شیطان، بدعتی اور مشرک پر اپنی لطافتِ ناری کا پرتو ڈالتا ہے، جس کو وہ نورِ سریانی یا طریانی سمجھتا ہے، اس کا فرق بھی محقق کر سکتا ہے، اس کے لئے مرشدِ بصیر کی ضرورت ہے۔

انوار کا اعلیٰ درجہ:

جاننا چاہئے کہ کبھی سالک پر افعالِ الہی تعالیٰ اور صفاتِ الہی تعالیٰ کے انوار کا پرتو ہوتا ہے۔ پھر صفاتِ الہی دو قسم کی ہیں: ۱: جمالی ۲: جلالی۔ (یہ پرتو بلا واسطہ ہوگا یا بالواسطہ)۔

اگر صفاتِ جمالی مثلِ علیم، حکیم، رحمن، رحیم وغیرہ کا پرتو وارد ہو اور بالواسطہ ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوا: "مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يُّمُوْسَى" (القصص: ۳۰) اور بلا واسطہ ہو جیسے: "وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا" (النساء: ۱۶۴) تو وہ نور بے کیفیت، بے حد اور بے مثل ہوتا ہے، تمکین اور تمکن اس کے لوازمات میں سے ہے، یہاں پر نہ طلوع رہتا ہے، نہ غروب، نہ دایاں، نہ بایاں، نہ قریب، نہ بعید:

بصر ز نور تو بر تو ظفر نغے یابد
 ترا چنانکہ توئی دید ور نغے یابد
 ز تو چگونہ خبر شد دل مرا کہ ز لطف
 طرا ز پیرا ہن از تو خبر نغے یابد

اس سے اکثر فنا ظاہر ہوتی ہے، دل مشاہد ہوتا ہے، بس: ”مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ

مَا رَأَى“۔

اور اگر صفاتِ جلال کے انوار جو قہر خداوندی کے عالم سے ہیں، ظاہر ہوں تو وہ فناء الفناء کے مقتضی ہوتے ہیں، اس قسم کے احوال اعیانی ہیں، بیانی نہیں، بلکہ عینی ہیں نہ کہ آئینی۔

صفاتِ جلال کے انوار محرق (جلانے والے) ہوتے ہیں، اور صفاتِ جمال کے مشرق (چمکانے والے)۔

صفاتِ جلالی کے مقام فناء الفناء میں حیرت، ہیبت، دبدبہ اور الوہیت ظاہر ہوتی ہے، اور گاہے سیاہ نور باقی رکھنے والا، زندہ کرنے والا معلوم ہوتا ہے:

دیدیم نہاں گیتی واصل جہاں
 و زعلت دعا برگذشتیم آساں
 از نور سیہ زلا نقطہ برتر مداں
 زاں گذشتیم نہ ایل ماند نہ آں

ترجمہ: ... ”ہم نے پوشیدہ عالم اور اصل جہاں دیکھا،

اور دعا کے سبب آسانی سے گزر گئے ہیں، سیاہ اور پیلی بھڑکونور

سے برتر مت جان، ہم اس سے گزر گئے، نہ یہ رہا، نہ وہ رہا۔“

اور صفاتِ جمال میں ایسا پرتو وارد ہوتا ہے کہ حجاب شفاف ہو جاتے ہیں:

”سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ“ (حَمَّ السَّجْدَةِ: ۵۳) اگر اپنے تئیں دیکھتا ہے تو حق دیکھتا ہے، اور موجودات کو دیکھتا ہے تو ہر ذرہ میں حق تعالیٰ ہی دکھائی دیتا ہے، ”أَنَا الْحَقُّ“ اور ”مَا رَأَيْتُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ فِيهِ“ اسی مقام کے آثار ہیں:

عمریت کہ در راہ تو باسیت سپرم
خاکِ درِ تو بید گاں می سپرم
زاں روئے کنوں کائنه روئے تو ام
از دیدہ تو بروئے تومی نگرم

ترجمہ: ... ”ایک عمر ہے جو تیری راہ میں سپرد کرتا ہوں
میں، تیرے در کی خاک کو آنکھوں کے سپرد کرتا ہوں میں، میں
اب اس چہرے سے جو تیرے چہرے کا آئینہ ہے، تیری آنکھ
سے تیرے چہرے میں دیکھتا ہوں میں۔“

اور کبھی افعالِ الہی کے انوارِ سالک پر وارد ہوتے ہیں، تو افعالِ مخلوق
بالواسطہ یا بلاواسطہ افعالِ الہی معلوم ہوتے ہیں:

اگر دیدہ بخشد خدواند امر
نہ بنی دگر صورت زید و عمرو

یاد رکھنا چاہئے! کہ دونوں عالم وجودی میں جو چیز ہے یا انوارِ لطف کا پر تو
ہے یا قہر کی صفات کا، کسی چیز کا وجود حقیقی قائم بالذات سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں، باقی
جو کچھ ہے وہ اُسی سے ہے، یا وہ ہی ہے:

دل جزو حقیقت است تن پوست بہ میں
در کسوت روح صورت دوست بہ میں

ہر چیز کہ نشانِ ہستی دارد
یا سایہ نور اوست یا اوست بہ میں
ترجمہ:.... ”دل جزو حقیقت ہے، بدن کو چھلکا جان،
روح کی لباس میں دوست کی صورت دیکھ، جو چیز کہ اس کی ہستی
کا نشان رکھتی ہے، یا اس کے نور کا سایہ ہے یا خود وہی جان۔“

مکاشفات اور ان کی اقسام کا مختصر نقشہ:

حدیث میں ہے:

”حِجَابُہُ النُّورُ.... لَوْ كَشَفَهَا لَأَحْتَرَقَتْ
سُبْحَاتُ وَجْهِہِ مَا انْتَهَى إِلَيْہِ بَصْرُہُ.“ (صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۹۹)
ترجمہ:.... ”اس کا حجاب اس کا نور ہے، اگر اس حجاب
کو دور کر دے تو اس کے چہرے کی تیزی ان سب چیزوں کو
جلادے جن تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے۔“

واضح رہے کہ کشف یہ ہے کہ کسی کا حجاب سے اس طرح نکلنا کہ صاحب
کشف اس چیز کا ادراک ایسی صفت سے کرے جس سے اس سے پیشتر نہ کیا ہو،
جیسا کہ:

”فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ

(ق: ۲۲)

حَدِيدٌ.“

ترجمہ:.... ”تیری نظر کے سامنے سے ہم نے پردے

ہٹائے، سو تیری نظر آج تیز ہو گئی۔“

حجاب سے مراد وہ موانعات ہیں جن کے سبب انسان حضرت جلّ شانہ کے

کمالات کے مشاہدے سے دُور، ممنوع و مجبُوب رہتا ہے، اور وہ حجابِ انسان کی طرف سے ہیں نہ کہ جلّ و علا کی طرف سے۔

وہ حجاب یا تو ظلمانی ہوں گے، جیسے:

”أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ

عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ... الخ.“ (الجبائیه: ۲۳)

ترجمہ:...”بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی

خواہش کو اور راہ سے بچلا دیا اس کو اللہ نے باوجودیکہ جانتا

بوجھتا، اور مہر لگادی اس کے کان اور دل پر۔“

یا وہ حجابِ خواہشاتِ نفسانی ہوں گے، خواہ اعتقادی و اخلاقی یا لسانی و

جوارح کے افعال ہوں:

ہمہ باہوا و ہوس ساختی

دے با مصالح پیر داختی

یا پھر وہ شدید تر حجابِ نورانی ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کمالاتِ الہی کے

مشاہدے سے محروم رہتا ہے، اس لئے کہ ظلمانی حجاب کو گناہ سمجھ کر توبہ سے پاک ہو سکتا

ہے، اور حجابِ نورانی جیسا کہ انوار، کشف، استغراق اور کرامت وغیرہ کو مقصدِ اصلی

سمجھے، تو یہ شخص ان کو کمال سمجھ کر ان میں محو رہے گا، اور کمالِ صحیح سے بے بہرہ رہے گا۔

جاننا چاہئے کہ مدرکاتِ انسانی یا بواسطہ حواسِ خمسہ ظاہری، مثلاً: قوتِ باصرہ،

سامعہ، لامسہ، شامہ اور ذائقہ، کے ہیں، یا بواسطہ حواسِ خمسہ باطنی، مثلاً: حسِ مشترک،

خیال، وہم، قوتِ متصرفہ اور حافظہ کے ہیں، اور یہ سب بدن سے متعلق ہیں، ان

چیزوں سے جو چیز منکشف ہو، وہ اہل سلوک کے نزدیک مکاشفات میں داخل نہیں،

اہل سلوک کی اصطلاح میں مکاشفات کا اطلاق ان معنوں پر ہوتا ہے جو بواسطہ حواسِ

باطنی جو کہ رُوح کے متعلق ہیں، مثلاً: عقل، دل، سر، رُوح اور خفی، کے واسطے سے مدرک ہوں، اس کو مکاشفہ کہتے ہیں، اور وہ چند قسم ہیں:

کشفِ نظری:

یاد رکھنا چاہئے کہ اہل سلوک کے نزدیک ستر ہزار حجاب فیما بین العبد والرب ہیں، جیسا کہ وارد ہے:

”إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى سَبْعِينَ أَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ

(اتحاف ج: ۲ ص: ۷۲)

وَّظُلْمَةٍ.“

ترجمہ: ... ”اللہ تعالیٰ کے نور اور ظلمت کے ستر ہزار

پردے ہیں۔“

یہ ستر ہزار پردے انسان کے وجود میں ہیں، جب سالک صادق اعلیٰ علیین کی طرف رُخ کرتا ہے اور قانونِ طریقت کے مطابق ریاضت و مجاہدہ سے راہ طے کرنے لگتا ہے، تو اُن حجابوں میں سے جو رفع ہوتا ہے، اس کے مطابق گاہے صفائیِ عقل سے اس کو معقول معانی دکھائی دیتے ہیں، اور اسرار منکشف ہوتے ہیں، اس کو کشفِ نظری کہتے ہیں۔ اس پر اس قدر بھروسہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو چیز دکھائی دے اور طے نہ ہو، وہ قابلِ اعتبار نہیں:

”نے ہرچہ بنی تو بخشد ای دل“

(اے دل یہ بات نہیں ہے کہ تو جو کچھ دیکھے وہی تجھے عطا کر دے)

کشفِ شہودی (قلبی):

اور جب معقولات کے کشف سے عبور کیا تو دل کے مکاشفات ظاہر ہوتے ہیں، جنہیں کشفِ شہودی کہتے ہیں، اس میں مختلف انوار ہوتے ہیں، جیسا کہ کسی قدر

پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مکاشفاتِ سری:

اس کے بعد الہامی کشف وارد ہوتے ہیں، یہاں پہنچ کر اکثر چیز کے وجود کی حکمت اور اس کی پیدائش کے بعض اسرار مکشوف ہوتے ہیں، اس کو مکاشفاتِ سری کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ دل عالم جسمانی اور عالم ملکوت کا وسیلہ ہے، اس کا ایک رُخ عالم ملکوت میں ہے اور دوسرا عالم جسمانی کی طرف، تاکہ عالم ملکوت کی طرف سے رُوحانیت کے انوار کے آثار بدن اور نفس دونوں کو پہنچائے۔

مکاشفاتِ نظری سے خداوندی کے عالم بالا تک راہ ملتی ہے، اور مکاشفاتِ شہودی سے عالم ملکوت کے انوار وارد ہوتے ہیں، اور مکاشفاتِ سری سے حقائقِ اشیاء کے فیوضِ دل کو پہنچتے ہیں۔ پس جیسے دل عالم جسمانی اور عالم ملکوت کا وسیلہ ہے، ویسے ہی سر عالمِ دل اور عالمِ رُوح کا وسیلہ ہے، عالمِ رُوح سے بواسطہ سر فیوضِ عالمِ دل پر پہنچتے ہیں:

ای کردہ غمت غارت ہوشِ دلِ ما
درد تو زدہ خانہ فروشِ دلِ ما
سریکہ مقدساں ازاں محروم اند
عشق تو فروگفتہ بگوشِ دلِ ما

مکاشفاتِ رُوحی:

اس کے بعد مکاشفاتِ رُوحی وارد ہوتے ہیں، جسے رُوحانی کشف کہتے ہیں، اس مقام میں بعض کو صفائی کے مطابق مختلف عروج اور مختلف عوامل (عالم کی جمع)

کے کشف وارد ہوتے ہیں، پھر کسی کو زمان و مکان سے بعض حجاب گاہے مرتفع ہو جاتے ہیں، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر دوزخ و بہشت گاہے منکشف ہونا، غالباً ان ہی آثار سے تھا۔

فائدہ: ... بہت سے خرق عادات جنہیں کرامات کہتے ہیں، اسی مقام میں بعض کو ملتے ہیں، پانی یا آگ پر چلنا اور زمین وغیرہ کا طے ہونا اسی مقام پر ظاہر ہوتے ہیں، مگر ان کرامتوں کا چنداں اعتبار نہیں، کیونکہ یہ چیزیں مؤمن و کافر دونوں میں مشترک ہیں، جیسے حدیث میں ابن صیاد کے بعض کشف مذکور ہیں اور دجال کے سینکڑوں خارق عادات حدیث میں وارد ہیں، کرامت اور استدرج میں تشابہ ہے، سنت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صحیح عمل کرامت اور استدرج میں فرق کرنے والا ہے۔

مکاشفاتِ خفی:

اس کے بعد مکاشفاتِ خفی ظاہر ہوتے ہیں، وہ مؤمنوں کے ساتھ خاص ہیں، کفار، فساق کو نہیں ملتے، جیسا کہ فرمایا:

”كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ“

(المجادلہ: ۲۲)

ترجمہ: ... ”ان کے دلوں میں ایمان لکھا گیا ہے، یعنی

دائم و قائم ہے، اور ان کو اس کی رُوح سے تائید حاصل ہے۔“

دوسری جگہ فرمایا:

”يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ

(المؤمن: ۱۵)

عِبَادِهِ“

ترجمہ: ... ”اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے

اپنے امر سے رُوح کا القا فرماتا ہے۔“
 پس خفی صفاتِ خداوندی کے عالم اور رُوحانیت کے عالم کا وسیلہ ہے، تاکہ
 انسان صفاتِ حضرتی کے مکاشفات کے قابل ہو جائے۔
 پھر اگر عالمیت کی صفت مکشوف ہو تو اس کو علم لدنی ظاہر ہوتا ہے۔
 اور سمعی صفت مکشوف ہو تو کلام اور خطاب شنوائی دیتے ہیں۔
 اور بصیری صفت کے کشف سے رُویت اور مشاہدہ ظاہر ہوتا ہے۔
 اور اگر جمال کی صفت ظاہر ہو تو شہودِ حضرتی کا ذوق حاصل ہوتا ہے۔
 اور اگر جلالی صفت ظاہر ہو تو فناء حقیقی ظاہر ہوتی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔
 مگر کشفِ ذاتی کا مرتبہ اور جمیع صفات کا کشف بہت ہی بلند ہے، سوائے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو کم نصیب ہوا ہے:

ایں دو لتے است کہ کرا دہند
 تا بر سر کوئے عشق تو منزل ما است
 سر دو جہاں بجملہ کشف ما است
 وآنجا کہ قدمگاہ دل مقبل ما است
 مطلوب ہمہ جہانیاں حاصل ما است

تجلی ذات و صفاتِ خداوندی:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

”فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ

(الاعراف: ۱۴۳)

صَعِقًا“

ترجمہ:.... ”اللہ تعالیٰ نے جب کوہِ طور پر تجلی فرمائی تو

اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر گئے۔“
تجلی کی تحقیق کہ کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق مالہ و ما علیہ فتح الملہم بشرح صحیح
مسلم جلد اول صفحہ: ۳۴۵ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے تحقیق فرمائی
ہے، جو چاہے وہاں دیکھ لے، اس جگہ جو مطلب کتب تصوف سے میری ناقص سمجھ میں
آیا ہے، وہ پیش خدمت ہے:

واضح رہے کہ تجلی سے مراد ذات و صفات خداوندی کا ظہور ہے، اور ایک
تجلی رُوح کا بھی ہوتا ہے، اس میں سالک کو تجلی حق کا سا ذوق ہوتا ہے، بعض سالک
اس پر فریفتہ ہو کر حق تعالیٰ کی تجلی سمجھتے ہیں، دونوں میں فرق عنقریب پیش خدمت کیا
جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

نیز یاد رہے کہ جب دل کا آئینہ ماسوی اللہ کی کدورت سے پاک صاف
ہو جاتا ہے تو تجلی حق کے قابل سمجھا جاتا ہے، مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ جس کا دل صفا ہو
اس کو تجلی کی سعادت بھی حاصل ہو، تجلی کے لئے دل صفا ضروری ہے، لیکن دل صفا پر
تجلی ہونا ضروری نہیں:

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تجلی رُوحانی اور تجلی ربانی میں فرق:

۱:۔۔۔ تجلی رُوحانی میں صفات بشریہ پورے طور فنا نہیں ہوتیں، جب تجلی حجاب
میں ہو، صفات بشری لوٹ آتی ہیں، اور تجلی حق کوہ طور (بدن کی آلائش) کو پاش پاش
کر دیتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

”جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

زَهُوْفًا“

(بنی اسرائیل: ۸۱)

ترجمہ: ... ”سچ آیا، اور جھوٹ زائل ہوا، بے شک

جھوٹ زائل ہونے والی چیز ہے۔“

۲: ... تجلی رُوحانی میں پوری تسکین حاصل نہیں ہوتی، اور دل شک و شبہ کے میل کچیل سے صاف نہیں ہوتا اور تجلی حق اس کے برعکس ہے۔

۳: ... تجلی رُوحانی میں غرور، پندار اور خود بینی پیدا ہوتی ہے، اور طلب میں نقصان آجاتا ہے، کبھی جرأت بڑھ جاتی ہے، لیکن تجلی حق سے ان تمام رذائل کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

تجلی حضرت حق دو قسم پر ہے:

تجلی حضرت حق: دو قسم پر ہے: ۱: ... تجلی الوہیت و ۲: ... تجلی رُبوبیت۔

تجلی رُبوبیت: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی، جیسا کہ ارشاد ہے:

”فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ ... الخ“ (الاعراف: ۱۴۳)

جب حق تعالیٰ نے اپنی رُبوبیت سے تجلی فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام

بیہوش ہو کر گرے، اور پہاڑ کے جس حصے پر تجلی ہوئی، وہ پاش پاش ہو گیا۔

تجلی الوہیت: حضرت پُر نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، ان کی پاک

ہستی ذات حق کی ہستی میں فنا ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ

تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرنا ہوا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ

إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ“ (الفتح: ۱۰)، اور ان کا دشمنوں پر کنکر مارنا اللہ تعالیٰ کا کنکر مارنا ہوا:

”وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى“ (الانفال: ۱۷)۔

تجلی صفات کی قسمیں:

تجلی صفات کی دو قسمیں ہیں: تجلی صفاتِ جمال اور تجلی صفاتِ جلال، پھر ہر ایک کی کئی اقسام ہیں، صفتِ رُبُوبیت و اُلُوبیت کے ماسوا صفات کی تجلیات کے حالات و کیفیات مختلف ہیں۔

اگر صفاتِ جمالیہ ہیں تو یا صفاتِ نفسی ہوں گی، یا معنوی۔

صفاتِ نفسی وہ ہیں جو مخبر کی خبر ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرے، نہ کہ معنی پر، وہ تین قسم کی ہیں: ۱... موجودی، ۲... واحدی، ۳... قائم بنفسی۔

اگر صفتِ موجودی سے تجلی کرے تو اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”مَا فِي الْوُجُودِ سِوَى اللَّهِ“ (وجود میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں)۔

اگر واحدی صفت سے تجلی کرے تو اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے ابوسعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ”مَا فِي جُبَّتِي“ (نہیں میرے جبے میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور)۔ اور اگر بنفسی کی صورت سے تجلی ہو تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے جو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے: ”سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَأْنِي“ (پاک ہوں میں، کیا ہی اعلیٰ شان ہے میری)۔

اور صفاتِ معنوی یہ ہیں کہ مخبر کی خبر ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرے، کچھ زائد معنی اور حقیقت سے، مثلاً صفات: علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، حیات، بقاء، وغیرہ۔

اگر عالم ہونے کی صفت سے تجلی فرمائے تو مختلف علوم کے حقائق بلا واسطہ ظاہر ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو: ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“

(البقرة: ۳۱) (آدم علیہ السلام کو سب اسماء (صفات وغیرہ) سکھا دیئے)۔
 اور اگر قدرت کی صفت سے تجلی فرمائے تو انگلی کے اشارے سے چاند کے
 دو ٹکڑے کرادیئے، اور مٹھی بھر خاک سے سارے لشکر کو شکست دی: ”وَمَا رَمَيْتَ إِذْ
 رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى“ (جس وقت تو نے مٹی پھینکی تھی (دراصل) تو نے نہیں پھینکی
 تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی)۔

اگر سمعی صفت کی تجلی ہو تو جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُور سے چیونٹی
 کی بات سن لی۔

جس صفت سے تجلی ہو، اسی صفت کے آثار سا لک میں ظاہر ہوتے ہیں، جو
 صفت آئینہ سے ظاہر ہوتی ہے، وہ صاحب تجلی کے تصرف سے ہوتی ہے، نہ کہ آئینہ سے:

ازاں روئے کنوں کہ آئینہ روئے توام

از دیدہ تو بروئے تو می نگرم

ترجمہ: ”... میں اب اس چہرے سے جو تیرے چہرے

کا آئینہ ہے، تیری آنکھ سے تیرے چہرے میں دیکھتا ہوں میں۔“

صفت حیات کی تجلی سے حضرت خضر علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس

علیہ السلام زندہ رہے۔

صفت کلام کی تجلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا۔

صفت بقا کی تجلی سے انانیت دُور ہوتی ہے۔

صفت رزاقی کی تجلی ہوئی تو حضرت مریم علیہا السلام پر بے موسمی میوہ جات

نازل ہوتے رہے۔

صفت حیات کی تجلی ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مردہ زندہ ہوئے۔

اور صفت خالقیت کی تجلی ہوئی تو مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اڑا دیا۔

صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں:

صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں: ۱۔...صفاتِ ذات، ۲۔...صفاتِ فعل۔
 پھر صفاتِ ذات بھی دو قسم ہیں: ۱۔...صفاتِ جبروت، ۲۔...صفاتِ عظمت۔
 جب صفاتِ جبروت سے تجلی ہو تو لامتناہی نور بہت ہی ہیبت ناک صورت
 میں نمایاں ہوتا ہے، جس کی نہ کوئی صورت، نہ کوئی کیفیت، نہ کوئی صاف رنگ ہوتا
 ہے، فوراً صفاتِ انسانیت کی فنا ظاہر ہوتی ہے، بلکہ کبھی فنا کا شعور بھی نہیں رہتا، اسی
 حالت کو (صعقہ) بیہوشی کہتے ہیں:

ازاں بادہ نخوردہ ام کہ ہشیار شوم
 وآن مست نیم کہ باز بیدار شوم
 یک جام تجلی جلال تو بخش
 تا از عدم و وجود بیزار شوم

تجلی صفاتِ عظمت کی بھی دو قسمیں ہیں: ۱۔...جی و قیوم کی صفت، ۲۔...صفت

کبریا، عظمت و قہاری۔

جب قیومی صفت کی تجلی ہو تو فناء الفناء ظاہر ہوتی ہے، اور بقاء البقاء نصیب
 ہوتی ہے، اور اُس نور کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”يَهْدِي اللَّهُ
 لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ“ (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے)۔ وہ ایسا ظہور ہے جو
 کبھی نہیں چھپتا: ”الْفَانِي لَا يُرَدُّ“ فانی پھر غیر فانی نہیں ہوتا، جیسے بالغ پھر نابالغ نہیں
 ہوتا، وہ تمکین کا مقام ہے، وہاں الوہیت کی سلطنت ولایت پر غالب آتی ہے۔
 اور اگر کبریائی صفات کی تجلی ہو تو جو کچھ سالک نے حاصل کیا ہوا ہے، سب
 کا سب گم ہو جاتا ہے، اور حاصل کردہ کی بجائے وحشت اور حیرت ہوتی ہے، اور علم و

معرفت، جہالت و بے خبری سے بدل جاتے ہیں، اسی مقام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ فرمایا۔

اگر کبریائیت، عظمت اور قہاری کی صفات سے متجلی ہو تو اسے روزِ قیامت کہتے ہیں: ”كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ“ (القصص: ۸۷)، ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمُ“ (المؤمن: ۱۶) اسی تجلی سے ہے، فافہم!

مکاشفہ اور تجلی میں فرق:

مشاہدہ تجلی کے ساتھ بھی ہوتا ہے، جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، اور بغیر تجلی کے بھی، جیسے کوئی خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرے۔

تجلی بغیر مشاہدہ بھی ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ”ارِنِي اَنْظُرُ اِلَيْكَ“ (دکھا مجھے میں دیکھوں تیری طرف) کے وقت، جب صفاتِ جمال سے تجلی ہو تو اکثر بالمشاہدہ ہوتی ہے، اور صفاتِ جلال کی تجلی کے وقت بے مشاہدہ ہوتی ہے، اور مکاشفہ بغیر تجلی و مشاہدہ ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے ہزار ہا راستے ہیں: ”الطَّرْفُ اِلَى اللّٰهِ بَعْدَ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ“ ہندی میں مثال مشہور ہے: جتنے سانس اتنے راہ۔

اکثر سالک انوار، استغراق، کرامات اور کشف وغیرہ کے عاشق ہیں، ان ہی کو مقاصد سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں احوال ہیں، نہ کہ مقامات اور مقاصد مقامات ہیں، نہ کہ احوال۔

مقامات، مثلاً: توکل، رضا، شکر، قناعت اور تفویض وغیرہ ہیں، وہی مقصود ہیں، اور ان کا اہتمام ضروری ہے۔

اور احوال گو محمود ہیں، مگر مقصود نہیں، ان کے درپے نہ ہونا چاہئے، اگر

حاصل ہو جائیں تو الحمد للہ! اگر حاصل نہ ہوں تو بلا سے نہ ہوں:

یا بَمِ یا نہ یا بَمِ جَسْتَوَیْ مِ کَنَمِ
حاصل آید یا نیاید آرزوئے مِ کَنَمِ

نیز طلب مقصود ہے نہ کہ وصول، کیونکہ طلب تو اختیاری ہے، اور حصول غیر اختیاری ہے، نیز مقصود کے حصول کا تقاضا رکھنا بھی ایک قسم کا حجاب ہے، اس لئے کہ عدم حصول سے تشویش ہوتی ہے، اور تشویش جمعیت و تفویض کے لئے تباہ کن ہے، اور جمعیت و تفویض ہی شرط وصول ہے، اس کو خوب راسخ کر لیا جائے کہ یہ رُوح سلوک ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں مشاہدہ کہتے ہیں، اور ذات کے تصور کو معائنہ کہتے ہیں، ذکر و فکر، استغراق سے افضل ہے، اس لئے کہ ذکر و فکر میں ترقی ہوتی ہے، اور استغراق میں ترقی نہیں ہوتی، وہ ایک حالت کا نام ہے۔

فکر و صلوة کو قرب میں زیادہ دخل ہے بہ نسبت مطالعہ کتب کے، مطالعہ کتب مقصود بالغیر ہے، اور عمل مقصود اصلی ہے، گو لذت مطالعہ میں زیادہ ہو، لہذا بقدر ضرورت ہونا چاہئے۔

جس سالک کو حالات میں سے کچھ بھی نظر نہیں آیا، وہ درحقیقت اس سے بڑھا ہوا ہے، جس کو کچھ نظر آیا ہے (ذوق، استغراق وغیرہ)، اس لئے کہ جو کچھ اس کو ملنا ہے، وہ تمام محفوظ ہے، اور جس کو کچھ ملا، تمام سے کچھ کم ہوا، نیز سچا عاشق وہی ہے کہ کچھ نہ ملنے پر بھی دربار میں پڑا ہوا ہے، اور ملنے والے کو ممکن ہے کہ عشق اصلی ہو، اور ممکن ہے کہ طالب لذت ہو، کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

طالبِ خدا باش طالبِ لذتِ مباش

چاہئے کہ کار خود کن کہ مجاہدہ و عمل سنت و تقویٰ و عمل بالقرآن میں زندگی بسر کرے، و کار دیگران مکن کہ فلاں فلاں مقام و حال پیدا ہو جائے، یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے، بخشے زہے رحمت! وگرنہ شکایت کیا؟

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

والصلوة والسلام علی خیر خلقه محمد والہ واصحابہ

وازواجه و اولیائہ و اتباعہ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام

افضلہما و اکملہما و ادومہما، امین!

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

”بے شک ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی
خاص چیز ہوتی ہے، اور دلوں کو صفا کرنے والی چیز
ذکر اللہ ہے۔“
(مشکوٰۃ، ص: ۹۹)

عُمْدَةُ الْاِكْتَامِ فِي
عَلَّاجِ قُلُوبِ الْاَبْرَارِ

یعنی

ابرار کے قلوب کا علاج



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”یَسْبِحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
الْمَلٰئِكَةُ الْقٰدِرُوْنَ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ. هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی
الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ.“

(الجمعة: ۲، ۱)

اما بعد! بندہ عرض پرداز ہے کہ اس زمانے کے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق اور چند غیبی خبریں مثل احوالِ قبر اور بہشت و دوزخ کا نام ہے، باقی انسان کے ظاہری حالات، جیسے: معاملاتِ بیع و شراء، اجارہ وغیرہ، اور معاشرت، جیسے: حقوقِ ہمسایہ و تدبیرِ منزل، اور حالاتِ باطنی، جیسے: عقائد، تہذیبِ اخلاق اور تربیتِ نفس سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں، جیسا چاہو معاملہ کرو، تجارت جس طرح چاہو کرو، لوگوں سے جس طرح چاہو برتاؤ کرو، جو چاہو پہنو، غرض چند امور کے سوا سب آزادی ہے، جس سے مخالفین پر یہ اثر پڑا کہ اسلام پر اس کی تعلیم کے ناکافی ہونے کا دھبہ لگایا گیا، اور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں پر حقیقت ناشناسی کی وجہ سے یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے کو تہذیبِ جدید کا محتاج سمجھا، اور عوام پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے چند امورِ مذکورہ کے سوا اپنے معاملات و معاشرت میں علماء کی طرف رجوع

کرنا چھوڑ دیا، اور درویشوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ شریعت و طریقت کو جدا جدا سمجھنے لگے، طریقت کو اصل مقصد سمجھ کر اور شریعت کو انتظامی قانون تصور کر کے علماء سے نفور اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پس و پیش ہونے لگے، علماء، جہلاء اور عوام و خواص میں بھی کچھ نہ کچھ اس باطل خیال کا اثر پہنچا، حالانکہ جس نے ذرا بھی کتاب و سنت پر غور کیا، اُس نے سب اُمور کو کھلے کھلے الفاظ میں پایا، اور شریعت مطہرہ کو کافی و وافی اور دوسرے احکام و قوانین سے مستغنی کرنے والا دیکھا، تو اسلامی ہمدردی نے تقاضا کیا کہ اس غلطی کی اصلاح کو بطور نمونہ پیش کیا جائے، بہر حال توفیق ہدایت ہادی کے قبضے میں ہے، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ! چنانچہ یہ نمونہ پانچ حصوں پر منقسم ہے:

۱: ...عقائد - ۲: ...عبادات - ۳: ...معاملات -

۴: ...آداب معاشرت - ۵: ...مقامات سلوک -

اے اللہ! اس نادان کی مدد فرما اور اسے خطا، لغزش اور ریا سے بچا، اَمِيْن

وَبِهِ نَسْتَعِيْنُ!

اطلاع: ... پیش نظر ان مضامین کا اکثر حصہ ”تعلیم الدین“، کچھ ”فروع الایمان“ اور کچھ ”کیمیائے سعادت“ وغیرہ سے لیا گیا ہے، ان پاک کتابوں میں ہر مسئلے پر کتاب و سنت سے دلیل موجود ہے، جس کو زیادہ تفصیل مقصود ہو، وہاں دیکھ لے، ہاں! بعض دلائل بھی بعض جگہ تحریر کئے جائیں گے، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ!

عقائد:

اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال اُس کی ذات پاک کی طرح بے مثل و بے مثال ہیں، کسی کو کسی امر میں حضرت تعالیٰ کے ساتھ شرکت نہیں کیونکہ: ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“

لہذا صفاتِ سمع، بصر، قدرت، کلام، علم، وجود اور حیات میں بھی مخلوق کو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بجز مشارکتِ اسمی کے، کوئی مجانست و مشارکت نہیں ہے، جن صفات میں جیسے: ”اِسْتَوٰی“ وغیرہ میں صفتِ مخلوق کا کچھ وہم ہوتا ہے، وہ اس سے پاک ہیں، اُن صفات میں رائے اور قیاس سے کلام کرنا اور اُن کی کیفیات و توجیہات بیان کرنا نہایت محلِ خطر ہے، کیونکہ جس کو اپنی صفات کے حقائق پورے طور سے معلوم نہ ہوں، وہ خالق تک کیونکر پہنچ سکتا ہے؟

اس کی کسی صفت میں اُس کا کوئی ساجھی نہیں، اور نہ ہی احاطہ علمی میں، اس لئے کہ:

”وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَاءَ.“

(البقرة: ۲۵۵)

ترجمہ:.... ”اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس

کی معلومات میں سے مگر جس کا کہ وہی چاہے۔“

نہ استحقاقِ عبادت میں، اس لئے کہ:

”لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ.“

نہ ملک کے تصرف میں، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

”قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا

يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ فَاَنى

تُسْحَرُوْنَ.“ (المؤمنون: ۸۸، ۸۹)

ترجمہ:.... ”تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز

کی اور وہ بچالیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، بتاؤ اگر تم

جانتے ہو؟ اب بتائیں گے اللہ کو، تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جاؤ

آپڑتا ہے۔“

اسی طرح بول چال، عادات و اطوار میں کیونکہ یہ ریا کی مانند شرکِ اصغر ہے، بخلاف اولین کے کہ وہ شرکِ اکبر ہیں، (تحقیقہ فی فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۲۵۴) جیسے: ”مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتُ“ (”قال له عليه الصلوة والسلام رجل: ما شاء الله وشئت! فقال عليه الصلوة والسلام: اجعلتنى له نداء؟ قل: ما شاء الله وحده.“ فتح الملہم هكذا ”انا بالله وبك وانا متوكل على الله وعليك“ فتح) وغیرہ میں اُس کا کوئی حقیقی اور لفظی شریک نہیں، حضرت حق تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے رسول اور پیغمبر علیہم السلام بھیجے ہیں اور اُن کے جو کچھ اعتقاد و احکام وغیرہ اور اخبارِ غیبی ہیں، جیسے: توحید، تصدیقِ رسل و کتب، احوالِ قبر، قیامت، دوزخ، بہشت، نجات اور شفاعت وغیرہ، سب پر ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ حق ہیں، اور ہم نے زبان اور دل سے مان لیا ہے۔

عبادات:

اس کو اکثر لوگ خود جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے وہ پوچھ بھی لیتے ہیں۔

معاملات:

اسی طرح نکاح و طلاق کے مسائل کو کچھ اگر جانتے ہیں، اور کچھ پوچھ لیتے ہیں، اور باقی کچھ بطور نمونہ پیش خدمت ہیں، باقی کثیر در کثیر ہیں، ہر کام کے وقت پہلے شریعت کے مسئلے اور فیصلے کو پوچھ کر کام شروع کیا جائے تو مسائل معلوم ہو جائیں گے، اس عادت پر بے فکر کو بھی فکر پڑ جائے گی۔

معاملہ ۱:۔۔۔ سب سے بہتر کسب و دستکاری ہے، انبیاء علیہم السلام نے بھی دستکاری کی ہے۔

معاملہ ۲:۔۔۔ زانیہ کی آمدنی، جھوٹے تعویذوں اور فال کھلائی وغیرہ کا

نذرانہ حرام ہے، مگر جو تعویذ شریعت کے موافق ہو، اسی طرح صحیح جھاڑ پھونک پر اُجرت لینا جائز ہے، کذا فی التفسیر فتح العزیز تحت قوله تعالیٰ: "وَلَا تَشْتَرُوا بِأَيْتِي ثَمَنًا قَلِيلًا۔"

معاملہ ۳: ... مانگنے کا پیشہ سب سے بدتر اور گناہ ہے، اس سے تو لکڑیاں چن کر، بیچ کر معاش کمانا ہزار درجہ افضل ہے، اگر سخت ضرورت پڑے تو ایسے لوگوں سے مانگے جو نیک بخت، بلند ہمت اور ذی استطاعت ہوں۔

معاملہ ۴: ... جو چیزیں ناپ تول سے بکتی ہوں اور وہ ایک طرح کی ہوں، جیسے: گیہوں، جو اور کھجور وغیرہ، ان کے آپس کے تبادلے میں دو باتیں ضروری ہیں: ایک یہ کہ برابر برابر ہوں، اگرچہ ادنیٰ و اعلیٰ کا تفاوت اور فرق ہو۔

۲: ... یہ کہ دست بدست ہوں، اگر ایک امر بھی اس کے خلاف ہو تو سود ہو جائے گا۔

اور اگر وہ چیزیں ناپ تول کر تو بکتی ہوں، مگر ان کی جنس الگ الگ ہو، جیسے گیہوں کا جو سے تبادلہ ہو، تو اس میں برابر برابر ہونا ضروری نہیں، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اگر جنس تو ایک ہو مگر ناپ تول کر نہیں بکتیں جیسے: بکری، تب ان میں برابر برابر ہونا تو ضروری نہیں، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اور اگر ان کی نہ جنس ایک ہے اور نہ ہی ناپ تول کر بکتی ہیں، جیسے: گھوڑا، اُونٹ، جب ان کا آپس کا تبادلہ ہو مثلاً: گھوڑے کا اُونٹ سے تبادلہ ہو، تو اُس وقت نہ برابر برابر ہونا ضروری ہے اور نہ دست بدست ہونا ضروری ہے، یہ فقہ حنفی کے موافق سود کی تفصیل ہے۔ (تعلیم الدین)

معاملہ ۵: ... رہن میں یہ شرط ٹھہرانا کہ اگر اتنی مدت تک زَر رہن ادا نہ ہو تو

اس کو بیع سمجھا جائے، باطل ہے، اور مدت گزرنے پر بیع نہ ہوگی۔ (تعلیم الدین)
 معاملہ ۶: ... جو مال ظلم سے، دباؤ سے، کسی کی وجاہت سے، یا کسی
 شرمناک سے وصول ہو، وہ مال بھی حلال نہیں، حلال وہی ہے جو بالکل طیب خاطر
 سے دیا جائے۔

معاملہ ۷: ... مزدور سے کام لے کر اُس کی مزدوری دینے میں کوتاہی مت
 کرو، اس مقدمہ میں سرکار عالی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدعی ہوں گے۔

(ابن ماجہ بلفظہ: "أَنَا خَصْمُهُمْ!" ترجمہ: "میں اس کا دشمن ہوں!")

معاملہ ۸: ... نکاح میں زیادہ تر منکوحہ کی دینداری کا خیال رکھو، مال،
 جمال، حسب اور نسب کے پیچھے مت پڑو۔

معاملہ ۹: ... اگر کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً ادھر سے نگاہ
 پھیر لو، پھر اگر اس کا کچھ خیال دل میں رہے تو اپنی بی بی سے فراغت کر لینا چاہئے،
 اس طرح وسوسہ بھی دفع ہو جائے گا۔

معاملہ ۱۰: ... خواہ مخواہ بلاقرینہ بیوی پر بدگمانی کرنا جہالت اور تکبر ہے، اور
 قرآن ہوتے ہوئے چشم پوشی کرنا بے غیرتی اور دیوثی ہے۔

معاملہ ۱۱: ... اللہ تعالیٰ مال دے تو اول خویش بعدہ درویش۔

معاملہ ۱۲: ... مساجد میں سزا جاری نہ کی جائے، شاید بول و براز خطا ہو جائے۔

معاملہ ۱۳: ... سلطان کی اہانت کی اجازت نہیں، حکام کو بھی حکم ہے کہ رعایا

سے نرم برتاؤ کریں۔

معاملہ ۱۴: ... بلا قصور کسی کو گھورنا کہ جس سے وہ ڈر جائے، جائز نہیں۔

معاملہ ۱۵: ... اپنا حق ثابت کرنے کے لئے کوشش کرنا بُری بات نہیں، بلکہ

اس میں سستی اور کاہلی کرنا کم ہمتی ہے، اگر ناکام رہے تو اس پر زیادہ غم نہ کرے، بلکہ

سمجھے کہ حاکم حقیقی کو یہی منظور تھا۔

آدابِ معاشرت:

ادب ۱:.... بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ، ہاں! اگر کھانا کئی قسم کا ہو، اور کئی طرح کے پھل ہوں، اُس وقت جو مرغوب ہو اور جس طرف سے ہو، اٹھالو۔

ادب ۲:.... اگر ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر گر جائے، اُس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو، یہ عالی نعمت ہے، ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی!

ادب ۳:.... مردوں کو ٹخنے کے نیچے پائجامہ یا چادر پہننا ممنوع ہے۔

ادب ۴:.... ایک جوتی پہن کر مت چلو۔

ادب ۵:.... دوا دارو کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

ادب ۶:.... بدشگونی وغیرہ کا ماننا ایک قسم کا شرک ہے۔

ادب ۷:.... باہم سلام کر لیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔

ادب ۸:.... مصافحہ کرنے سے دل صاف ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔

ادب ۹:.... کسی بزرگ یا معزز آدمی کے آنے کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا

مضائقہ نہیں۔

ادب ۱۰:.... بن ٹھن کر اتراتے ہوئے مت چلو۔

ادب ۱۱:.... اُلٹے مت لیٹو، اور کچھ سایہ اور کچھ دُھوپ میں مت بیٹھو۔

ادب ۱۲:.... مسلمان کے مسلمان پر یہ حقوق ہیں:

جب ملے سلام کرے، پکارے تو جواب دے، دعوت دے تو قبول کرے،

چھینکے اور ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے تو ”يَرْحَمُكَ اللهُ“ کہے، بیمار ہو جائے تو عیادت کرے،

مر جائے تو اُس کے جنازے کے ہمراہ جائے، اور جو اپنے لئے پسند کرے وہی اُس کے لئے پسند کرے۔

ادب ۱۳: ...گانے بجانے کا شغل قلب کو اکثر خراب کر دیتا ہے، کیونکہ اکثر نفوس میں خبث غالب ہے، اور گانے بجانے سے کیفیت موجودہ کو حرکت و قوت ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہے۔

ادب ۱۴: ... ماں باپ کی خدمت کرو، گو وہ کافر ہی ہوں، اور اُن کی اطاعت بھی کرو، جب تک کہ وہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف نہ کہیں۔

ادب ۱۵: ... بڑے بھائی، چچا، سر اور ماموں کا حق مثل باپ کے ہے۔

ادب ۱۶: ... اولاد کا یہ حق ہے کہ اس کو علم و لیاقت سکھلاؤ۔

ادب ۱۷: ... تواضع، ہمدردی، خلق، خوش خلقی، وقار، حلم، دانشمندی، انتظام اور صبر و استقلال سے رہو۔

ولایت اور مقاماتِ سلوک:

اثباتِ رتبہ و ولایت:

بعض خشک مزاج اس طریق کے انکاری ہیں، اس لئے مختصراً عرض کیا جاتا

ہے، چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

”وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا.“ (الکہف: ۶۵)

ترجمہ: ... ”اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے علم۔“

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا نَكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ

تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. متفق عليه.“ (مشکوٰۃ ص: ۱۱)

ترجمہ:...”احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح

کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ گمان کرو کہ اللہ

مجھے دیکھ رہا ہے۔“

احسان کو ایمان و اسلام کے بعد ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ عقائد

ضروریہ و اعمال ظاہریہ کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے، جس کا نام اس حدیث میں

”احسان“ آیا ہے، اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریق

باطن ہے، کیونکہ اس طریق کے بغیر ایسی حضوری میسر نہیں ہوتی، اور لاکھوں معتبر

آدمیوں کی شہادت موجود ہے کہ جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا، کہ ہم

کو اہل باطن کے پاس بیٹھنے سے اپنے باطن میں عقائد و فقہ کے علاوہ ایک نئی حالت

محسوس ہوتی ہے جو پہلے نہ تھی، اور اس حالت کا یہ اثر ہے کہ طاعت کی رغبت، معاصی

سے نفرت اور عقائد میں پختگی روز افزوں ہوتی ہے، یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ

طریق باطن بھی کوئی چیز ہے، اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف و کرامات کے واقعات

اس درجہ منقول ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں، اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں، مگر استقامت

شرع کے ساتھ اگر خرق عادات ہوں تو صاحب خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش

ضرور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ”ارشاد الطالبین“ مصنفہ قاضی ثناء اللہ کے ص: ۴۰ پر

دوسرے قوی دلائل بھی موجود ہیں، جنہیں دیکھا جاسکتا ہے، بہر حال ہمت کا مقتضا تو یہ

ہے کہ صاحب ذوق بنو، اگر اتنی توفیق نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو، کذافی ”تعلیم

الدین“ لمولانا اشرف علی مدظلہ۔

فصل: تحقیقِ ولایت

ولایت کیا چیز ہے اور وصول الی اللہ کا معنی کیا ہے؟
اکثر و بیشتر تفصیلی یا اجمالی مجاہدہ و ریاضت کے بعد، اور کبھی بلا ریاضت کے سالک کے قلب میں قرب و وصول الی اللہ تعالیٰ کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد محض فضلِ خداوندی سے اُس کے قلب میں مطلوبِ حقیقی کے ساتھ بالفعل ایک خاص جذبہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اس کو نسبت، سیکنہ اور نور سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام ”وصول“ ہے۔

فصل:

مدارِ ولایت:

ارشادِ الہی ہے کہ:

”أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ.“ (یونس: ۶۲، ۶۳)

ترجمہ:.... ”یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں، نہ ڈر

ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، جو لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔“

اس آیت میں ولایت کا مدار ایک ایمان اور دوم تقویٰ کو فرمایا ہے، سو جس درجے کا ایمان اور تقویٰ حاصل ہوگا، اُسی درجے کی ولایت ہوگی، اگر ادنیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ، جو تصحیح عقائدِ ضروریہ سے پیدا ہو جائے، گو تقلیداً ہی کیوں نہ

ہو، یا ضروری اعمال کی پابندی سے حاصل ہو، تو وہ ادنیٰ درجے کی ولایت ہوگی، جو ہر مؤمن کو حاصل ہے، کیونکہ ارشادِ الہی ہے: ”اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا“، اس کو ولایتِ عامہ کہتے ہیں۔

اور اگر اعلیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ ہو، جیسے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ”اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ“ (آل عمران: ۱۰۲)، ”فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ (التغابن: ۱۶) اس کو ولایتِ خاصہ کہتے ہیں۔ اصطلاحاً ولی یہی شخص کہلاتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایمانِ کامل اور تقویٰ کامل نماز، روزہ کی طرح فرض و واجب ہیں، اور دونوں کا محل قلب ہے۔
تخلیہ، تجلیہ اور تخلیہ: گو ظاہری تقویٰ جو ارح سے بھی متعلق ہے مگر یہ موقوف ہے اصلاحِ باطن پر اور اصلاحِ باطن کی حقیقت یہ ہے کہ اوصافِ خمیدہ کو پیدا کرے اور مذمومہ کو دور کرے۔ اول کو تخلیہ و تجلیہ اور دوسرے کو تخلیہ کہتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

الف:.... ”التقویٰ ہہنا! و اشار الی الصدر.“

(رواہ مسلم)

ترجمہ:.... ”تقویٰ یہاں ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔“

ب:.... ”قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: ان فی

الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ، واذا

فسدت فسد الجسد کلہ، ألا! وہی القلب.“ (متفق علیہ)

ترجمہ:.... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم

ٹھیک ہوتا ہے، اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب

ہو جاتا ہے، سنو! وہ دل ہے۔“

اوصاف حمیدہ کا حاصل کرنا اور مذمومہ کا دفع کرنا فرض ہے، اور یہی اصلاح باطن ہے، لہذا اصلاح باطن بھی فرض ہے، کما حقہ الغزالی فی الاحیاء و کیمیائے سعادت، اور درالمختار ص: ۱۲۲ جلد اول میں بھی اس کو فرض عین فرمایا گیا ہے، اسی طرح تحصیل ولایت کے جاننے کا نام عرف میں ”تصوف“ ہے۔
اس قدر کہ جس سے اصلاح باطن ہو جائے فرض ہے، اس سے زائد، جس سے مثلاً: ظاہر کو طاعات غیر ضروریہ سے اور باطن کو دوام ذکر سے معمور کیا جاسکے، مستحب ہے، آج کل اسی کو ”درویشی“ کہتے ہیں۔

تصوف کی تعریف، موضوع اور غایت:

تصوف کی تعریف یہ ہے: ”تَعْمِيرُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ“۔
اس کا موضوع: تزکیہ و تصفیہ ہے۔

غایت: اس کی غایت اور فائدہ سعادت ابدیہ کا حصول ہے، پھر یہ اصلاح باطن درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے:

تأمل در آئینہ دل کنی

صفائی بتدریج حاصل کنی

اگر وہ صفات حمیدہ راسخ ہو جائیں اور اس سے ایک طرح کے افعال صادر ہوں، تو اصطلاح میں انہیں مقامات کہا جاتا ہے۔

(کذافی ”حجۃ اللہ البالغہ“ جلد دوم، و ”تعلیم الدین“)

اور اگر وہ صفات پورے طور پر مستقر نہیں ہوئے بلکہ کبھی غالب اور کبھی

مغلوب ہوں، تو اس کو اصطلاح تصوف میں احوال اور اوقات کہتے ہیں، اور کبھی

احوال کا اطلاق تجلی ذات و صفات وغیر ذالک پر بھی کیا کرتے ہیں، اس فن کے اصل مقاصد یہی مقامات ہیں۔

(اگر اس مرتبہ کو حاصل کرنے سے کسی طاعتِ ضروریہ میں خلل پڑے یا وہ فوت ہو جائے جیسے: باجماعت نماز کا ترک ہونا، یا بال بچوں کا بھوکے مرنا، وغیرہ تو اس میں مشغول ہونا ممنوع ہو جائے گا، اس وقت فقط فرض پر اکتفا کرے۔ قصد السبیل)

فصل:

تحصیل نسبت اور ضرورتِ شیخ و مرشد

عادة اللہ یوں ہی جاری ہے کہ کوئی کمال مقصودی بغیر اُستاز کے حاصل نہیں ہوتا، جب اس راہ میں آنے کی توفیق ہو تو اُستازِ طریق کو ضرورت تلاش کرنا چاہئے، جس کے فیضِ تعلیم اور برکتِ صحبت سے مقصود تک پہنچے:

گر ہوئے ایں سفر واری دلا
دامن رہبر بگیر واپس برآ
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگزشت او نشد آگاہِ عشق

علاماتِ شیخِ کامل:

- ۱: سب سے پہلے متقی پیر تلاش کرے، جس کی علامات یہ ہیں:
۱: علمِ شریعت سے بقدرِ ضرورت واقف ہو۔
- ۲: ارتکابِ کبائر اور اصرارِ علی الصغائر سے بچتا ہو۔
- ۳: ظاہری و باطنی طاعت پر مداومت رکھتا ہو۔

۴: اس نے بزرگوں کے فیضِ صحبت سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں، اُس کی مجلس میں اللہ کی یاد اور خوف بڑھتا ہو، یہ ضروری نہیں کہ تارکِ کسب اور صاحبِ کرامت ہو۔

اگر ایسا پیر مل جائے تو اپنے آپ کو اس کے سپرد کر کے اُس کی تعلیم پر کار بند ہو جائے، اور یہ سمجھے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا، اور اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیض سے محروم رہے گا، پھر جو کچھ اپنا حال ہو، بھلا یا بُرا، اسی مرشد سے عرض کرتا رہے، اور مرشد کی تلقین فرمودہ اصلاح پر کمر بستہ ہو کر عمل کرے یعنی کابلی نہ کرے۔ (فروع الایمان ص: ۱۶)

(مگر عوام کو تھوڑی سی صحبت میں اس کا محسوس کرنا دُشوار ہے، اس لئے مرید کو چاہئے کہ وہ اُس پیر و شیخ کے مریدوں میں سے جس کو عاقل اور راست گو دیکھے، اُس سے شیخ کی تاثیر دریافت کرے۔ تعلیم الدین) اسی کا عنوان اس زمانے میں ”بیعت“ ہے۔

بعض مرشد پہلے ذکر، پھر شغل، پھر مراقبہ تعلیم کرتے ہیں، جس سے بفضل اللہ نسبت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے حاصل کرنے والے کو اصطلاح میں سالک، مجذوب اور مرید اور محبت کہتے ہیں، چنانچہ ارشاد الطالبین میں ہے:

”بدانکہ علت موجب قرب الہی یعنی کششِ خدا است، گاہے بے توسط امرے باد، آں را اجتباء گویند و گاہے بتوسط، وآں توسط بحکم استقراء دو چیز است یکے عبادت، دوم محبت انسانِ کامل۔ اگر بطریق عبادت جذب حاصل شود، آں را ثمرہ عبادت گویند و اگر بطریق صحبت شیخ باشد آں را تاثیر شیخ نامند۔“ (ارشاد الطالبین)

جبکہ بعض حضرات توجہ اور ہمت سے پہلے نسبت کی تحصیل کراتے ہیں، پھر مقامات کی تصحیح پر متوجہ ہوتے ہیں، ایسے شخص کو (یعنی حاصل کرنے والے کو) مجذوب،

سالک، مراد اور محبوب کہتے ہیں۔

پھر تحصیلِ نسبت کے بعد اگر شیخ چاہے تو خلافت دے دے اور اگر چاہے تو حقائق و معارف کا منتظر رہے، اگر قسمت میں ہوگا تو یہ علوم و آثارِ قلب پر نزول کریں گے جن کے غلبہ کے نام عروج، اور منتہیٰ کا نام تجلیٰ بے کیف ہے۔

پھر بعض سالک تو اس میں مستغرق رہ جاتے ہیں اور بعض کو افاقہ ہو جاتا ہے، اس افاقہ کو نزول کہتے ہیں، چنانچہ خلافتِ کاملہ اور مشیتِ علیا اس مقام پر حاصل ہوتی ہے۔ (تعلیم الدین ص: ۷۰)

حصولِ نسبت کے بعد مبداءِ فیاض سے قلب کو تعلق ہو جاتا ہے، اور صفائیِ قلب کی وجہ سے اس پر کچھ علوم و اسرار اور کبھی حالات و اسرار نازل ہوتے ہیں، ان علوم کو حقائق و معارف اور ان آثار کو احوال کہتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ ص: ۴۰ میں ہے کہ:

”الحقیقة شہود لما قضی و قدر و اخفی و اظہر

والحال عندهم معنی یرد علی القلب من غیر تعمد

منہم و الاجتلاب و الاکتساب فہم من طرب و حزن

و بسط و قبض و شوق و انزعاج و ہیبة و غیر ذلک

فالاحوال مواہب و المقامات مکاسب.“

فصل:

ریاضت و مجاہدہ

واضح ہو کہ نفس کے مطالبات دو قسم کے ہیں: ۱: حقوق ۲: حظوظ۔

۱: حقوق وہ ہیں کہ جس سے توام بدن و بقائے حیات ہے۔

۲: حظوظ وہ ہیں جو اس سے زائد ہے، حقوق کو باقی اور حظوظ کو فانی کرنے

کا نام ریاضت و مجاہدہ ہے، اور یہ دو قسم پر ہے: اجمالی و تفصیلی۔

مجاہدہ اجمالی:

اس کے اُصول چار امر ہیں: ۱:۔۔۔ قلتِ کلام، ۲:۔۔۔ قلتِ طعام، ۳:۔۔۔ قلتِ منام، ۴:۔۔۔ قلتِ اختلاط مع الانام۔ ان سب اُمور میں میانہ روی حسبِ تعلیم شیخِ کامل ملحوظ رکھے، نہ اس قدر زیادتی کرے کہ جس سے صحت و قوت زائل ہو جائے، اور نہ اس قدر قلتِ جس سے غفلت، قساوت اور کابلی پیدا ہو۔ (کذافی الاحیاء للغزالی)

فائدہ:۔۔۔ سالکانِ طریقت نے حزن و غم کو اعلیٰ درجے کا مجاہدہ قرار دیا ہے کہ اس سے نفس کو پستی و شکستگی حاصل ہوتی ہے، جو آثارِ عبودیت میں سے ہے، اور سالک کو جو قبض پیش آتا ہے وہ بعد کی علامت نہیں بلکہ کیا عجب کہ اس کا تصفیہ مقصود ہو، لہذا اس کی شکایت ہرگز نہ کرے، بلکہ سر تسلیم خم کر کے کام میں لگا رہے۔

(تعلیم الدین)

حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”صَاحِبُ الْحُزْنِ يَقْطَعُ مِنْ طَرِيقِ اللَّهِ مَا لَا

يَقْطَعُهُ مَنْ فَقَدَ حُزْنَهُ.“

ترجمہ:۔۔۔ ”غم میں مبتلا سالک جس قدر طریقِ الہی کو

تیزی سے طے کرتا ہے، بے غم اتنا تیزی سے یہ سفر طے نہیں

کر سکتا۔“

البتہ لا یعنی فکرِ قلب کا ستیاناس کر دیتی ہے۔

مجاہدہ تفصیلی:

اس میں دو قسم ہیں:

۱: ...اخلاق حمیدہ: اور اس کے چند مقامات ہیں، مثلاً: توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ اور تفکر۔

۲: ... اور اخلاق ذمیمہ: اور وہ بھی چند چیزیں ہیں، مثلاً: شہوت، آفاتِ لسان، غضب، حقد، حسد، حبِ دُنیا، حرصِ جاہ، ریا، عجب اور غرور وغیرہ۔

کسی بزرگ نے ان اوصاف کو دو رُباعیوں میں اختصار و اجمال کے ساتھ جمع فرمایا ہے، وہ رُباعیاں یاد رکھنے کے قابل ہیں:

خواہی کہ شوی بمنزل قرب مقیم
 نہ چیز بہ نفسِ خویش کن تعلیم
 صبر و شکر و قناعت و علم و یقین
 تفویض و توکل و رضا و تسلیم
 خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ
 نہ چیز بروں کن از درونِ سینہ
 حرص و امل و غضب و دروغ و غیبت
 بخل و حسد و کبر و ریا و کینہ

توبہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”تُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا.“ (التحریم: ۸)

ترجمہ: ... ”اور توبہ کرو اللہ کے آگے تم سب مل کر۔“

اور توبہ دل کے دکھ جانے کو کہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

”هُوَ أَنْ تَحْرُقَ الْحَشَاءَ عَلَى الْخَطَاءِ.“

یعنی خطا کو یاد کر کے دل دکھ جانا، اور توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ اُس گناہ کو ترک کر دے، اور آئندہ پختہ ارادہ کر لے کہ اب نہ کروں گا، اور خواہش کے وقت نفس کو روکنا۔

فائدہ: ... عام لوگوں کی توبہ گناہوں سے ہوا کرتی ہے، سالکین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے، اور متقین کی توبہ شک و شبہات سے، اور محبتین کی توبہ غفلت سے، اور عارفین کی توبہ اُس مقام سے جس سے مافوق کو پہنچ گئے۔

طریق تحصیل:

قرآن و حدیث میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں، اُن کو یاد کرے، اور دل میں سوچے، تو ندامت کی سوزش پیدا ہو جائے گی۔

احکام:

اگر نماز، روزہ قضا ہوا ہو، اس کی قضا کرے، اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہوں، ان سے معاف کرائے یا ادا کرے۔
 تشبیہ: ... جہاں تک ہو سکے گزشتہ تقصیر کا تدارک کرے، مثلاً نماز فرض کی قضا کرے، زکوٰۃ نہ دی ہو تو اس کو ادا کرے، اور حقوق العباد بھی ادا کرے، یا معاف کرائے، تب توبہ تمام ہوگی۔

صبر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا“ (آل عمران: ۲۰۰)

ترجمہ: ... ”اے ایمان والو! صبر کرو“

انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں، ایک اُسے دین پر ابھارتی ہے، اور دوسری ہوائے نفس پر، سو قوت دینی کو قوتِ ہوئی پر غالب کر دینا، یہ صبر ہے۔
فائدہ:.... صبر چند قسم پر ہے:

۱:.... ایک طاعت پر کہ طاعت کرے، اور سستی نہ کرے۔

۲:.... مصیبت پر کہ شکایت کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔

۳:.... صبر معصیت پر کہ گناہ ظاہری، مثلاً: غیبت، زنا وغیرہ، اور باطنی، جیسے: ریا، سمعہ وغیرہ سے نفس کو روکے۔

علاج:.... اس قوتِ ہوئی کو ضعیف اور کمزور کرنا چاہئے۔

شکر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَاشْكُرُوا لِلَّهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ.“ (البقرة: ۱۷۲)

ترجمہ:.... ”اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔“

نعمت کو منعم حقیقی سے سمجھنا، پھر اس سے دو باتیں ضرور پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوسرے اس کی خدمت گزاری اور فرماں برداری میں سرگرمی کرنا، یہ شکر ہے۔

فائدہ:.... شکر کے تین رکن ہیں:

اول:.... علم، یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا، اور نیز سمجھنا کہ سب نعمتیں حق

تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اس سے دو باتیں پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوم: اُس کی فرماں برداری میں سرگرم ہونا۔ ان دونوں حالتوں کا نام عمل ہے۔

دوسرا رکن:.... حال ہے کہ منعم کی نعمت پر خوش ہونا کہ یہ اس کا عطیہ ہے،

اس وجہ سے خوش نہ ہو کہ میرا مطلب پورا ہو گیا، مثلاً: گھوڑے کی ضرورت تھی، ہاتھ آ گیا، یہ نعمت پر خوشی ہے، شکر یہ ہے کہ اس میں منعم کی حیثیت ملحوظ ہو کہ منعم نے دیا ہے اور وہ بڑا محسن ہے۔

تیسرا رکن: ... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کی رضامندی میں استعمال کرے، مثلاً: زبان کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں استعمال کرے اور غیبت و دروغ میں استعمال نہ کرے۔

طریقِ تحصیل: ... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرے اور یاد کیا کرے۔

خوف:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي“ (البقرة: ۱۵۰)

ترجمہ: ... ”سو ان سے یعنی ان کے اعتراضوں سے نہ

ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔“

ایسی چیز کے خیال سے دل کا دردناک ہونا جو ناگوار طبع ہو، اور اس کے آئندہ واقع ہونے کا اندیشہ ہونا۔

طریقِ تحصیل: ... اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرے اور سوچا کرے۔

رَجَا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ“ (البقرة: ۲۱۸)

ترجمہ: ... ”وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔“

محبوب چیزوں یعنی فضل، مغفرت اور جنت وغیرہ کے انتظار میں قلب میں

راحت پیدا ہونا اور اس کے حاصل کرنے میں تدبیر و کوشش کرنا رجا و اُمید ہے، اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب یعنی عملِ صالح اور توبہ وغیرہ کو اختیار کرنا، اور پھر اُمیدوار ہونا۔

”تَمَنَّى“ خالی اُمید کا نام ہے، جو کہ مفید نہیں بلکہ مذموم ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام:

”العاجز من اتبع نفسه هو اها وتمنى على الله.“

(مشکوٰۃ ص: ۲۵۱)

پھر وہ اعتقاد اگر خواہشِ نفسانی کے موافق ہو اور شیطان کے دھوکے سے اس پر نفس کو اطمینان ہو تو وہ غرور ہے۔ (جیسا کہ ارشادِ الہی ہے: ”وَلَا يَغُرَّنْكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ“)

طریقِ تحصیل: ... اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کو یاد کرے اور سوچے، تو رجا پیدا ہو جائے گی، اور اُمید کے اسباب میں لگ جانا تمنیٰ کا علاج ہے، اور اپنے اعمال و احوال کو قرآن و حدیث، بزرگانِ دین کے اقوال و افعال سے ملاتے رہنا غرور کا علاج ہے۔

زُہد:

اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”اَوَّلُ صِلَاحٍ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ.“

(رواہ البیہقی)

ترجمہ: ... ”اس اُمت کی پہلی صلاحیت زُہد و یقین ہے۔“

کسی چیز (مثلاً: دُنیا) کی رغبت چھوڑ کر بہتر چیز (مثلاً: آخرت) کی طرف

مائل ہو جانے کا نام زُہد ہے۔

فائدہ: ... زُہد کے کئی درجے ہیں:

اول: ... یہ کہ نفس اگرچہ دُنیا کی طرف مائل ہو، مگر اس کو جبراً روکے، اس کو

”زُہد“ کہتے ہیں۔

دوم: ... یہ کہ اتنا متنفر ہو کہ اس کی طرف مائل نہ ہو اور سمجھے کہ دُنیا و آخرت

کی نعمتوں کا یکجا جمع ہونا ممکن نہیں۔

سوم: ... یہ کہ دُنیا کے مال و متاع کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے، نہ ملنے پر

مسرت ہو، اور نہ ہاتھ سے چلے جانے پر کچھ حسرت ہو۔

طریقِ تحصیل: ... دُنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے اور آخرت کے

منافع کو یاد کرے اور سوچا کرے تو زُہد حاصل ہو جائے گا۔

توحید:

اس سلسلے میں قرآن مجید میں ہے:

”وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ.“ (الصافات: ۹۶)

ترجمہ: ... ”اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔“

یہاں توحید سے توحیدِ افعالی مراد ہے، یعنی سب کچھ کرنے والا وہی ہے، نفع

ہو یا نقصان، عطا ہو یا منع، جو کچھ ہو ارادۂ خداوندی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، یہ

توحیدِ افعالی ہے۔

طریقِ تحصیل: ... مخلوق کے عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کیا کرے اور

سوچا کرے۔

توکل:

ارشادِ الہی ہے:

”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ.“ (الطلاق: ۳)

ترجمہ:...” اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے پس وہ اس کو

کافی ہے۔“

فائدہ:... متوکل میں اولاً:... معرفتِ توحید ہو کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے

اور کوئی معبود نہیں، سب چیزیں اسی کی ملک ہیں، وہی قادر اور دینے والا ہے۔

ثانیاً:... اس یقین پر اپنے تمام کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے قلب کو مطمئن

رکھے اور غیر سے نظر اٹھالے۔

ثالثاً:... جن اسباب پر منفعت کا حاصل ہونا یا دفعِ مضرت کا یقین ہو، جیسے:

اولاد کے لئے بیوی کرنا، یا بھوک کے لئے طعام یا پیاس کے لئے پانی، اور درندہ دیکھ

کر بھاگنا وغیرہ کو ضرور اختیار کرے، مگر اس سبب پر دل سے بھروسہ نہ ہو، بلکہ دل

میں خالق پر بھروسہ ہو۔

اسی طرح جن اسباب پر اکثر و بیشتر مسبب مرتب ہو جاتا ہو، مثلاً سفر کے

لئے توشہ لے جانا، کہ اگر توشہ نہ لے جائے تو مرجانا یقینی تو نہ ہو، تاہم مرجانے کا

غالب گمان ہو، ایسے اسباب کا اختیار کرنا سلفِ صالحین کا معمول ہے۔

اور جن اسباب پر مسبب کا مرتب ہونا، نہ ظنی ہو اور نہ یقینی، بلکہ موہومی ہو،

ان کا اختیار کرنا خلافِ توکل ہے، جیسے: مرض کے لئے منتر پڑھانا یا داغنا وغیرہ، لہذا

ایسے اسباب کا ترک کرنا توکل ہے، اور اول و دوم میں اسباب اختیار نہ کرنا تعطل اور

سبب اختیار کر کے اس پر نظر نہ کرنا توکل ہے، فافہم!

صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے۔
طریقِ تحصیل: ... اس کی عنایتوں اور وعدوں اور گزشتہ کامیابیوں کو یاد کرنا

اور سوچنا۔

محبت:

محبت کے سلسلے میں ارشادِ الہی ہے:

”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ“ (المائدہ: ۵۴)

ترجمہ: ... ”اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔“

خدا تعالیٰ کی محبت کی علامات یہ ہیں:

۱: ... نفس کی خواہش پر اپنے محبوبِ حقیقی یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دے۔

۲: ... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو، اور موت سے نہ گھبرائے۔

۳: ... یہ کہ حکمِ الہی اور قضا و قدر پر زبان و دل سے شکوہ نہ کرے، اَللّٰهُمَّ

ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ حَبِيبِكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، اٰمِيْنَ!

طبیعت کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا کہ جس سے لذت حاصل ہو،

محبت ہے، اور یہی میلان اگر قوی ہو جائے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

طریقِ تحصیل: ... دُنیا کے علائق کو قطع (ختم) کرے، یعنی غیر اللہ کی محبت

کو دل سے نکالے، کیونکہ دو محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں، وہ اس طرح سے کہ

شریعت کے احکام کو سب پر ترجیح دے، اور اللہ تعالیٰ کے کمالات، اوصاف اور انعام کو

یاد کرے اور سوچے۔

شوق:

شوق کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”أَسْئَلُكَ النَّظَرَ إِلَى وَجْهِكَ وَالشُّوقَ إِلَى

لِقَائِكَ.“ (رواه النسائي)

ترجمہ:...”اے اللہ! میں آپ سے آپ کے دیدار اور

آپ کی ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔“

جس چیز کا من وجہ (کچھ) علم ہو اور من وجہ (کچھ) علم نہ ہو، اُس کو مکمل

طور پر جاننے اور دیکھنے کی طبعی خواہش کا ہونا شوق کہلاتا ہے۔

طریقِ تحصیل: ... محبت کا پیدا کر لینا، کیونکہ محبت کے لئے شوق لازم ہے۔

اُنس:

اُنس کے بارے میں ارشادِ الہی ہے:

”هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ

الْمُؤْمِنِينَ.“ (الف: ۴)

ترجمہ:...”سو وہی ہے جس نے اُتارا اطمینانِ دل میں

ایمان والوں کے۔“

جو چیزیں من وجہ (کچھ) مخفی اور من وجہ (کچھ) معلوم ہوں، اگر اس

نامعلوم چیز کے مخفی گوشوں کے ادراک کی خواہش کرے، تو اس کو شوق کہتے ہیں۔

اور معلوم گوشوں پر نگاہ پڑنے پر فرحت و سرور کا ہونا، اس کو اُنس کہتے ہیں۔

اگر اس فرحت کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ مطلوب کی صفاتِ جلالِ پیشِ نظر

نہ رہیں اور اسی وجہ سے اس کے اقوال و افعال میں کسی قدر بے تکلفی ہو جائے تو اس کو

انبساط و ادلال کہتے ہیں، اس کی تحصیل کا طریقہ وہی ہے جو تحصیلِ محبت کا ہے۔

رضا:

جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ (المجادلة: ۲۲)

ترجمہ:...”اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔“

تقدیر کے حکم پر زبان و دل سے اعتراض نہ کرنا، رضا ہے، بعض اوقات رضا بالقضا کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی، یہ بھی آثارِ محبت سے ہے، اس کی تحصیل کا طریقہ بھی وہی ہے جو تحصیلِ محبت کا ہے۔

فائدہ:... رضا کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کرے، اور اس جہان کے لئے جو انتظام تجویز فرمایا گیا ہے، اس سے باہر نہ نکلے، مثلاً: پیاس کے لئے پانی اور اولاد کے لئے نکاح کرنا وغیرہ، بلکہ احکامِ شرعی کا پابند رہے۔

یاد رکھو! کہ معصیت و کفر میں دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے سوا ذرہ بھی نہیں ہل سکتا، اس اعتبار سے اس کو قضا و قدر کہتے ہیں، اور اس حیثیت سے اس پر ناگواری نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اس پر رضا ہونی چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ کا کوئی کام بغیر مصلحت کے نہیں ہوتا۔ اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ عامی آدمی کا عمل اور کسب ہے، جو حق تعالیٰ کے دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے، پس اس اعتبار سے یہ ناگوار ہے، اور اس پر امر بالمعروف ہے اور یہی تعمیلِ فرمان ہے، خوب سمجھ لو!

نیت و ارادہ:

نیت و ارادہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.“ (مشکوٰۃ ص: ۱۱)

ترجمہ:.... ”بے شک اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔“
تو نیت و ارادہ یہ ہے کہ دل کا ایسی چیز کی طرف اُبھرنا، جس کو اپنی غرض اور
نفع کے موافق سمجھتا ہے۔

طریقِ تحصیل:.... اُس چیز کے منافع و مصالح کی معرفت حاصل کرے اور
ان میں غور و فکر کرے، مثلاً: عملِ صالح اور طریقِ آخرت کے منافع و مصالح کی
معرفت حاصل کر کے ان میں غور کرے، تو دل کو حرکت پیدا ہوگی۔

اخلاص:

اخلاص کے بارے میں ارشادِ الہی ہے:

”اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ....“ (الزمر: ۳)

ترجمہ:.... ”سنتا ہے اللہ ہی کے لئے ہے بندگیِ خالص۔“

اور:

”فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّیْنَ....“ (المؤمن: ۱۴)

ترجمہ:.... ”سو پکارو اللہ کو خالص کر کر اس کے واسطے

بندگی۔“

اخلاص کا معنی یہ ہے کہ اپنی طاعت و بندگی میں صرف اللہ تعالیٰ کے تقرّب
اور رضا کا قصد کرنا، مخلوق کی خوشنودی، رضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کے قصد کو
اس میں شامل نہ ہونے دینا۔

طریقِ تحصیل:.... ریا کا دفع کرنا عینِ اخلاص کا حاصل کرنا ہے، اور وہ ریا
کے علاج کے بیان میں معلوم ہوگا۔

صدق:

جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ
يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ،
أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ“
(الحجرات: ۱۵)

ترجمہ:...”ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے

اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ

میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے۔“

صدق یہ ہے کہ جس مقام کو حاصل کرے، اس کو کمال تک پہنچائے، اور اس

میں کسر نہ رہے۔

فائدہ:...صدق کے کئی درجے ہیں:

اول:...صدقِ قولی: وہ یہ کہ ہر حالت میں سچ بولے، حتیٰ الوسع تعریض سے

بھی پرہیز کرے، صدقِ قولی کا اعلیٰ اور اکمل درجہ یہ ہے کہ جو اقوال اللہ تعالیٰ کے سامنے

عرض کرتا ہے، ان میں صدق پیدا کرے، مثلاً: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ پر ہمہ تن شکر ہو جائے،

اور ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ پر اخلاص، اور ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ پر غیر سے ٹوٹ جائے۔

دوم:...نیت میں سچا ہو، چنانچہ عبادت کے قصد میں کسی دوسرے قصد کی

آمیزش نہ ہو۔

سوم:...یہ کہ عزم میں سچا ہو، کیونکہ اکثر اوقات انسان قصد کرتا ہے کہ اگر

اُسے کچھ مال مل گیا تو خیرات کروں گا، لیکن پھر مال ملنے پر اپنے اس عزم پر پختہ نہیں

رہتا، لہذا سچا وہ ہے کہ اپنے عزم میں متردد نہ ہو۔

چہارم:.... یہ کہ عزم میں پختہ ہو، مگر پورا کرتے وقت کاہل ہو جاتا ہے۔
 پنجم:.... یہ کہ ظاہر و باطن یکساں ہوں۔
 ششم:.... یہ کہ مقامات زہد و توکل میں سچا ہو، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِكَ اٰمِيْنَ!
 طریق تحصیل:.... اس کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے صدق کا
 نگران رہے، اگر کبھی کچھ کمی ہو جائے تو اس کا تدارک کرے، اسی طرح چند روز میں
 کمال حاصل ہو جائے گا۔

مراقبہ:

جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

”حَاسِبُوا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا“ الحدیث.

ترجمہ:.... ”اپنا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ

کیا جائے۔“

محاسبہ کا معنی یہ ہے کہ دل سے اس شخص کا دھیان رکھے جو اس کو دیکھ بھال

رہا ہے۔

طریق تحصیل:.... مراقبہ کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ
 میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہے، اور کوئی بات کسی وقت اس سے پوشیدہ نہیں، اس کے
 ساتھ، ساتھ اس کی عظمت، قدرت، جلال اور اس کے عذاب و عقوبت کو بھی یاد کرے،
 اس کی مواظبت سے وہ دھیان بندھنے لگے گا، پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے
 خلاف کوئی کام سرزد نہ ہوگا۔

ایک مراقبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض، رحمتِ عامہ یا ایک خاص قسم کی
 معیت، اقربت یا تجلیاتِ افعالیہ کے انتظار میں بیٹھ جائے اور ہمہ تن اس میں لگ

جائے، اس میں ایک خاص کیفیت نازل ہونے لگ جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اوّل مراقبہ کے لئے دو چیزیں اور بھی ہیں، ایک مشارطہ: جو کہ مراقبہ سے پہلے ہوتا ہے، اور دوسرے محاسبہ: جو مراقبہ کے بعد ہوتا ہے۔ مشارطہ یہ ہے کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب سمجھائے کہ: ”دیکھو! فلاں فلاں کام کیجیو، اور فلاں فلاں مت کیجیو“، اس کے بعد مراقبہ یعنی اس معاہدے کی نگہداشت رکھنا چاہئے، جب دن ختم ہو جائے تو سوتے وقت پھر محاسبہ کرے، یعنی اس نے صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہوں ان کو تفصیلاً یاد کرے، چنانچہ جو نیک کام ہوں ان پر شکرِ الہی بجالائے، اور جو بُرائیاں کی ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہوگئی ہو، اس پر اپنے نفس کو ملامت کرے، اگر خالی زجر و توبیخ کافی نہ ہو تو اس پر کوئی مناسب سزا تجویز کر کے اس پر عمل درآمد کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ“ (الحشر: ۱۸) (اور چاہئے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے؟) (احیاء العلوم، تعلیم الدین)

اخلاقِ ذمیمہ

شہوت:

خلافِ شرع یا مباح میں زیادہ شغل کی خواہش کا نام شہوت ہے، چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

”یُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا

(النساء: ۲۷)

عَظِيمًا.“

ترجمہ:...” اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں

اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دُور۔“

علاج: ... اس کا علاج مجاہدہ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ نفس کو حقوق دلائے اور حظوظ سے روکے۔

آفاتِ لسانی:

چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

”مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ“ (ق: ۱۸)

ترجمہ: ... ”نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے

پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار۔“

آفاتِ لسانی یہ ہیں: فضول باتیں، بحث مباحثہ، ناحق کا تکرار، کلام میں بناوٹ و تکلف، گالی گلوچ، دورویہ باتیں کرنا، علماء سے فضول باتیں پوچھنا، وغیرہ ذالک مما لا تعد ولا تحصى!

پھر ناحق کا تکرار اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے، یا تو تکبر کی بنا پر یا اپنی بڑائی اور زبان و بیان کی تیزی کا اظہار مقصود ہوتا ہے، یا دوسرے شخص کو چپ کرانے اور عاجز بنادینے کا شوق ہوتا ہے۔

علاج: ... آفاتِ لسانیہ کا علاج یہ ہے کہ جو بات کہنا ہو اس سے تھوڑی دیر پہلے غور کرے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ، جو کہ سمیع و بصیر ہیں، ناخوش تو نہیں ہوں گے؟ اس طرح عمل کرنے سے ان شاء اللہ گناہ کی کوئی بات منہ سے نہ نکلے گی۔

غضب:

قال عليه الصلوة والسلام: ”لَا تَغْضَبْ!“

الحديث. (مشکوٰۃ ص: ۴۳۳، بحوالہ بخاری)

ترجمہ: ... ”غصہ نہ کر!“

غضب کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا۔
 علاج: ... اس کا علاج یہ ہے کہ اس کا استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر
 زیادہ قوت و قدرت ہے، اور میں اُس کی نافرمانی کیا کرتا ہوں، اگر وہ بھی مجھ سے یہ
 معاملہ کرے تو کیا ہوگا؟ اور یہ سوچے کہ میں کیا چیز ہوں؟ جو کچھ واقع ہونا ہے وہ ارادۂ
 خداوندی کے بغیر واقع نہیں ہو سکتا، اس کے ساتھ، ساتھ زبان سے ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ
 الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھ کر تین بار بائیں طرف تھوک مارے، اگر کھڑا ہے تو بیٹھ
 جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرے، اگر اس سے بھی غصہ
 نہ جائے تو جس شخص پر غصہ ہے اس سے علیحدہ ہو جائے، یا اس کو علیحدہ کر دے۔
 غضب کے علاج کا یہ مقصد نہیں کہ غصے کا مادہ ہی نہ رہے، کیونکہ اگر غصے کا
 مادہ ہی ختم ہو گیا تو کفار سے جہاد کیونکر کرے گا؟ اور مبتدعین اور فساق کی خلافِ شرع
 باتوں پر ناگواری کیسے ہوگی؟ اس ریاضت کا مقصد یہ ہے کہ اس کو مہذب اور عقل و
 شرع کا تابع بنا دے، اگر شریعت حکم دے تو غصہ بھڑک اُٹھے اور اپنا کام کرے،
 ورنہ چپ رہے۔

حقت:

قال عليه الصلوة السلام: ”لَا تَبَاغَضُوا!“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۷)

ترجمہ: ... ”آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو!“

یعنی جب غصے سے بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو غصے کے ضبط کرنے
 سے اُس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہو جاتی ہے، اس کو حقت یعنی کینہ
 کہتے ہیں۔

علاج: ...حقّ کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کا قصور معاف کر کے اس شخص سے میل جول شروع کر دے، گو بہ تکلف ہی سہی، چند روز میں دل سے کینہ نکل جائے گا۔

حسد:

حسد یہ ہے کہ کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ اس کی یہ اچھی حالت زائل ہو جائے۔

جیسا کہ ارشادِ الہی: ”وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ.“ میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ حسد عموماً یا تو نخوت اور غرور سے ہوتا ہے یا عداوت و خباثتِ نفس کی وجہ سے بلا وجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا، اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہو جائے، یہ غبطہ اور رشک کہلاتا ہے، اور یہ شرعاً جائز ہے۔

علاج: ...گو بہ تکلف ہی سہی، مگر اس شخص کی خوب تعریف کرے، اور اس کے ساتھ احسان، سلوک اور تواضع سے پیش آئے، ان معاملات سے اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے گی، پھر وہ بھی تم سے اسی طور سے پیش آئے گا، تو اس سے تمہارے دل میں بھی اس کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

حبِ دُنیا:

ارشادِ الہی ہے:

”وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ“

(آل عمران: ۱۸۵)

ترجمہ: ...”اور نہیں زندگانی دُنیا کی مگر پونجی دھوکے کی۔“

جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو، وہ دُنیا ہے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”حب الدنيا رأس كل خطيئة.“ (مشکوٰۃ ص: ۴۴۴)

ترجمہ:...”دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔“

مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت ہوتی ہے، اور قدرت ہوتے ہوئے برداشت کرنا اور گناہ نہ کرنا بہت ہی دُشوار ہے۔

اسی طرح مال کے ہوتے ہوئے انسان لذتوں کا خوگر ہو جاتا ہے، پھر لذت کی تحصیل میں اکثر و بیشتر عداوت، ریا اور نفاق وغیرہ سب ہی قسم کے گناہ ہوتے ہیں، نیز مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں دُنیا کی لاجواب تعریف کی ہے:

چست دُنیا از خدا غافل بدن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

علاج: ... حبِ دُنیا کا علاج یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے، اور لمبے عرصے کے لئے سامان نہ کرے، اور نہ سوچے۔

بخل:

قوله تعالى: ”وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَن نَّفْسِهِ

(محمد: ۳۸)

.... الخ“

ترجمہ:...”اور جو کوئی نہ دے گا سو نہ دے گا آپ کو۔“

یعنی جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروءۃ ضروری ہو، اس میں تنگ دلی کرنا

بخل ہے۔

علاج:.... بخل کا علاج یہ ہے کہ مال کی محبت کو دل سے نکالے اور حب مال کے نکلنے کا وہی طریقہ ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے۔

حرص:

قوله تعالى: "وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ

..... الخ" (طہ: ۱۳۱)

ترجمہ:.... "اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو

فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے۔"

(حرص کا معنی) قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہونا۔

علاج:.... اس کا علاج یہ ہے کہ خرچ گھٹائے تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو، اور آئندہ کی فکر نہ کرے کہ کیا ہوگا؟ اور یہ سوچے کہ حریص اور طمع کرنے والا ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے۔

حب جاہ:

قوله تعالى: "لَا يُرِيدُونَ غُلُوبًا فِي الْأَرْضِ.....

..... الخ" (القصص: ۸۳)

ترجمہ:.... "نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں۔"

لوگوں کے دلوں کے مسخر ہو جانے کا خواہش مند ہونا، جس سے لوگ اُس کی تعظیم و اطاعت کریں۔

حب مال اور حب جاہ کا مقصد ایک ہی ہے، کہ میری کوئی ضرورت تشنہ تکمیل نہ رہے، جیسے مال سے ضروریات پوری ہوتی ہیں، ایسے ہی بلا تکلیف لوگوں کے تعظیم کرنے سے بھی مقاصد سرانجام پاتے ہیں، حب جاہ بُری بلا ہے، ہاں! البتہ

انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے، تاکہ اس کی وجہ سے ظالموں کے ظلم و تعدی اور ظالم حاکموں سے بے خوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول ہو سکے، اتنی جاہ میں مضائقہ نہیں، مگر بقدر ضرورت جاہ حاصل کرنے کے لئے اپنی عبادتوں میں ریا کر کے اور متقیوں اور صوفیوں کی شکل و صورت بنا کر مخلوق کو دھوکا دے کر جاہ حاصل نہ کرے۔

علاج: ... یوں سوچے کہ جو لوگ میری تعظیم و اطاعت کر رہے ہیں، یا کریں گے، نہ یہ رہیں گے، اور نہ میں رہوں گا، تو پھر ایسی موہوم اور فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہی ہے۔

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو شرع کے خلاف تو نہ ہو، مگر عرفاً اس شخص کی شان کے خلاف ہو، اس سے وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جائے گا، تو حسب جاہ خود بخود دم توڑ جائے گا، مگر مقتدا کو ایسا کرنا زیب نہیں، کیونکہ اس سے دین میں فتور پڑ جائے گا۔

ریا:

ریا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو جائے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "يُرَاءُونَ النَّاسَ... الخ" پھر ریا کبھی تو جلی ہوتا ہے، یعنی تنہائی کی حالت میں اتنی عبادت نہیں ہوتی جتنی لوگوں کے سامنے کرتا ہے، اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے، مثلاً تہجد تو ہمیشہ پڑھتا ہے، مگر مہمان کے سامنے زیادہ نشاط اور مسرت ہوتی ہے، اور اس میں بھی ریا ہے۔

اسی طرح اگر اطلاع سے خوشی نہ بھی ہو لیکن وہ اس کا آرزو مند ہے کہ

کاش لوگ میری تعریف کریں، اسی طرح اگر اس کے ساتھ کوئی بُرائی کا معاملہ کرے، تو اس کو تعجب ہوتا ہے، تو یہ بھی ریا خفی ہے، کیونکہ لوگوں پر اپنی عبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے۔

فائدہ: ... اگر عبادت میں ریا اول سے ہو اور آخر تک دکھلاوے کے لئے پڑھی تو یہ نماز اس کے لئے موجب ثواب نہیں، بلکہ موجب عقاب ہے، اور اگر درمیان میں پیدا ہو گیا ہو پھر اگر نیت اصل عبادت کی مغلوب ہو گئی تو عبادت مقبول نہیں، اور اگر بعد عبادت پیدا ہو گیا، مثلاً: لوگوں کے آگاہ کرنے پر مسرت ہوتی ہے، تو یہ ریا مضر نہیں، ہاں! اس کا اظہار علیحدہ گناہ ہے، اور گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں۔

علاج: ... حبِ جاہ کو دل سے نکالے، کیونکہ ریا اسی کا شعبہ ہے، اور جو عبادت جماعت سے نہیں ہے اس کو پوشیدہ کیا کرے، اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے اُس کے لئے صرف ازالہ حبِ جاہ کافی ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ جس عبادت میں ریا ہو، اُس کو کثرت سے کیا کرے، پھر نہ کوئی اس کی طرف التفات کرے گا، اور نہ ہی اس کو اپنی عبادت کا خیال رہے گا، چنانچہ چند روز میں ریا سے عادت اور عادت سے عبادت اور اخلاص ہو جائے گا، قالہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

تکبر:

تکبر یہ ہے کہ اپنے کو صفات کمال میں دُوسروں سے بڑھ کر سمجھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے: "إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ" ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ دُوسروں سے صفات

کمالیہ میں زائد ہے، تو نفسِ امارہ پھول جاتا ہے، پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، مثلاً: راستے میں چلتے وقت دُوسروں سے آگے قدم رکھنا، مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ تلاش کرنا، دُوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا، اگر کوئی نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا، حق بات معلوم ہوتے ہوئے عمل کرنے سے شرمانا، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو غصہ ہونا، عوام کو گدھوں کی طرح دیکھنا، وغیر ذالک، نعوذ باللہ تعالیٰ منہ! پھر تکبر کبھی تو علم سے پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے برابر کوئی نہیں، یا اس طور کہ لوگوں پر میری تعظیم واجب ہے، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو اس پر تعجب ہونا، اور کبھی زُہد و تقویٰ سے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد تکبر کرنے لگتا ہے کہ اگر اسے کوئی ایذا دے تو جھلا کر کہتا ہے کہ: ”عنقریب دیکھ لے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے!“ اور اگر ایذا دینے والا اتفاقاً بیمار پڑ گیا یا اس کا کوئی نقصان ہو گیا تو اعلان کرتا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایذا دینے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے!“

کبھی شرافتِ نسب سے اور کبھی مال و جمال سے متفخّر و متکبر ہوتا ہے،
 اَللّٰهُمَّ اَحْفَظْنَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ اَمِيْنٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ، رَبِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ۔ (احیاء العلوم)

علاج: ... اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے، کیونکہ اس کے مقابلے میں اپنے کمالات کو ہیچ پائے گا، اور جس شخص سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اُس کے ساتھ تعظیم و تواضع سے پیش آئے، یہاں تک کہ اُس کا خوگر ہو جائے۔

عجب:

جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

”اِذْ اَعْجَبْتُمْكُمْ كَثَرْتُمْ... الخ“ (التوبہ: ۲۵)

ترجمہ: "... ”جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت سے۔“

عجب کا معنی یہ ہے کہ اپنے کمال کی اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ سلب بھی ہو سکتا ہے۔

علاج: ... اس کمال کو عطاء خداوندی سمجھے اور اس کے استغناء اور قدرت کو یاد کر کے ڈرے کہ شاید سلب ہو جائے، اس کو بطور نمونہ اکثر ”تعلیم الدین“ مولانا اشرف علی صاحب اور قلیل ”فروع الایمان“ وغیرہ سے نقل کر کے پیش خدمت کیا ہے، اگر زائد کی ضرورت ہو تو ”احیاء العلوم“ وغیرہ سے تحقیق فرمائیں۔

فصل:

آدابِ اُستاد و پیر:

مجاہدات سابقہ اور باقی تمام کمالات خواہ دنیوی ہوں یا اخروی، سب میں بغیر اُستاد و پیر کے کام نہیں چلتا، کیونکہ: ”بے مدد پیر نہ امکان تست“ اور جب تک اُستاد و پیر کی مہربانی نہ ہو، اس وقت تک ان کمالات کا حاصل ہونا دشوار ہے، بالفرض اگر کچھ حاصل بھی ہو جائیں تو تجربہ شاہد ہے کہ بے برکت ہوں گے، اور اُستاد و پیر کی مہربانی سوائے ادب اور خدمت کے مستعسر ہے، اس لئے اس کے کچھ آداب تحریر کئے جاتے ہیں، جو سب کے سب کتاب ”فروع الایمان“ مولانا اشرف علی صاحب سے ماخوذ ہیں۔

حقوقِ اُستاد:

۱: ... مسواک کر کے، بدن صاف کر کے اور صاف کپڑے پہن کر اس کے

پاس جائے۔

- ۲: ... ادب کے ساتھ پیش آئے۔
 ۳: ... اس کو حرمت و تعظیم کی نگاہ سے دیکھے۔
 ۴: ... جو بتلائے اس کو خوب توجہ سے سنے۔
 ۵: ... اُس کو خوب یاد رکھے۔
 ۶: ... جو بات سمجھ میں نہ آئے اپنا قصور سمجھے۔
 ۷: ... اُس کے رُو برو کسی کا مخالف قول ذکر نہ کرے۔
 ۸: ... اگر کوئی اُستاز کو بُرا کہے، حتی الوسع اُس کا دفعیہ کرے، ورنہ وہاں سے

اُٹھ کھڑا ہو۔

- ۹: ... اُستاز کے رُو برو بہت نہ ہنسنے، نہ بہت باتیں کرے، ادھر ادھر نہ دیکھے، نہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو، بلکہ بالکل اُستاز ہی کی طرف متوجہ رہے۔
 ۱۰: ... اُستاز کی بدخلقی برداشت کرے۔
 ۱۱: ... اُس کی تند خوئی سے اُس کے پاس جانا نہ چھوڑے، نہ اس کے کمال سے بد اعتقاد ہو، بلکہ اُس کے اقوال و افعال کی تاویل کرے۔
 ۱۲: ... جب کسی کام، غم یا نیند میں ملول اور مشغول ہو جس سے تعلیم شاق ہوگی یا حضورِ قلب سے نہ ہوگی، تو ایسے وقت میں نہ پڑھے۔
 ۱۳: ... حالتِ غیبت و بُعد میں اُس کے حقوق کا خیال کرے، گاہ گاہ تحفہ تحائف سے اُس کو خوش کرتا رہے، اور بھی بہت سے حقوق ہیں، مگر ذہن کے لئے اسی قدر کافی ہیں، اور اس سے باقی حقوق بھی سمجھ سکتا ہے۔

حقوقِ پیر:

ان حقوق سابقہ مذکورہ کے علاوہ جو زائد ہیں، وہ لکھے جاتے ہیں:

۱:.... یہ اعتقاد رکھے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے ہی حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کروں گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہوں گا۔

۲:.... ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان و مال سے اُس کی خدمت کرے، کیونکہ بغیر محبتِ پیر کے کچھ نہیں، اور محبت کی پہچان یہی ہے۔

۳:.... مرشد جو کچھ کہے اُس کو فوراً بجالائے، اور مرشد کی اجازت کے بغیر اُس کے کسی فعل کی اقتدا نہ کرے، کیونکہ بعض اوقات پیر اپنے حال اور مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے جو مرید کے لئے زہرِ قاتل ہوتا ہے۔

۴:.... مرشد جو ورد، ذکر، وظیفہ تعلیم کرے، اُسی کو پڑھے دوسرے تمام وظیفے چھوڑ دے، خواہ اُس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کئے ہوں یا کسی دوسرے نے بتائے ہوں۔

۵:.... مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، یہاں تک کہ سوائے فرض و سنت کے نمازِ نفل اور کوئی وظیفہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے۔

۶:.... حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اُس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

۷:.... اُس کے مصلے پر پیر نہ رکھے۔

۸:.... اُس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔

۹:.... مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔

۱۰:.... اُس کے سامنے نہ کھانا کھائے، نہ پانی پیئے اور نہ کسی سے بات کرے، بلکہ کسی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

۱۱:.... جس جگہ مرشد بیٹھا ہو، اس طرف پیر نہ پھیلائے، اگرچہ سامنے نہ ہو۔

۱۲:.... نہ اس طرف تھوکے۔

۱۳: ... جو کچھ مرشد کہے یا کرے، اُس پر اعتراض نہ کرے، کیونکہ وہ جو کچھ کرتا یا کہتا ہے! الہام سے کرتا اور کہتا ہے، یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے، اسی طرح اگر اس کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کو یاد کرے۔

۱۴: ... اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

۱۵: ... اگر دل میں کوئی شبہ گزرے تو فوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے، اور اگر مرشد اس کا جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اُس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

۱۶: ... خواب و مراقبہ میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کر دے، اگر اُس کی کوئی تعبیر ذہن میں آئے تو وہ بھی عرض کر دے۔

۱۷: ... بلا اجازت و بلا ضرورت مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

۱۸: ... مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے، باوازی بلند اس سے بات نہ کرے، بقدر ضرورت مختصر کلام کرے، اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

۱۹: ... مرشد کے کلام کو دُوسروں سے اُس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں، اور جس بات کے بارے میں یہ سمجھے کہ لوگ اُسے نہ سمجھیں گے تو اُسے بیان نہ کرے۔

۲۰: ... اور مرشد کے کلام کو رد نہ کرے، اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

۲۱: ... جو کچھ اس کا حال ہو، خواہ اچھا یا بُرا، اُسے مرشد سے عرض کرے، کیونکہ مرشد طبیبِ قلبی ہے، اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کر دے گا، مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے۔

۲۲:.... اُس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو، اگر کچھ ضروری پڑھنا ہو، تو اُس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔

۲۳:.... اُسے جو کچھ فیضِ باطنی پہنچے، اُسے مرشد کا طفیل سمجھے، اگرچہ خواب یا مراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے، تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اُس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، اس لئے اگر خواب یا مراقبہ میں دوسرے بزرگ سے فیض پہنچے تو اُسے بھی مرشد کی جانب سے ہی سمجھے۔

(کذافی "ارشادِ رحمانی" و مکتوب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص: ۳۷)

چنانچہ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

چوں گزیدی پیرہن تسلیم شو
ہیچو موسیٰ زیرِ حکمِ خضرِ رو
صبر کن درکارِ خضراے بے نفاق
تا نگوید خضرِ رو ہذا فراق

اسی طرح شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

دامنِ رہبر بگیر اے راہ جو
ہرچہ داری کن نثارِ راہِ او
پیرِ خود را حاکمِ مطلق شناس
تا براہِ فقرِ گردی حق شناس
ہرچہ فرماید مطیعِ امر باش
طوطیائے دیدہ کن از خاک باش
پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ
تبع بے دلیل ہو جاؤ

پھر تو سچ مچ جمیل ہو جاؤ

یعنی حق کے خلیل ہو جاؤ

تنبیہ:.... مگر یہ سب آداب مذکورہ شیخِ کامل کے ہیں، اور شیخِ کامل کی چند علامات ”تخصیلِ نسبت“ کے بیان میں گزر چکی ہیں، جس کے جاننے سے طالبِ دھوکے سے بچ سکتا ہے، اگر ان اوصافِ سابقہ کا جامع کوئی شخص مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھے، اور دل سے اُس کا غلام بن جائے، ورنہ اس سے علیحدگی اختیار کر لے، خصوصاً قرآن و حدیث کے خلاف کرنے والے سے ہرگز مجالست و مخالفت نہ کرے اس لئے کہ ایسی صحبت دین و ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔

چنانچہ عارفِ رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدمِ رُوئے ہست

پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

کارِ شیطان می کند نامش ولی

گر ولی این است لعنت بر ولی

ترجمہ:.... ”اے! بہت سے شیطان جو آدمی کی صورت

میں ہیں، پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے، کامِ شیطانی کرتا

ہے، نام اس کا ولی ہے، اگر یہی ولی ہے تو ایسے ولی پر لعنت

ہے۔“

اسی طرح عارفِ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نخست موعظتِ پیر این طریق این است

کہ از مصاحبِ ناجنس احتراز کنید

ترجمہ:.... ”اس طریق کے مرشد کی پہلی نصیحت یہ ہے

کہ ناجنس مصاحب سے پرہیز کر۔“

(انتہی کلامہ بتغیر یسیر وزائدۃ یسیرۃ)

اطلاع: ... پیر و مرشد اگر کسی بات کا حکم فرمائیں اور وہ ظاہر میں صریح بے ادبی ہو تو اس کی تعمیل سے انکار نہ کرے بلکہ اُسے بجالائے، مثلاً اگر وہ خاص کر اپنے مصلے پر بٹھائیں یا نماز میں امام بنائیں یا اپنے سے آگے چلنے کا حکم دیں یا وہ کفش جھاڑ کر سیدھے کریں تو بلا تکلف قبول کرے، یا اسی طرح کوئی دوسرا حکم فرمائیں تو مان لے، اس لئے کہ کمال ادب یہی ہے کہ مرشد کا فرمان مان لے، اور اگر اس میں کچھ نقصان یا عذر دیکھے تو بے شک عرض کرے، تاکہ وہ اس حال سے آگاہ ہو جائیں، لیکن اگر آگاہی کے بعد پھر بھی حکم کریں تو اس حکم کا بجالانا ضروریات میں سے ہے۔ غرض ان کی رضا کو حصول مقصد کا بہترین ذریعہ اور سعادتِ دو جہان کا سبب جانے اور ان کی تکلیف و آزار کو بدترین بدبختی کا سبب سمجھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں قاضی حمید الدین بنگالی کو لکھا ہے، جس میں یہ فرمایا ہے:

”ہر مرضے را علاجے ہست، إلا آزر دگی شیخ را ہیچ

علاجے نیست۔“

ترجمہ: ... ”ہر مرض کا علاج ہے، مگر شیخ کی ناراضی کا

کوئی علاج نہیں، (پس مرید کو چاہئے کہ شیخ کو راضی رکھے)۔“

اور اُس مکتوب میں بہت سے آداب تحریر فرمائے ہیں، جس کو ”ہدایت

الطلاب“ نے نقل کیا ہے، اُن میں سے بعض نقل کئے جاتے ہیں:

اول: بیعت سے پہلے امتحان کر لے، یعنی اپنا اعتقاد دُرست کر لے کہ اس

میں علامتِ ولایت جو تقویٰ وغیرہ کی ہیں، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، موجود ہیں یا

نہیں؟ جب علامت پالیوے اور بیعت ہو جاوے تو بعد بیعت کے تمام جہان سے منہ پھیر کر دل و جان سے اُس کی طرف رُجوع کرے، کلی اور جزوی کاموں میں پیر کی اقتدا کرے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، بات چیت، خوبصورتی، چال ڈھال، عادت، عبادت سب اُن کے سے پیدا کرے، اور خدمت میں حاضر ہو، بطریق سنت سلام کرے اور پابوس اور زمین بوس اور کفش بوس نہ ہووے، مگر دل سے ہاں! اگر غلبہٴ محبت میں مضطر ہو جاوے تو یہ باتیں معاف ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراوے کہ کفر و شرک ہے، غائب میں یوں نہ کہے کہ: ”یا پیر! فلاں کام کر دے“ بلکہ وسیلہ کے طور پر یوں کہہ سکتا ہے کہ: ”یا اللہ! میرا فلاں کام بطفیل میرے پیر کے کر دے“ نذر و نیاز بھی خدا تعالیٰ کے لئے مانے، اُن کی خدمت اور کام کاج کو اپنی ریاضات سے بہتر جانے، اور خدمت سے پہلو تہی نہ کرے۔

طفیل کا مطلب یہ ہے کہ: ”اے اللہ تعالیٰ! میرے اعتقاد میں میرا پیر تیرا اور تیرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب تابعدار ہے، اس لئے میری اس کے ساتھ محبت و اعتقاد و اتباع ہے، اس لئے اپنے فضل سے میرا فلاں کام کر دے۔“

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمیں کنی

منت از و شمار کہ بخدمت گزاشتت

ترجمہ: ”احسان مت جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا

ہے، بادشاہ کا احسان جان کہ وہ تجھ سے خدمت لے رہا ہے۔“

اُن کی خدمت گزاری سے بعد فرائض و واجبات و سنن کے کوئی زیادہ

عبادت و ریاضت نہیں، وغیر ذالک، فی الجملہ کوئی بے ادب اور بداعتقاد نہ خدا تک

پہنچا ہے، نہ پہنچے گا۔

یہی ماں باپ کے بھی آداب ہیں۔

فصل:

شیخ کا مرید سے برتاؤ:

۱:.... شیخ کو چاہئے کہ مریدوں پر مہربان اور رحیم ہو، چنانچہ فرمان الہی ہے:
”بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ“۔

۲:.... سوائے حقوق اسلامی کے زجر و توبیخ نہ فرمائے: ”وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا“۔

۳:.... نرمی اور شفقت سے نصیحت فرمائے: ”لَنْتَ لَهُمْ“۔

۴:.... اُن کی تقصیرات جو کہ اپنے حق میں دیکھے، درگزر فرمائے۔

۵:.... اور اُن کے لئے دُعائے مغفرت کیا کرے: ”وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

فِي الْأَمْرِ“۔

۶:.... دینی کاموں میں مشاورت بھی کیا کرے۔

۷:.... اور اُن سے مالی یا بدنی منفعت کا اُمیدوار نہ رہے، کیونکہ ارشاد

عبادت ہے، اور عبادت پر اُجرت لینا جائز نہیں: ”قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا“۔

۸:.... اور مخلوق کی رضامندی کے لئے ان کو جدا کرنا حرام ہے: ”وَلَا تَطْرُدِ

الَّذِينَ... الخ“۔

۹:.... اور بعض مریدوں کو بعض پر ترجیح نہ دے، اِلَّا یہ کہ کسی میں طلب

رضائے حق زیادہ ہو۔

۱۰:.... طریقت کی اشاعت پر حریص ہو: ”حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ... الخ“۔

۱۱:.... اور اپنے آپ کو باوقار رکھے اور بے سود اختلاط کا دروازہ نہ کھولے۔

۱۲:.... اور ایسی حرکت نہ کرے جس سے اللہ کی مخلوق بے اعتقاد ہو جائے،

جیسے فرقہ ملامتیہ کیا کرتے ہیں کہ کنجریوں کے محلہ میں رہا کرتے ہیں، وغیر ذالک۔

۱۳: ... اور اپنے آپ کو خادم تصور کرے۔
یہ سب ”ارشاد الطالبین“ سے ماخوذ ہیں۔

فصل:

طریق تربیت:

واضح ہو کہ بعض کامل مکمل پہلے طالب کو تزکیہ نفس، عناصر اور تصفیہ لطائف کے لئے، جو کہ مصاحبتِ خلق سے ظلمانی ہو گیا ہے، ذکر، شغل اور مراقبہ تعلیم فرماتے ہیں، تصفیہ اور اخلاقِ مرضیہ کے حصول کے بعد القائے نسبت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سالک کو سالکِ مجذوب اور اس سیر کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں۔ سیرِ آفاقی، نفسی اور سیرِ الی اللہ، سیر فی اللہ، بقا باللہ اور سیر عن اللہ باللہ کے سلسلے میں جاننا چاہئے کہ جب سالک نیت کو درست کر کے ذکرِ الہی میں مشغول ہوتا ہے اور مجاہدے کرتا ہے تو اس کے اوصافِ رفیہ اخلاقِ حسنہ سے بدل جاتے ہیں، دُنیا کی محبت کا غلبہ نہیں رہتا، صبر، توکل اور رضا حاصل ہو جاتی ہے، تو اپنے تزکیہ کو درجہ بدرجہ ترتیب وار عالمِ مثال میں مشاہدہ کرنے لگتا ہے، اس کو عالمِ مثال میں ہر لطیفہ کے مناسب انوار مثلاً: لطیفہ قلب میں زرد نور اور لطیفہ رُوح میں سنہری وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لطیفہ کی صفائی ہو گئی ہے، تو سالک اپنی کدورتوں اور ظلمتوں کے دور ہونے اور اپنی صفائی و تزکیہ کے یقین کو جو عالمِ مثال میں من جملہ آفاق کے ہے دیکھتا ہے، تو گویا یہ آفاق میں سیر کر رہا ہے، اگرچہ درحقیقت یہ سیر سالک کے اپنے نفس کی سیر ہے، اور اس کے اپنے اوصاف و اخلاق میں حرکتِ کیفی ہے، مگر چونکہ آفاق کے آئینے میں دیکھ رہا ہے، اس لئے آفاق کی طرف منسوب کی گئی اور کہا گیا کہ سیرِ آفاقی

ہے، اس کو سیر الی اللہ بھی کہتے ہیں، اس سیر میں رذائل یعنی بُری خصلتوں سے تخلیہ حاصل ہوتا ہے، گویا فنا فی اللہ ہو گیا ہے کہ تمام ماسویٰ سے خالی و فارغ ہے۔ اس لئے کہ سالک تزکیہ عناصر اور انوار لطائف کو اپنے نفس سے خارج عالم مثال میں ملاحظہ کرتا ہے، چونکہ یہ سیر بہت دراز اور بامشقت ہوتی ہے، اور اس میں مقصود میں ناکام رہنے کا خوف بھی رہتا ہے، اس لئے بعض مقررینِ کامل و اکمل جیسے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ و علیٰ اتباعہ جذب کو سلوک پر مقدم فرماتے ہیں، چنانچہ وہ پہلے سالک کے لطائف عالمِ امر میں توجہ سے القائے ذکر فرماتے ہیں، تاکہ قلب، رُوح، سر، خفی اور اخفی اپنے اُصول میں فانی اور مستہلک ہو جاتے ہیں، اس سیر کو سیرِ انفسی کہتے ہیں، اس لئے کہ سالک انوار، لطائف و تزکیہ عناصر کو اپنے اندر ملاحظہ کرتا ہے، اس سیر میں اکثر سیرِ آفاقی بھی حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے کہ کدورت دفع ہونے کے باوجود قرب بھی حاصل ہو جاتا ہے، اس سالک کو مجذوب سالک اور اس سیر کو اندراج النہایۃ فی البدایۃ کہتے ہیں، اس لئے کہ جذب جو آخر میں تھمی، ابتدا میں ہو گئی، ایسا شخص اگر کمال سے پہلے مرجائے تو مقصود سے مطلقاً محروم نہ رہا، کیونکہ ذکرِ قلبی سے پہلی صحبت میں ہی فیض یاب ہو گیا۔ (ارشاد الطالبین)

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے، وہ سیرِ انفسی ہے، جس کو سیر فی اللہ اور بقا باللہ فرماتے ہیں، اس کو سیرِ انفسی اس لئے کہتے ہیں کہ انفس اسماء کے ظلال و عکوس کے آئینے ہیں، نہ یہ کہ سالک کا سیرِ نفس میں ہے، اس سیر میں درحقیقت انفس کے آئینے میں اسماء کے ظلال کا سیر ہے، اسی لئے اس کو سیرِ معشوق فی العاشق کہتے ہیں، اور اس سیر کو سیر فی اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ سالک اس سیر میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف و متخلق ہو جاتا ہے، گویا کہ اسمائے الہیہ میں سیر متحقق ہو گئی، اس سیر کو سیر فی اللہ اور بقا باللہ بھی کہتے ہیں، اس سیر میں سالک اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو جاتا

ہے، گویا تخلیہ سیرِ آفاقی میں ہوا اور تجلیہ اس سیرِ نفسی میں ہوا، پھر اس سیر کی انتہاء نہیں، اس کے حاصل ہونے کو ولایت کہتے ہیں، اس کے بعد جو سیر ہوتی ہے وہ سیر عن اللہ باللہ کہلاتی ہے، اسی طرح سیرِ چہارم سیر فی الاشیاء وباللہ ہر دو کو سیرِ رُجوعی و نزول کے ساتھ متعلق کہتے ہیں (یہ ہے اربابِ ولایت کے سیر سلوک کا حاصل اور ان کے کمالات کا نسخہ جامعہ)، مگر اس پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ راضی نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں، اس لئے کہ جب انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہے تو اس صورت میں دائرہ امکان کا قطع کرنا ناممکن ہوگا، پس اس سے دائی مایوسی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، نہ کبھی فنا متحقق ہوگی، نہ بقا متصور ہوگا، پھر وصال و اتصال کیسے ہوگا؟ اور قربِ کمال کیا ہوگا؟ جیسے حق تعالیٰ وراء الورا ہے، اس کی صفات بھی وراء الورا ہیں، دائرہ امکان میں نہ ذات کی گنجائش ہے، نہ صفات کی، سیرِ نفسی میں تو اسماء و صفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے، نہ کہ عین اسماء و صفات کا ظہور، بلکہ اسماء و صفات کی ظلیت اور مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے، جب تک انفس و آفاق سے باہر نہ نکلیں، حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی ظلیت کے معنی سمجھ میں نہیں آتے، پھر اسماء و صفات تک وصول کیسے؟

اصل بات یہ ہے کہ سیرِ آفاقی و سیرِ نفسی میں ظلماتی پردے دور ہوتے ہیں، جس کے امکان کے تمام مراتب طے ہوتے ہیں، اور نورانی پردوں کا طے ہونا حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی سیر پر موقوف ہے، حتیٰ کہ نظر میں نہ اسم رہے، نہ صفت، اور نہ شان رہے، نہ اعتبار، اُس وقت تمام نورانی پردے دور ہوتے ہیں اور وصلِ عریانی حاصل ہوتا ہے، یہ وصل بہت کم حاصل ہوتا ہے۔

سوال: ... اس صورت میں تو مشائخ باطل پر اور حق ان کے مکشوف و مشہود کے برخلاف ہوگا؟

جواب: ... باطل وہ ہے جس میں صدق کی بونہ ہو، وہ لوگ تو حق تعالیٰ کی محبت میں ایسے مغلوب ہوتے ہیں کہ اُن کی نظر بصیرت میں اسم و رسم محو و لاشے ہو گئے ہیں، باطل تو ان کے سایہ سے بھاگتا ہے، بات یہ ہے کہ کیا ان بزرگوں نے کمالات کے متعلق جو تحقیق فرمائی ہے، بس وہی ہے یا اس کے ماسوا بھی احوال و معارف ہیں؟ تو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی بہت سے کمالات ہیں:

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرزود
ورنہ بس عالی ست پیش خاک تود

(خلاصہ مکتوب چہل و دوم دفتر ثانی امام ربانیؒ)

فائدہ: ... ذکر قلبی کس چیز کو کہتے ہیں؟ جاننا چاہئے کہ مقصود از ذکر قلبی توجہ و حضور قلب است بہ مذکور، حرکت و جنبش قلب ہو یا نہ ہو، بلکہ بعض قسم فنا میں حرکت بجائے خود زوال ذکر ضروری ہوتا ہے، بعض ناواقف ذکر تحرک قلب کو کہتے ہیں، اور یہ سخت غلطی ہے، ذکر بمعنی یاد ہے، نہ بمعنی تحرک، فافہم!

(کذافی مکتوب خواجہ محمد معصوم ص: ۸۳)

فائدہ: ... ہر ایک لطیفہ کا نور ہے، بعض سالک کو یہ انوار بالانفصیل نظر آتے ہیں، اور بعض کو ایک ہی کا، اور بعض لطائف کا تصفیہ ہو جاتا ہے اور انوار نظر نہیں آتے، قلب کا نور زرد، اور رُوح کا نور سرخ اور سر کا نور سیاہ اور خفی کا نور سفید اور اخفی کا نور سبز ہے، اور بعضے رُوح کا نور سفید اور اخفی کا نور سیاہ اور خفی کا نور سبز بتلاتے ہیں، وغیر ذالک من الاختلافات!

فائدہ: ... ہر چند لطائف ستہ، نفس، قلب، رُوح، سر، خفی، اخفی کے جوہر

عرض، مجرّد، مادی، واحد، متعدّد اور تعین مقامات میں اگرچہ اختلاف ہے، مگر بہر حال اس پر قدر اتفاق ہے کہ نفس کی اصل غذا غفلت ہے، اس مرتبہ میں اس کو امارہ کہتے ہیں، اور جب شہوات کی مدافعت کرنے لگے گو ہنوز پورا سکون نہ ہو، اس کو لوامہ کہتے ہیں، اور جب بالکل قرار ہو جائے، اس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین)

ذکر لطائف اور تکرار کلمہ طیبہ کے بعد ذکر تعلیم فرمانے ہیں، بعضے بجز، بعضے آہستہ، اور حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً جہر سے خفی کو ترجیح دیتے ہیں، پھر اس کو گاہے لسان سے بلحاظ معنی کہ بیچ مقصود نیست بجز ذات پاک، تلقین فرماتے ہیں، اور گاہے بہ جس نفس زیر ناف کردہ کہ اس سے کلمہ ”لا“ کو اپنے خیال میں دماغ تک پہنچائے اور کلمہ ”الہ“ کو دماغ سے داہنے مونڈھے تا لطیفہ رُوح تک پہنچائے، جو کہ پستانِ راست کے نیچے بفاصلہ دو انگشت ہے، اور وہاں سے لطیفہ قلب پر جو کہ زیر پستانِ چپ بفاصلہ دو انگشت ہے، خیال میں کلمہ ”إِلَّا اللّٰہُ“ کی ضرب لگائے، اور خیال ہی سے لفظ ”محمد رسول اللّٰہ“ سانس لینے کے وقت کہے اور کہتے وقت اس معنی کا لحاظ کرے کہ: بیچ نیست مقصود بجز ذات پاک، اور نفی کے وقت اپنی ہستی کی نفی کرے، اور اثبات کے وقت حضرت حق سبحانہ کے اثبات کا تصور کرے، اور چند بار ذکر کرنے کے بعد کمال خاکساری سے التجا کرے کہ خداوند مقصود من توئی و رضائے تو، محبت و معرفت خود بدہ، اور یہ ذکر کمال توجہ قلب سے کرے، یعنی ہمت سے دل کی توجہ ذات الہی کی طرف کرے۔ اور اس میں طاق عدد کی رعایت کرے، اس کو وقوفِ عددی کہتے ہیں۔ یہ عمل فنائے نفس کے لئے مفید ہے، اس کے بعد مشائخ مراقباتِ مشاربیہ کی تعلیم فرماتے ہیں، پھر جب جمعیت حاصل ہو جاتی ہے تو مراقبہ معیت اور فنائے قلب کے بعد مراقبہ اقریبیت اور فنائے نفس کے بعد مراقبہ محبت کی تعلیم فرماتے ہیں، پھر فنائے اتم کے بعد مراقبات کمالات نبوت و فوق آں مثلاً: مراقبہ ذاتِ بحت کی تعلیم

فرماتے ہیں، رضی اللہ عنہم۔ (ارشاد الطالین وملتقطاً)

فائدہ: ... یہ صفائی و بیداری قلب کے لئے ہے، لطیفہ رُوح کی بیداری کا طریقہ یہ ہے کہ ”لا“ کو ناف سے پیشانی تک لے جا کر ”إله“ کو قلب پر لا کر ”إِلَّا اللّٰهُ“ کی رُوح پر ضرب لگائے، تو لطیفہ رُوح بیدار ہو جائے گا۔

اسی طرح لطیفہ سرّ یا خفی یا انھی کو بیدار کرنا ہو تو ”لا“ کو قلب سے رُوح تک لے جا کر ”إله“ کو نفس پر لا کر جس لطیفہ کو بیدار کرنا مطلوب ہو تو ”إِلَّا اللّٰهُ“ کی ضرب اس پر لگائے، اور اگر پانچوں لطائف کو یکبارگی بیدار کرنا ہو تو ”إِلَّا اللّٰهُ“ کی ضرب پانچوں پر لگائے (یہ عمل ہر لطیفہ کے لئے جاروب (جھاڑو) ہے)۔

اور اگر لطیفہ نفس کو بیدار کرنا ہو تو ”لا“ کو رُوح سے نکال کر خفی اور سرّ پر پھیرتا ہوا قلب پر لے جائے، اور واپس انھی پر ”إله“ کا خیال کر کے نفس پر ”إِلَّا اللّٰهُ“ کی ضرب لگائے۔

اور اگر لطیفہ قلبیہ کو بیدار کرنا ہو کہ تمام بدن سے ذکر ظاہر ہو، تو ”إِلَّا اللّٰهُ“ کی ضرب تمام بدن پر لگائے، اس طرح تمام بدن سے ذکر ظاہر ہونے لگے گا، انشاء اللہ تعالیٰ! پھر اگر طالب کو تمام بدن میں چیونٹی کے چلنے کی طرح حرکت معلوم ہو، یا سب بال کھڑے ہو جائیں یا بدن میں کپاس کی طرح دُھن دُھن معلوم ہو تو اس حرکت کو خوب بڑھائے اور اگر کسی پر بزور یہ حرکت ڈالنا منظور ہو تو بزور توجہ اس کی ہر رگ و ریشہ پر القا کرے اور ہر روز بڑھاتا جائے، سلطان الاذکار کے جاری کرنے کی دوسری ترکیبیں بھی ہیں، جو ”ارشاد الطالین“ میں مذکور ہیں، وہاں دیکھ لیں۔

حضرت شاہ نقشبند رحمہ اللہ تعالیٰ وقوفِ عدوی کو چنداں لوازمات سے شمار نہیں کرتے، جیسا کہ وقوفِ قلبی کو واجبات سے گنتے ہیں، وقوفِ قلبی اس کو کہتے ہیں کہ دل کی توجہ ذاتِ الہی کی طرف ہو جس کا نام گرامی ”اللّٰہ“ جل جلالہ ہے، اس طور

کہ ذکر کی طرف بھی متوجہ نہ ہوتا کہ اس میں تفرقہ نہ آئے، اور ماسوا کے نقوش اس میں منقش نہ ہوں، پھر اگر درمیان میں کوئی خطرہ وارد ہو تو اس کو دفع کرتا رہے، جب دل دوسری طرف متوجہ نہ ہوگا تو ضرور اس طرف ہی متوجہ ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جس کا ذکر قلبی جاری نہ ہو، اس کو محض وقوف قلبی کا حکم کیا جائے، اور توجہ دی جائے، ذکر قلبی جاری ہو جائے گا۔ (کذانی مکتوب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص: ۲۴۱)

فائدہ: ... جس دم میں اکثر دل میں گرمی، ذوق، شوق، رقت قلبی، نفی خواطر اور نفی ماسوی اللہ تعالیٰ ہونے لگتی ہے، اور کبھی کشف عیانی، وجدانی ہو جاتا ہے، اور کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا، اور یہی طالب کے لئے مفید ہوتا ہے:

اگر بخشے زہے رحمت! نہ بخشے تو شکایت کیا؟

ہر وقت رضا کا طالب رہے، ملنے پر بھی خوش رہے اور نہ ملنے پر بھی خوش رہے، اصل یہی ہے، فافہم!

فصل:

ترتیب مراقبات:

مراقبہ کی تعریف:

مراقبہ یعنی رقابت بمعنی محافظت ہے، یا پھر رقوب و ترقب سے مأخوذ بمعنی انتظار کے ہے، اور اصطلاح تصوف میں حواس ظاہرہ و باطنہ کو انتظار مطلوب میں جمع کرنے کا نام مراقبہ ہے:

ہمہ چشمیم تا بروں آئی

ہمہ گویشیم تا چہ فرمائی

اس میں ذکر و رابطہ شیخ کا واسطہ بھی نہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

میں نے مراقبہ گربہ لٹی سے سیکھا ہے کہ وہ کیسے مطلوب کے انتظار میں ہمہ تن مصروف ہے، اور مراقبہ کا دوسرا معنی بھی ہے کہ بندہ آگاہ و خبردار رہے کہ ہر دم حق سبحانہ میرے ساتھ حاضر اور میری ہر حالت پر مطلع ہیں، مراقبہ کا یہ طریق نفی و اثبات کے طریق سے اعلیٰ، جذب کے حصول میں اقرب اور باطن کی تنویر میں تمام مؤثر ہے۔

فائدہ: ... خطرات قلبی کے بالکل زائل ہو جانے یا کم ہو جانے کا نام جمعیت

ہے، اور طالب کے قلب میں توجہ الی اللہ پیدا ہو جانے کا نام حضور ہے۔

فائدہ: ... ہمالک جس لطیفہ پر فیض و رحمت کا منتظر ہوگا، اس کو مور و فیض

کہتے ہیں، اور مراقبہ پر جو اثر و فائدہ مرتب ہو، اس کو فیض مراقبہ کہتے ہیں، اور یہ اثر اسباب و آلات کے بغیر مبدأ فیض یعنی فیاض سے آتا ہے۔

فائدہ: ... سالکین فرماتے ہیں کہ انسان دس لطائف سے مرکب ہے، ان

میں سے پانچ عالمِ امر سے ہیں، جیسے: ۱۔ قلب، ۲۔ رُوح، ۳۔ سر، ۴۔ خفی،

۵۔ اخفی، ان کو عالمِ امر سے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ محض حکمِ الہی ”کن“ سے ظاہر

ہوئے ہیں۔ اور پانچ عالمِ خلق سے ہیں، جیسے: عناصرِ اربعہ، نفس۔ ان کو عالمِ خلق سے

اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بتدریج پیدا کئے گئے ہیں، ”اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ“ چنانچہ

ولایتِ صغریٰ میں مور و فیض لطائفِ عالمِ امر ہیں، اور ولایتِ کبریٰ و علیا میں مور و فیض

لطیفہ نفس و عناصرِ اربعہ ہیں۔

فائدہ: ... حضور و جمعیت میں پختگی کرنا ضروری ہے، اس میں اتنا کمال ہو کہ تکلف سے بھی غیر کا خیال دُشوار ہو اور دُنوی تعلقات سے دل کا رشتہ ٹوٹ جائے، اور اولاد و مال سے جو کچھ تعلق اس کو رہے، وہ بحکم شرعی ہو، دل سب سے فارغ ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ حکم شرعی کو ظاہراً و باطناً دوسری چیز پر غلبہ ہو، حکم شرعی کے نفاذ میں کوئی چیز رُکاوٹ نہ بن سکے، بلکہ اس کی مؤید ہو، تب اس کو فنائے قلب حاصل ہوگی:

ہج کس را تا نگردد ایں فنا

نیست راہ در بارگاہ کبریا

ترجمہ: ... ”کسی کے لئے جب تک یہ فنا نہ ہوگا، نہیں

ہے اس کے لئے راستہ بارگاہ کبریا میں۔“

اگر اس میں پختگی نہ ہوگی تو اس کو آئندہ کا کوئی کمال نصیب نہ ہوگا۔

فائدہ: ... خلاصہ سلوک: مقاماتِ عشرہ مشہورہ کا طے کرنا ہے، اور وہ یہ ہیں: توبہ، انابت، زُہد، شکر، وَرَع، قناعت، توکل، تسلیم، صبر اور رضا۔ ان مقامات کو مستقل مجاہدہ سے طے کرنا دُشوار ہے، اور اس کے لئے مدت درکار ہے، اس کو مختصر اور سہل کرنے کے لئے حضراتِ کاملین قدس سرہم نے اُن کے طے کرنے کا مدار تتبعِ شریعتِ مرشد کی توجہ کو قرار دیا ہے، جس سے جمعیت، حضور، جذبہ اور لطائفِ مافوق کی طرف کشش ہو جاتی ہے، جس سے فنائے قلب اور ان مقامات کا طے ہونا آسانی سے ہو جاتا ہے، اور سیرِ آفاقی و انفسی ہر دو اس کے ضمن میں آ جاتی ہیں۔ (کذا قال المجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)

چونکہ مشائخ ان مراقبات کی تعلیم اکثر فارسی زبان میں فرماتے ہیں، اسی

لئے ان الفاظ کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

مراقبہٴ احدیت:

”فیض می آید از ذاتیکہ مستجمع جمیع صفات کمال است و منزہ از ہر نقصان و زوال مورد فیض لطیفہٴ قلب من است۔“
ترجمہ:...” اُس ذات سے فیض آرہا ہے جو کل صفات کمال کی جامع، ہر نقصان اور زوال سے پاک اور میرے لطیفہٴ قلب کے فیض کا مورد ہے۔“

اس مراقبہ میں احد کے مفہوم کو، جو جامع ہے جمیع صفات کمال کو اور ہر نقصان سے منزہ ہے، ذہن میں رکھ کر متوجہ الی اللہ تعالیٰ رہے، اسی لئے اس مراقبہ کا نام ”احدیت“ ہے۔

مراقباتِ مشارب:

مراقبہٴ لطیفہٴ قلب، مشربِ آدم:

”لطیفہٴ قلب خود را مقابل لطیفہٴ قلب مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبان خیال التجا کند کہ: الہی! فیض تجلیاتِ افعالیہ کہ از لطیفہٴ قلبِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بر لطیفہٴ قلبِ آدم علیہ السلام افاضہ فرمودہ بخرمتِ پیرانِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در قلبِ من القا فرما۔“

ترجمہ:...” اپنے لطیفہٴ قلب کو جنابِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہٴ قلب کے مقابل رکھ کر زبانِ حال سے التجا کرے کہ: الہی! فیضِ تجلیاتِ افعالیہ لطیفہٴ قلبِ سرورِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کو جو کہ تو نے لطیفہ قلب آدم علیہ السلام پر القا فرمایا ہے،
بحرمت پیرانِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ میرے قلب میں القا فرما۔“
جاننا چاہئے کہ شے و چیز کے مراتب چند ہیں:

اوّل: ... ایک مرتبہ ہے ”ذات من حیث ہی“ کہ اس میں کسی نسبت و
اعتبار کا وجود و عدم ملحوظ نہیں، اس مرتبے کو موسوم بہ ذات بحت و غیب ہویت و وجود
مطلق کہتے ہیں، اس میں غور و خوض، وقت کی اضاعت ہے:

تواں در بلاغت بہ سبحان رسید

نہ در کنہ بے چون سبحان رسید

دوم: ... دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ذات کے ساتھ اس کے اسماء، صفات، شیون
اور اعتبارات اجمالاً ملحوظ ہوں، اس میں تمیز بعضاً من بعض اصلاً نہیں، اس کو تعینِ اوّل
اور وحدت کہتے ہیں، اسی کو حقیقتِ محمدیٰ جانتے ہیں۔

سوم: ... تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس میں تفصیلی طور پر تبائن و تمیز ہے، اس
تعینِ ثانی کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں، پھر یہ تبائن و تمیز یا محض اعتبار میں ہے کہ اعتبار
سے بڑھ کر ذات پر کچھ زیادتی ظاہر نہ ہوگی، یا ایک صفت دوسری صفت سے ظاہر
میں بھی متمیز ہو، مگر وہ تمیز صرف صفاتِ ثنائیہ میں ہوگی اور وجود و وجوب کی نسبت
اس میں ملحوظ نہ ہو۔

مرتبہ اوّل: جس میں کہ اعتبارات سے کچھ ملحوظ نہیں، نصیب ہے لطیفہ خفی کا۔

اور وہ مرتبہ کہ جس میں اجمالاً اسماء صفات ملحوظ ہیں نصیب ہے لطیفہ خفی کا۔

اور وہ مرتبہ کہ جس میں صفات تمیز اعتباراً ہیں اور ذاتِ تعالیٰ و تقدس پر کچھ

زیادتی نہیں رکھتے، نصیب ہیں لطیفہ سر کا۔

اور وہ مرتبہ کہ جس میں حقیقتاً صفات متمیز ہیں، نصیب ہے لطیفہ رُوح کا اور

نصیب قلب کا ان سب مراتب سے کم درجے کا ہے، وہ افعالِ الہیہ ہیں جو کہ اثر ہے صفات کا، جس میں سالک کی نظر میں اپنے اور مخلوقات کے افعال چھپ جاتے ہیں اور بجز فعلِ حق سبحانہ کے اس کی نظر میں نہیں رہتا:

اگر دیدہ بخشند خداوند ترا

نہ بنی دگر صورت زید را

اس ولایت کو ولایتِ ابوالبشر آدم علیہ السلام کہتے ہیں، اور سالک کو آدمی المشرب کہتے ہیں۔

مراقبہ لطیفہٴ رُوح مشربِ ابراہیم و نوح:

”لطیفہٴ رُوح خود را مقابلِ لطیفہٴ رُوح مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیال عرض کند: الہی! فیضِ صفاتِ ثبوتیہ کہ از لطیفہٴ رُوح مبارک آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم در لطیفہٴ رُوح حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام افاضہ فرمودہ بحرمتِ پیرانِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفہٴ رُوح من القا فرما۔“

ترجمہ:.... ”اپنے لطیفہٴ رُوح کو مقابلِ لطیفہٴ رُوح

مبارک آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رکھ کر زبانِ حال سے عرض کرے کہ: الہی! وہ فیضِ تجلیاتِ صفاتِ ثبوتیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہٴ رُوح مبارک سے لطیفہٴ رُوح حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام میں تو نے بخشے ہیں، بحرمتِ پیرانِ عظامِ رحمہم اللہ تعالیٰ، میرے لطیفہٴ رُوح میں القا فرما۔“

مشربِ ابراہیمی لطیفہٴ رُوح میں خدا تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ میں جذب ہوتا

ہے، اس میں سالک کی نظر میں مخلوق کی صفات مظہر صفات حق سبحانہ ہو جائیں گی، اس کی صفات نظر آئیں گی، اس ولایت کا نام ولایت نوح و ابراہیم علیہما السلام ہے، اور سالک کو ابراہیمی المشرّب کہتے ہیں۔

فائدہ: ... لطیفہ قلب میں جو توحید ظاہر و واضح ہوئی تھی، وہ یہ تھی کہ مخلوقات کے وجود کو غلبہ محبت حق سبحانہ سے وجود حق سبحانہ و تعالیٰ دیکھتا ہے، اور لطیفہ رُوح میں بجز حق سبحانہ کے وجود ثابت نہیں کرتا، اور ممکنات کو عدم پاتا ہے، اور یہ حالت بسبب غلبہ سُکر کے ہے، ورنہ:

نہ آں این گردد نہ این شود آں
ہمہ اشکال بر تو گردد آساں

مراقبہ لطیفہ سرّ مشرب موسوی:

”لطیفہ سرّ خود را مقابل لطیفہ سرّ مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبان خیال عرض کند: الہی! فیض تجلیات شیون ذاتیہ کہ از لطیفہ سرّ مبارک آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم در سر مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام افاضہ فرمودہ بخرمت پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفہ سرّ من القا فرما۔“

ترجمہ: ... ”اپنے لطیفہ سرّ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ سرّ کے بالمقابل رکھ کر زبان خیال سے التجا کرے کہ: الہی! شیون ذاتیہ کی تجلیات کا وہ فیض جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ سرّ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ سرّ میں ڈالا ہے، پیرانِ عظام کے وسیلے سے میرے لطیفہ سرّ میں ڈال دے۔“

مشرّب موسوی میں سالک اپنے آپ کو حق سبحانہ میں ہالک اور مضمحل پاتا ہے، سوائے ذات کے اُس کی نظر میں اور کچھ نہیں ہوتا (کذافی ہدایۃ الطالبین)، اس ولایت کو ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں اور سالک کو موسوی المشرّب کہتے ہیں۔

شیون جمع ہے شان کی، اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ شان مراد ہے کہ جس سے وہ صفاتِ ثبوتیہ کے ساتھ موصوف ہے، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے: ”كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ“ (الرحمن: ۲۹) (ہر روز ایک شان میں ہے)، سالک اس مقام میں اپنی ذات کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات میں مٹا ہوا پاتا ہے، اور سوائے ذاتِ حق کے اُسے کوئی ذات نظر نہیں آتی، جب سالک ذات و صفات میں فانی ہو جاتا ہے تو طعن و ملامت کی پروا نہیں کرتا اور نہ کسی تعریف و توصیف کا خواہش مند رہتا ہے، اور ذاتِ حق تعالیٰ میں ڈوبا رہتا ہے۔

مراقبہ لطیفہ خفی مشرب عیسوی:

”لطیفہ خفی خود را مقابلِ لطیفہ خفی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیالِ عرضِ کند: الہی! فیضِ تجلیاتِ صفاتِ سلبیہ کہ از لطیفہ خفی مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم در لطیفہ خفی عیسیٰ علیہ السلام افاضہ فرمودہ بحرمتِ پیرانِ کبارِ رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفہ خفی من القا فرما۔“

ترجمہ:.... ”اپنے لطیفہ خفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ خفی کے مقابل رکھ کر خیال کی زبان سے التجا کرے کہ: الہی! صفاتِ سلبیہ کی تجلیات کا وہ فیض جو تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ خفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ خفی

میں القا فرمایا ہے، پیران کبار کے طفیل سے میرے لطیفہ خفی میں
القا فرمادیجئے۔“

مشرب عیسوی میں سالک حق سبحانہ کو جمیع مظاہر سے منفرد پاتا ہے، اس
ولایت کو ولایت عیسیٰ علیہ السلام اور سالک کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔
فائدہ: ... لطیفہ سرّ و خفی میں سالک ملامت کی پروا نہیں کرتا، اور نہ کسی کی
توصیف و تعریف کا خواہش مند ہوتا ہے، صفات سلبیہ کا مطلب یہ ہے کہ سالک
اپنے خیال میں لائے کہ حق تعالیٰ جسم و جسمانی نہیں، عرض و جوہر نہیں، مکانی و زمانی،
حال و محل، محدود و متناہی نہیں ہے، بے جہت، بے کیف، بے نسبت اور بے مثل ہے۔

مراقبہ لطیفہ اخفی مشرب محمدی:

”لطیفہ اخفی خود را مقابل لطیفہ اخفی مبارک سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم داشته بزبان خیال عرض کند کہ: الہی! فیض
تجلیات شان جامع کہ در لطیفہ اخفی حضرت سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم افاضہ فرمودہ بحرمت پیران کرام رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفہ
اخفی من القا فرما۔“

ترجمہ: ... ”اپنے لطیفہ اخفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے لطیفہ اخفی کے مقابل رکھ کر خیال کی زبان سے التجا
کرے کہ: الہی! تجلیات شان جامع کا وہ فیض جو آپ نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ اخفی میں القا فرمایا ہے
پیران کبار کی برکت سے میرے لطیفہ اخفی میں القا فرما۔“

باید دانست کہ ہر مراقبہ لطیفہ را کہ مورد تجلیات ملحوظ داشته ہمیں لطیفہ را از

لطائف ہر یک از حضراتِ مشائخِ کرام سلسلہ علیہم الرحمۃ تا حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مثل آئینہ ہائے متقابلہ فرض کردہ بطریقِ تعاکس فیضِ مخصوص را در لطیفہٴ مخصوصہٴ خود منعکس انکارو بمقتضائے: ”اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي“ مامول بحصول انجامد، وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ!“

مشرَبِ محمدی تمام مراتب کا جامع ہے، اس میں سالک متخلق باخلاقِ الہی ہو جاتا ہے، اس ولایت کو ولایتِ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اور سالک کو محمدی المشرَب کہتے ہیں۔

فائدہ: ... اس کے بعد مرشد سالک کو مراقبہٴ معیت تلقین فرماتے ہیں۔

نیتِ مراقبہٴ معیت:

”مضمون آیتِ کریمہ: ”وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ“ را ملحوظ داشته از صمیم قلب داند کہ فیضِ می آید از ذاتیکہ با من است و باہر ذرہ از ذراتِ کائنات بہماں شان کہ مرادِ اوست تعالیٰ منشاء فیضِ دائرہ ولایتِ صغریٰ است کہ ولایتِ اولیائے عظام و ظل و اسماءِ صفاتِ مقدسہ است موردِ لطیفہٴ قلبِ من۔“

جاننا چاہئے کہ نصِ قرآنی: ”وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ“ (الحدید: ۴) جس معیت پر ناطق ہے، اس کی ناقص مثال رُوح ہے کہ ہر مومئے جسم میں قائم ہے اور ساتھ ہے، مگر ظاہری آنکھ اس کے دیکھنے سے قاصر ہے، جب رُوح نظر نہیں آتی، تو معیتِ حق جل شانہ کا، جو کہ بے چون و بے چگون ہے، کیونکر ادراک ہو سکتا ہے؟ پس اس ایمان پر کہ اللہ تعالیٰ ذراتِ ممکنات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ ہے، ہر شش جہت موجود ہے اور اپنے تئیں اس تصور کو دائم کرے تاکہ توجہ و حضور سالک اس میں گم ہو جائے۔

فائدہ: ... قلب کے دائرہ ولایتِ صغریٰ پر پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ مافوق سے جدا شدہ توجہ شش جہت کا احاطہ کرے گی، اور وہ بلا کیف معیت کو اپنا اور تمام جہان کا احاطہ کرنے والا پائے گا، اس وقت بعض حضرات کو اسرارِ توحید و جودی ظاہر ہوتے ہیں۔

توحید و جودی اس کو کہتے ہیں کہ تمام ممکنات کے وجود کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے وجود کی لہریں اور موجیں سمجھے اور ممکنات کا علیحدہ کوئی وجود نہ دیکھے، کما قیل:

ہم ہیں دریا سے، یہ دریا ہم سے
یہ سخن وہ جانے جو ہے آشنا
ز ساز و مطرب پُرسوز این رسید بگوش
کہ چوب و تار صدا آتن تن ہمہ اوست
ترجمہ: ... ”پُرسوز مطرب کے ساز سے یہ بات کان
میں پڑی کہ چوب اور تار صدا تمام اس کی سواریاں ہیں۔“

توحید و جودی کی تشریح:

اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حق تعالیٰ کے اسماء و صفات حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں، نیز یہ کہ یہ ایک دوسرے کے بھی عین ہیں، مثلاً: علم و قدرت جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کے عین ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں، اس مقام میں تعدد و تکثر کا کوئی نام و نشان نہیں، نہ ہی کسی قسم کا تمایز و تباہین ہے، حاصلِ کلام یہ ہوا کہ ان اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے علم الہی کی نسبت سے علم اجمالی اور تفصیلی کے طور پر تمایز و تباہین پیدا کیا ہے، اگر تمیز اجمالی ہے، اس کو تعینِ اول کہتے ہیں، اگر تمیز تفصیلی ہے تو اس کو

تعیینِ ثانی کہتے ہیں، تعینِ اول کو وحدت اور حقیقتِ محمدی کہتے ہیں، اور تعینِ ثانی کو واحدیت کہتے ہیں، اور اس کو تمام ممکنات کے حقائق سمجھتے ہیں اور ان حقائق ممکنات کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں، یہ دونوں تعین و وحدت و وحدانیت مرتبہ و جوب میں ثابت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان اعیان نے وجودِ خارجی کی بو نہیں پائی اور خارج میں احدیتِ مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں، یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے، ان اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود کے آئینے میں منعکس ہوا، جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں، اور اس انعکاس نے وجودِ تختلی پیدا کیا ہے، جس طرح کہ آئینے میں کسی شخص کی صورت منعکس ہو کر آئینے میں وجودِ تختلی پیدا کر لے، تو اس عکس کا وجود سوائے خیال کے کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہی آئینے میں کسی شے نے حلول کیا ہے، اور نہ ہی اس آئینے پر کوئی چیز منقش ہوتی ہے، اگر کچھ منقش ہے تو وہ تختیل میں ہے، جو صرف آئینے میں وہی طور پر ظاہر ہے، یہ مستحیل اور متوہم چونکہ صنعتِ خداوندی ہے، اس لئے اتنا استحکام و ثبات رکھتا ہے کہ وہم و تختیل کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا، اور ثواب و عذابِ ابدی اس پر مرتب ہے، چونکہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات جو عین ذات ہیں ان کے نزدیک خارج کا علم ثابت نہیں ہوا، اور انہوں نے صورتِ عملیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے، نہ کہ اس کی شبیہ و مثال، اور ایسے ہی اعیان کو (یعنی وجود) ثابتہ کی صورت منعکسہ جو ظاہر وجود کے آئینے میں نمودار ہوتی ہے، ان اعیانِ ثابتہ کا عین تصور کیا ہے، نہ کہ اس کی شبہ و مانند، اس لئے اتحاد کا حکم کیا ہے، اور ہمہ اوست فرما دیا ہے، پس حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب کے سب عالم سے مراد یہ اسماء و صفات ہیں جنہوں نے خانہ علم میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینے میں نمود و نمائش حاصل کی ہے، اور اسماء و صفات عین ذات ہیں، پس خارج میں احدیتِ مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں، فافہم! جب یہ فنا تمام و کمال کو پہنچتی ہے اور

اپنے آپ کو تمام میں اور تمام کو اپنے میں مشاہدہ کرتا ہے اور عالم کو اپنے جمال کا آئینہ دیکھے گا:

چوں بنگرم در آئینہ عکس جمال خویش
 گردد ہمہ جہاں حقیقت مصورم!
 خورشید آسماں ظہورم عجب مدار
 ذرات جہاں اگرچہ گشت مظہرم
 ترجمہ:.... ”جب دیکھتا ہوں میں آئینہ و عکس میں اپنا
 جمال، تو درحقیقت تمام جہان میرا مصور ہو جاتا ہے، میرے
 آسماںِ ظہور کے سورج، تعجب مت کر، ذراتِ جہاں اگرچہ
 ہو گئے میرے مظہر۔“

اس ولایتِ صغریٰ میں جو کہ توحید و جود کی دائرہ امکان ہے کما مَرّ، اور ذوق و شوق وغیرہ بھی ظاہر ہوتے ہیں، تو اسی میں حضور، جمعیت، واردات کشفِ کونی، کشفِ ارواح و عالمِ مال اور سیرِ عالمِ ملک و ملکوت وغیرہ ظاہر ہوتے ہیں، اس کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں، جس کی وجہ تسمیہ و تعریف گزر چکی ہے، اسی ولایتِ صغریٰ میں تجلیاتِ افعالیہ و ظلالِ اسماء و صفات کی سیر حاصل ہوتی ہیں۔

فائدہ:.... جب سالک کمالات اپنے وجود میں دیکھتا ہے، تو اس کو ہی سیرِ انفسی کہتے ہیں اور اسی معنی میں کہا گیا ہے:

ہم چوں ناینا مبر ہر سوائے دست
 با تو زیرِ گلیم است ہرچہ ہست
 ترجمہ:.... ”مثل ناینا کے ہر طرف ہاتھ مت مار،
 تیرے پاس کبیل کے نیچے ہے جو کچھ بھی ہے۔“

فائدہ: ... جس کو سیرِ نفسی نصیب ہو، اُس کو اس سیر کے ضمن میں سیرِ آفاقی بھی حاصل ہو جاتی ہے، سیرِ نفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہے، اور اس کو تجلیہ کہتے ہیں، اسی طرح سیرِ آفاقی میں اخلاقِ رذیلہ دفع ہوتے ہیں اور اس کو تخلیہ کہتے ہیں۔

مراقباتِ ولایتِ کبریٰ:

وَأَلْ مُشْتَمَلِ اسْتِ بَرَسَه دَاوْرَه وَ یَک قَوْس (اور وہ تین دائروں اور ایک قوس پر مشتمل ہے)۔

فائدہ: ... ہر شخص پر جنابِ الہی تعالیٰ سے تواتر اور تسلسل سے تازہ فیوضات وارد ہوتے رہتے ہیں، ان نعمتوں کے انواع کی تعداد احاطہٴ بشری سے خارج ہے، وہ فیوض اور نعمتیں بواسطہ صفات و ظلال مخلوق پر وارد ہوتی ہیں، اگر خالق و مخلوق کے درمیان یہ واسطے نہ ہوتے تو جہان جو معدوم محض تھا، بقا اور وجود سے خالی ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ”غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ“ ہے، ان واسطوں کو جو کہ سایہ و پر تو کی مانند ہیں حق تعالیٰ کے ظلال کہا کرتے ہیں، یہ ظلال شخص اور صفاتِ حق کے درمیان کثیر در کثیر ہیں، ہر ظل و سایہ ظلِ مافوق کا پرتاؤ ہے، تاکہ وہ صفات تک پہنچے ہیں، سالک پہلے اپنے ظلِ مافوق سے ترقی کر کے اس سے اوپر والے ظل پر پہنچتا ہے، اسی طرح تمام ظلال کو طے کر کے اپنے مبدأ تعین صفت تک پہنچتا ہے، پھر کسی کو ایک صفت سے فیض پہنچتا ہے، کسی کو دو صفات سے، اور کسی کو چند صفات سے اور کسی کو کامل اکمل کو بواسطہٴ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات سے۔

(کذافی مکتوب خولجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص: ۱۲۱)

اپنے مبدأ تعین صفت تک پہنچنے کو شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ

نے نقل کیا ہے کہ: ”تا بہ مادر خود جنت نہ شوی مسلمان نشوی، یعنی تا با سہی کہ مبدأ تعین سالک است وصول نشود یعنی صحیح اسلام و انقیاد میسر نشود۔“ سالکِ اکمل کو تمام صفات میں بواسطہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیر حاصل ہو جاتی ہے، مگر تتبع سنت اس عالی شخص کو سیر نظری ہوتی ہے، اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مراتب طے کرنے میں سیر قدمی کی ہے، پس یہ سالک حضرت رُوحی و جسمی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی نہیں ہو سکتا، فافہم!

حاصل یہ ہے کہ ولایتِ صغریٰ میں ظلالِ اسماء و صفات کا دائرہ طے ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ میں ظلال سے بڑھ کر دائرہ اسماء، صفات اور شیونات حق تعالیٰ میں سیر ہوتی ہے، اس میں تین دائرے اور ایک قوس ہوتا ہے۔ ولایتِ کبریٰ میں دائرہ اولیٰ کو اقریبیت و توحیدِ شہودی کہتے ہیں، اس میں اشیاء کے وجود کو وجودِ الہی تعالیٰ کا پرتو اور صفاتِ اشیاء کو صفاتِ حق سبحانہ کا پرتو دیکھے، نہ اس کا عین جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ و رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واجب الوجود جل شانہ کی صفاتِ ثمانیہ جو اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں، حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں متمیز ہیں، اور وہ تمیز بھی ذات و صفات کی طرح بے چون و بے چگون ہے، اسی طرح صفات بھی بلا کیف ایک دوسرے سے متمیز ہیں، جس کی کیفیت ذات کی طرح ہمارے احاطہ و ادراک سے بالاتر ہے: ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ فِي الذَّاتِ وَلَا فِي الصِّفَاتِ وَلَا فِي الْاَفْعَالِ“، باوجود بلا کیف تمیز کے اسماء و صفات نے خانہ علم میں بھی تفصیل و تمیز پیدا کی ہے اور منعکس ہوئے ہیں، اور ہر صفت و اسم متمیزہ کے لئے مرتبہ علم میں ایک مقابل و نقیض ہے، مثلاً مرتبہ علم میں صفتِ علم کا مقابل و نقیض عدمِ علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کرتے ہیں، اور صفتِ قدرت کے مقابل عجز ہے، جس کو عدمِ قدرت کہتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس ان عدما ت

متقابلہ نے بھی حق تعالیٰ کے علم میں تفصیل و تمیز پیدا کی ہے اور اپنے متقابلہ اسماء و صفات کے آئینے اور ان کے عکس کے مظاہر میں، پس وہ عدما ت مع اسماء و صفات کے عکسوں کے حقائق ممکنات ہیں۔

خلاصہ یہ کہ وہ عدما ت ان ماہیات کے اصول و مواد کی طرح ہیں اور وہ عکس ان مواد میں حلول کی ہوئی صورتوں کی طرح۔ پس شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات ہیں جو مرتبہ علم میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدما ت ہیں جو اسماء و صفات کی نقیضیں ہیں بمعہ اسماء و صفات کے عکسوں کے جو خانہ علم میں ان عدما ت کے آئینوں میں ظاہر ہوئی اور ایک دوسرے سے باہم مل گئی ہے، مثلاً: ممکن کا علم واجب الوجود کے علم کا پرتو اور ظل ہے، جو اپنے مقابل یعنی جہل میں منعکس ہوا ہے، اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے، جو اس عجز میں جو کہ اس کے مقابل ہے منعکس ہوئی ہے، اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے، جو اس عدم کے آئینے میں جو کہ اس کے مقابل ہے منعکس ہوا ہے:

نیا وردم از خانہ چیزے نخست

تو داری ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ: "...میں گھر سے کوئی چیز پہلے نہیں لایا، تو تمام

چیزیں رکھتا ہے، اور میں بھی تیری چیز ہوں۔"

اور مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں، بلکہ اس کا

شبه و مثال ہے، اور ان دونوں کا ایک دوسرے پر حمل کرنا محال ہے، پس ممکن عین

واجب نہ ہوگا، نہ واجب پر حمل ہو سکے گا، کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وہ عدم

ان اسماء و صفات کا عکس ہے جو اس عدم میں منعکس ہوا ہے، وہ نہ ان اسماء و صفات

کی شبیہ و مثال ہے، نہ اُن کا عین، پس ہمہ اوست کہنا جائز نہیں، بلکہ ہمہ ازوست کہنا درست ہوگا۔

ممکن باعتبار ذات کے عدم ہی ہے جو شرات، حث اور نقص کا مبدأ ہے، اور جو کمالات از قسم وجود یا اس کے توابع میں سے ہیں، مثلاً: قدرت وغیرہ جو ممکن میں پائی جاتی ہیں، سب اس کو بارگاہِ جل شانہ سے حاصل ہیں، اور حق تعالیٰ کے کمالات ذاتیہ کا پرتو ہیں، پس حق تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا نور ہے، اور اس کے ماسوا ظلمت ہی ظلمت ہے۔ پس حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ اور مجدد الف ثانی قدس سرہ ہر دو عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتے ہیں، اور ظل سے وجودِ اصلی کی نفی کرنے میں بھی ہر دو شریک ہیں، لیکن شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ وجودِ ظلی کو وہم و تخیل ہی سمجھتے ہیں، اور خارج میں احدیتِ مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے، اور صفاتِ ثمانیہ جن کا وجود اہل سنت و جماعت کی آراء کے موافق خارج میں ثابت ہوا ہے، ان کو بھی علم کے سوا ثابت نہیں کرتے، اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجودِ ظلی خارج میں ثابت ہے، اگر وحدتِ وجودی والے اس خارج کو اس خارج کا ظل سمجھتے تو عالم کے وجودِ خارجی کا انکار نہ کرتے، اور وہم و تخیل پر کفایت نہ فرماتے، اور واجب الوجود کی صفات کے وجودِ خارجی کا انکار نہ کرتے، اور اگر علمائے ظاہر بھی اس سزا سے واقف ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجودِ اصلی ثابت نہ کرتے بلکہ وجودِ ظلی پر کفایت کرتے۔

حاصل یہ کہ عالم وجودِ ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے، جس طرح کہ حق تعالیٰ وجودِ اصلی کے ساتھ بذاتِ خود خارج میں موجود ہے، اور عالم کی صفات میں بھی حق تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں، پس ایک دوسرے پر حمل نہیں کر سکتے، نہ ہی ایک دوسرے کے عین ہیں، اگر کوئی آدمی، کسی شخص کے ظل کو اس شخص کا عین کہے تو یہ اس کا تسامح ہے، جو اس بحث سے خارج ہے، واللہ اعلم!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت اس توحید شہودی کی طرف ہے، نہ کہ توحید وجودی کی جانب، ولایت کبریٰ کا نصف سافل دائرہ اولیٰ اسماء و صفات زائدہ کو متضمن ہے، اور اس دائرہ کا نصف عالی شیونات ذاتیہ پر مشتمل ہے، اس دائرہ تک لطائف خمسہ عالم امر کا عروج ہوتا ہے، اس میں مورد تمام لطائف کے اشتراک کے ساتھ لطیفہ نفس ہے۔ جب اس دائرہ اقربیت سے عروج ہوتا ہے تو دائرہ اسماء و صفات میں سیر ہوتی ہے، پھر اصل اصل میں کہ دائرہ ثالث ہے، پھر اصل اصل باصل ثالث میں کہ قوس ہے سیر عروجی ہوتی ہے، اس میں کمال اضمحلال و استہلاک حاصل ہوتا ہے، اس میں ذوق و شوق سے معاملہ برتر ہو جاتا ہے، صاحب علم حصولی قطع منازل میں کمال ذوق و شوق سے تھا، اور صاحب کشف و استغراق تھا، اور اس کی صحبت جذب بخش اور عشق انگیز تھی، جب اس کا معاملہ ورانے آفاق و انفس ہو جاتا ہے، اور ظلال سے باصل پیوست ہو گیا تو شوق و ذوق وغیرہ کی قید سے چھوٹ کر اس کا معاملہ ظہورات سے برتر ہو جاتا ہے، اس لئے ظہور بلا شائبہ ظلیت نہیں ہوتا، اور ظل کی انتہا نفس کی انتہا پر ہے، جب نفس فانی ہے تو ظل و ظہور کب باقی ہوگا؟ پس اس وقت عارف اپنے حضور ذاتی سے جدا ہو کر، اس لئے کہ اس کا حضور واجب جل سلطانہ کے حضور کا پر تو ہے، حضور او تعالیٰ میں لاحق ہو گیا، اور عارف و حضور عارف سے کوئی اثر نہ رہا اور عدم یافت نسبت علم حضوری سے متصف ہو گیا، پس زوال علم حصولی اشیاء فنا قلبی ہے اور زوال علم حضوری فنائے نفس ہے۔ (کذافی مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہ ص: ۱۵۸)

فائدہ: ... جہاں تک سالک کا معاملہ انفس میں ہے، اس وقت تک شوق، ذوق، استغراق وغیرہ ہوں گے، اور ایسے سالک کی صحبت جذب بخش، عشق آمیز، گریہ آور اور وجد انگیز ہوگی، جب سالک کا معاملہ آفاق انفس سے بالاتر ہو کر اصل سے پیوست ہو جائے، تو قید شہود و استغراق در مشہود وغیرہ چیزوں سے برتر ہو جائے گا، اس

کی صحبت بعینہ صحبت اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی سی ہوگی، کبھی آپ نے سنا کہ ان بزرگوں کی صحبت میں کسی کو وجد ہوا؟ یا کسی نے نعرہ شوق بلند کیا ہو؟ یا کبھی تجلی و شہود میں سخن کیا؟ ایسے کمال والوں کا آرام طاعت ذوالانعام جل علا میں ہے، اور ان کی فرحت بندگی میں، ان کا دوام نیاز اور راحت ان کی نماز میں ہے: "أَرِحْنِي يَا بِلَالُ وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ" کی حدیث ان کے معاملے کی شاہد ہے اور دریافت نسبت کے باوجود حیرت و نادانستی میں ہیں۔

فائدہ: ... ہر چند کہ عارف کا معاملہ دراصل اصل الاصل میں بڑھے گا اور اپنے مربی کے اسم کے انداز سے ہوگا، یعنی تمام اسماء و صفات کے اعتبار سے تفصیلاً حصہ دار نہ ہوگا، اِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ تَعَالَى! کہ کسی کو اللہ تعالیٰ، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے سب سے ہی فیض یاب فرمائے، وَذَلِكَ قَلِيلٌ!

فائدہ: ... اس ولایت کبریٰ میں شرح صدر ہوتا ہے، اور نفس مطمئنہ اور مقامِ رضا پر ارتقا ہوتا ہے، اَللَّهُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِكَ اٰمِيْنَ! اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین بڑھتا ہے، جملہ تکلیفاتِ شرعیہ میں نظر بدیہی بن جاتی ہے، سالک کی ہستی کا نام و نشان نہیں رہتا، لفظ "اَنَا" کا اطلاق اپنے اوپر متعذر سمجھتا ہے، اس مقام پر تہلیل لسانی یعنی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" بایں معنی ہوتا ہے کہ تیری ذات کے سوا میرا کوئی محبوب اور محب نہیں۔

فائدہ: ... ولایتِ صغریٰ کے تمام ہونے کی علامت یہ ہے کہ فیضِ باطنی کا جو معاملہ اصل سے متعلق تھا، وہ سینے سے متعلق ہو جائے، اس وقت شرح صدر ہوتا ہے۔

فائدہ: ... دائروں کے مراقبات اس طرح کرے کہ اپنے آپ کو دائرہ میں داخل خیال کر کے یہ تصور کرے کہ فیضِ محبت دائرہِ اصل اسماء و صفات سے میرے لطیفہ اَنَا یعنی نفس پر وارد ہو رہا ہے، اسی طرح دائرہِ اصل، اصل جو دائرہِ ثالث ہے،

کے بارے میں خیال کرے کہ فیضِ محبت میرے آنا پر وارد ہو رہا ہے، اسی طرح قوس سے متعلقہ جو کہ اصل ثالث ہے، یہی خیال کرے، واللہ اعلم و علمہ اتم!

فائدہ: ... معلوم ہونا چاہئے کہ اسماء و صفات کے ظلال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کے سوا تمام مخلوق کی تعینات کے مبادی ہیں، اور اسماء و صفات کے ظلال کی سیر کو ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں اور مبادی تعینات انبیاء علیہم السلام اسماء و صفات و شیونات اللہ تعالیٰ ہیں، اس مرتبہ کی سیر کا نام ولایتِ کبریٰ ہے، ان ہر دو ولایت میں سیر اسم الظاہر میں تھی، ان میں تجلیاتِ صفاتی بلا مشاہدہ ذات وارد ہوتے ہیں، اور سیر اسم الباطن میں اگرچہ تجلیاتِ اسماء و صفات وارد ہوتے ہیں، مگر ذات بھی مشہودِ سالک ہو جاتی ہے، فافہم یا فہیم!

نیتِ دائرہ اولیٰ:

”مضمونِ آیتِ کریمہ: ”وَنَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ“ (ق: ۱۶) را ملحوظ داشته از رُوئے باطن داند کہ فیض می آید از ذاتیکہ نزدیک تراست بمن از رگِ جانِ من بہماں شان کہ مراد حق است سبحانہ، موردِ فیضِ لطیفہٴ نفس و لطائفِ خمسہ عالم امر من است منشاءِ فیضِ دائرہ اولیٰ ولایتِ کبریٰ است کہ ولایتِ انبیاء علیہم السلام واصلِ دائرہ ولایتِ صغریٰ است۔“

ترجمہ: ... ”سالک اس مراقبہ میں آیت: ”اور ہم بندہ کی رگِ جان (شہ رگ) سے بھی زیادہ قریب ہیں“ کے مضمون کو دل میں ملحوظ رکھ کر خیال کرے کہ اس ذات سے جو میری رگِ جان سے بھی زیادہ میرے قریب ہے، اور اس قرب کی حقیقت

حق تعالیٰ ہی جانتا ہے، میرے لطیفہ نفس اور عالم امر کے پانچوں لطائف پر فیض آرہا ہے، فیض کا منشا و مبدا ولایت کبریٰ کا دائرہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اور ولایت صغریٰ کے دائرہ کی اصل ہے۔“

دائرہ ثانیہ:

”مضمون آیت: ”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ“ (المائدہ: ۵۴) را

ملفوظ داشتہ در خاطر بگذارند کہ فیض می آید از ذاتیکہ مراد دوست می دارد و من اورا دوست می دارم، منشاء فیض دائرہ ثانیہ ولایت کبریٰ است کہ ولایت انبیاء علیہم السلام واصل دائرہ اولیٰ است مور فیض لطیفہ من است۔“

ترجمہ:.... ”سائلک اس مراقبہ میں آیت کریمہ: ”اللہ

تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں“ کے مضمون کو دل میں ملحوظ رکھ کر خیال کرے کہ اس ذات سے جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں، میرے لطیفہ نفس پر فیض آرہا ہے، فیض کا منشا و مبدا ولایت کبریٰ کا دائرہ ثانیہ ہے جو انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دائرہ اولیٰ کی اصل ہے۔“

دائرہ ثالثہ:

”مضمون آیت کریمہ: ”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ“

(المائدہ: ۵۴) را ملحوظ داشتہ در دل گزارد کہ فیض می آید از ذاتیکہ

مرادوست می دارد و من اورا دوست می دارم منشاء فیض دائرہ ثالثہ ولایت کبریٰ است کہ اصل دائرہ ثالثہ است مورد فیض لطیفہ نفس من۔“

مراقبہ اسم ”الظاہر“:

”فیض می آید از ذاتیکہ مسٹی است باسم الظاہر مورد فیض لطیفہ نفس و لطائف خمسہ عالم امر من۔“

ترجمہ:.... ”اس ذات سے جو اسم الظاہر کا مسٹی ہے، میرے لطیفہ نفس اور عالم امر کے پانچوں لطیفوں پر فیض آرہا ہے، (یہ نیت کر کے بدستور فیض اخذ کرے)۔“

مراقبہ اسم ظاہر میں فیض لطائف ستہ پر ہوتا ہے، اور لطیفہ نفس پر زائد ہوتا ہے، اور اس مقام پر سفید مائل بہ سبزی انوار معلوم ہوتے ہیں، اور ایک قسم کی خشکی، آرام، شراب جیسا خماری، استغراق کامل اور اسرار مظاہر ظاہر ہوتے ہیں۔

مراقبہ اسم ”الباطن“:

”فیض می آید از ذاتیکہ مسٹی است باسم الباطن منبع فیض دائرہ ولایت علیا است کہ ولایت ملائکہ اعلیٰ است مورد فیض عناصر ثلاثہ من سوائے عنصر خاک۔“

ترجمہ:.... ”اس ذات سے جو اسم الباطن کا مسٹی ہے، میرے عناصر ثلاثہ (علاوہ عنصر خاک) یعنی آگ، پانی اور ہوا پر فیض آرہا ہے، فیض کا منشاء دائرہ ولایت اولیاء ہے، جو ملائکہ عظام

کی ولایت ہے، (یہ نیت کر کے عناصرِ ثلاثہ پر فیض حاصل کرنے کا خیال کرے)۔“

اسمِ باطن میں سوائے عنصرِ خاک کے عناصرِ ثلاثہ پر فیض وارد ہوتا ہے، اس میں فیض بے کیف وارد ہوتا ہے، کمال بے رنگی میں ہوتے ہیں، لیکن گاہے کسی پر اس دائرہ کے خطوط ظاہر ہو کر پھر روپوش ہو جاتے ہیں، یہ ولایتِ علیا مانند مغز اور کبریٰ مانند پوست کے معلوم ہوتی ہے، اس میں اضمحلال و فنا میں کمال ترقی ہوتی ہے، اس ولایت کے اسرار قابلِ اظہار نہیں ہوتے:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز

ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

اس لئے کہ الفاظ ان اسرار کے متحمل نہیں ہو سکتے، اس ولایت میں تمام بدن میں وسعت پیدا ہوتی ہے، احوالِ لطیف تمام قالب پر وارد ہوتے ہیں، اس جگہ تکرارِ کلمہ طیبہ، کثرتِ دُرود شریف اور نمازِ نفل بطولِ قراءت فائدہ بخش ہے۔
وجہ تسمیہ: اس ولایت کو ولایتِ علیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبادی تعینات ملائکہ عظام، اسم ”الْبَاطِنُ“ ہے، اور ملائکہ بھی باطن و مستتر ہیں۔ اور چونکہ اس ولایت کے اسرار بھی لائقِ استتار اور عالی ہیں، اسی لئے اس اسم کو علیا اور ولایتِ ملائکہ کہتے ہیں، اس جگہ تک ہر سہ ولایتِ صغریٰ و کبریٰ ختم ہوئیں۔

مراقبہ کمالاتِ نبوت:

”فیض می آید از ذاتِ بخت کہ منشاء کمالاتِ نبوت

است موردِ فیضِ لطیفہ عنصرِ خاک من است۔“

ترجمہ: ... ”اس ذاتِ محض سے جو منشاء کمالاتِ نبوت

ہے، میرے لطیفہ عنصرِ خاک پر فیض آرہا ہے، (یہ نیت کر کے تجلی ذاتی دائمی کا فیض بے پردہ اسماء و صفات حاصل کرے)۔“

مراقبہ کمالاتِ نبوت: کمالاتِ نبوت میں تجلی ذاتی دائمی ہوتی ہے، اس تجلی کا معاملہ بیان سے باہر ہے، کیونکہ یہ ذوقی و وجدانی ہے، نہ کہ بیانی، بس اس قدر ہے کہ جب فضل سے تجلی ذاتی ہوگی، اس کو استتار (پوشیدگی) نہیں ہوتا، اور اس کو تجلی برقی کہتے ہیں، نہ کہ تجلی ذاتی، بلکہ تجلی شانی، اس لئے کہ شیوناتِ الہیہ سے ہے، اس مقام کے معارف تمام عرفان سے جدا ہیں، اس میں بے رنگی و بے کیفی نقدِ وقت ہوتی ہے، ایمانیات و اعتقادات میں قوت ہو جاتی ہے، استدلالات بدیہی ہو جاتے ہیں، تمام ولایات: صغریٰ، کبریٰ اور علیا اس کی نسبت لاشعشے محض ہوتے ہیں، لطائفِ امر، طائفِ عالم خلق، نفس اور عناصرِ ثلاثہ یعنی: آتش، باد اور آب کو اس جگہ دخل نہیں، اس میں معاملہ عنصرِ خاک سے متعلق ہوتا ہے، دیگر عناصرِ عنصرِ خاک کے تابع ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں، اس میں احکام شرعیہ اور معاملاتِ قبر و حشر وغیرہ، جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے گئے ہیں، بدیہی و عین الیقین ہو جاتے ہیں، اس میں تلاوتِ قرآن مجید، ادائے صلوٰۃ بآداب اور وہ اذکار جو احادیث میں ہیں، ترقی بخش ہو جاتے ہیں۔

مراقبہ کمالاتِ رسالت:

”فیض می آید از ذاتِ بخت کہ منشاء کمالاتِ رسالت

است موردِ فیض ہیئتِ وحدانی من است۔“

ترجمہ:.... ”اس ذاتِ بخت سے جو کمالاتِ خاص

رسالت کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی (مجموعہ لطائفِ عالمِ امر و

خلق) پر فیض آرہا ہے، (یہ نیت کر کے تجلی ذاتی دائمی کا فیض

حاصل کریں)۔“

مراقباتِ کمالاتِ رسالتِ اولوالعزم: جاننا چاہئے کہ تجلی ذاتی دائمی کے تین مرتبے ہیں: مرتبہ اولیٰ کمالاتِ نبوت کو، مرتبہ ثانیہ کمالاتِ رسالت کو اور مرتبہ ثالثہ کمالاتِ اولوالعزم کو قرار دیتے ہیں۔ اس مقام میں فیضِ ہیئتِ وحدانی پر آتا ہے، ہیئتِ وحدانی عالمِ خلق و عالمِ امر کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں، جو تصفیہ و تزکیہ کے بعد اس میں پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً: ہر دو کی شکل و حالت علیحدہ ہوگئی ہے، اسی طرح لطائفِ عشرہ میں مقاماتِ سابقہ کے طے کرنے سے ایک ہیئت پیدا ہوگئی ہے، وہی موردِ فیض ہے، اس مقام میں اور فوقانی مقامات میں اس کو عروجاتِ کثیرہ ہوں گے، اس مقام کو سابقہ مقامات سے وہی نسبت حاصل ہے جو مغز کو پوست سے ہے۔

اسی طرح پر فوقانی مقام کو تحتانی مقام سے نسبت ہوتی جائے گی، اس مقام میں بعض کو کشفِ اسرار، مقطعاتِ قرآنی اور متشابہاتِ فرقانی حسبِ استعداد منکشف ہوں گے، مگر وہ بیانِ تحریر و تقریر سے بالاتر ہوتے ہیں، اس میں تہلیل لسانی لفظ ”محمد رسول اللہ“ کے ساتھ اور اس کے بعد دُرود شریف کا پڑھنا ترقی بخش ہے۔

فائدہ: ... کمالاتِ اولوالعزم کے بعد مرشدینِ سلوک دو طرف کمال کراتے ہیں، یا تو حقائقِ الہیہ کی طرف جو کہ حقیقتِ قرآن، کعبہ اور صلوة ہیں، یا حقائقِ انبیاء علیہم السلام کی طرف، یعنی حقیقتِ ابراہیمی، موسوی، محمدی اور حقیقتِ احمدی، علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام دائماً ابداً، کی طرف دستگیری کرتے ہیں، اس جگہ حقائقِ الہیہ کا بیان اولاً معروضِ خدمت ہوتا ہے۔

مراقبہ کمالاتِ اولوالعزم:

”فیض می آید از ذاتِ بخت کہ منشاء کمالاتِ اولوالعزم

است مورد فیض ہیئت وحدانی من است۔“

ترجمہ:...” اس ذاتِ مکت سے جو کمالات اولو العزم کا منشا ہے، میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے، (اس نیت سے بطریق مذکور تجلی ذاتی دائمی کا فیض اخذ کرے)۔“

مراقبہ حقیقت کعبہ ربانی:

”فیض می آید از ذاتِ مکت کہ مسجود الیہ جملہ ممکنات است و منشاء فیض حقیقت کعبہ ربانی است مورد فیض ہیئت وحدانی من است۔“

ترجمہ:...” اس ذات واجب الوجود سے جس کو تمام ممکنات سجدہ کرتی ہیں، اور حقیقت کعبہ ربانی کا منشا ہے، میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے، (یہ نیت کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور تمام ممکنات کا مسجود نہ ہونے کا مراقبہ کرے)۔“

حقیقت کعبہ میں حق تعالیٰ سبحانہ کی عظمت و کبریائی کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور سالک کی ہستی اور اس کی وسعت باطن بیش از بیش ہو جاتی ہے، اس مقام میں عظمت و کبریائی اس حد سے ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو اور جمیع کائنات کو اس کے مقابلے میں گم پاتا ہے، اور اس مرتبے میں بے رنگ کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔

مراقبہ حقیقت قرآن مجید:

”فیض می آید از مبدأ وسعت بیچون حضرت ذات است کہ منشاء فیض حقیقت قرآن مجید است مورد فیض ہیئت

وحدانی من است۔“

ترجمہ:...”اس کمال وسعت والی بے مثل و بے چوں
ذات سے جو منشا حقیقت قرآن مجید ہے میری ہیئت وحدانی پر
فیض آرہا ہے۔“

مراقبہ حقیقت قرآن مجید، میں حقیقت کعبہ سے وسعت زائد ہو جاتی ہے،
اس میں حضرت ذات کی وسعت شروع ہو جاتی ہے، یعنی وہ احوال شروع ہو جاتے
ہیں جو وسعت کے مشابہ ہیں، ورنہ اس پر لفظ وسعت کا اطلاق بھی میدان عبارت کی
تنگی سے ہے، یعنی اس مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہے، اس میں حسب استعداد سالک
کلام اللہ کے باطن کا انکشاف اور ظہور ہوتا ہے، اور حروف الہی میں سے ہر حرف کو دریا
کی مانند پاتا ہے، اور ہر حرف میں وہ شان پاتا ہے جو دلہائے عشاق کو شکار کرتا ہے،
اور بے انتہا اسرار آیات ظاہر ہوتے ہیں:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

بماند تشنہ مستقی و دریا ہم چناں باقی

ترجمہ:...”نہ اس کا حسن انتہا رکھتا ہے، اور نہ سعدی کی

بات کو انتہا، مرض جلندر والا پیاسا رہتا ہے، اور دریا اسی طرح

باقی ہے۔“

اس حقیقت میں حقیقت کعبہ نظر آتی ہے۔

مراقبہ حقیقت صلوة:

”فیض می آید از کمال وسعت بے پایاں چون حضرت

ذات کہ منشاء فیض حقیقت قرآن مجید است مورد فیض ہیئت

وحدانی من است۔“

ترجمہ:...” اس کمال وسعت والی بے مثل و بے چوں
ذات سے جو حقیقتِ صلوة کا منشا ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض
آ رہا ہے۔“

حقیقتِ صلوة کے مقام کی بلندی اور اس میں کیفیات و ارادہ کو کس طرح
عرض کیا جائے؟ کہ زبان و قلم ہر دو عاجز ہیں، اس میں حق تعالیٰ کی رُویتِ اُخروی کی
شبیبہ، ”الصَّلوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ“، ”السَّاجِدُ يَسْجُدُ عَلٰی قَدَمِي اللّٰهِ“ اور ارشادِ
الہی: ”وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ“ کے معاملات منکشف ہوتے ہیں:

سر در قدمش بردن ہر بار چہ خوش باشد
رازِ دل خود گفتن با یار چہ خوش باشد

ترجمہ:...” سر اس کے قدموں میں لے جانا، ہر بار کتنا

اچھا لگتا ہے، اپنے دل کا راز یار کو دینا، کتنا اچھا لگتا ہے۔“

اس میں دُرودِ ابراہیمی، ادائے نماز بہ سنن و آداب برائے تحصیلِ حضور و
جمعیتِ صلوة و ظہور نسبتِ فوقانی اور ادائے حروف بہ ترتیل اثرِ عظیم رکھتا ہے۔
(اس جگہ تک سیرِ قدمی ختم ہوئی)

مراقبہِ معبودیتِ صرفہ:

”فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ معبودیتِ صرف است

موردِ فیضِ ہیئتِ وحدانی من۔“

ترجمہ:...” اس ذاتِ محض سے جو معبودیتِ صرفہ کا منشا

ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آ رہا ہے، (اس کو لا تعین بھی کہتے

ہیں)۔“

مراقبہ معبودیت صرف میں عنایت الہی تعالیٰ سے سیر نظری سے مرحمت ہوتی ہے:

”بلا بودے اگر ایں ہم نبودے“

اس مقام میں نظری سیر ترقی بخش ہوتی ہے:

تماشا کناں کوتہ دست

تو درخت بلند و بالائی

ترجمہ:.... ”پست ہاتھ والے تماشا کرنے والے ہیں، تو

بلند و بالا درخت ہے۔“

اس مراقبہ میں کلمہ طیبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ یعنی ”لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ“ جلوہ گر ہوتا

ہے، اس میں سالک شرکت غیر کی حقیقت سے بالکل مبرا ہو جاتا ہے، اور ”إِلَّا اللَّهُ الدِّينُ الْخَالِصُ“ جلوہ گر ہوتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ ابراہیمی:

”فیض می آید از ذاتیکہ منشاء حقیقتِ ابراہیمی است

موردِ فیض بیتِ وحدانی من۔“

ترجمہ:.... ”اس ذات سے جو حقیقتِ ابراہیمی کا منشا

ہے، میری بیتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔“

اب حقائقِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق عرضِ خدمت ہے، جاننا چاہئے کہ

جیسے حقائقِ الہیہ میں ترقی فضلِ الہی پر موقوف ہے، اسی طرح حقائقِ انبیاء علیہم السلام

میں ترقی محبت پر موقوف ہے۔ اس مقام یعنی حقیقتِ ابراہیمی میں انسِ خاص و خلوتِ

خاص حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس سے ظاہر ہوتی ہے، اس مقامِ عالی میں وہ عظمت و

کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو دوسرے مقاماتِ عالیہ میں ظاہر نہیں ہوئی، اس مقام میں محبوبیتِ صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے، جبکہ حقیقتِ محمدی و احمدی میں محبوبیتِ ذاتی جلوہ گر ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسے ذاتِ عالی متعال اپنے آپ کو دوست رکھتی ہے، ایسے ہی اپنی صفات کو بھی دوست رکھتی ہے۔ قسم ثانی کو خلت سے تعبیر کرتے ہیں، اور محبتِ صفاتی محبوبیت کے اسباب و اعراض، خط و خال، قد اور قامت کی مانند ہے، اس مقام میں اتنی بے رنگی نہیں ہوتی جیسے محبوبیتِ ذاتی میں ہوتی، اس مقام میں حضرت ذاتِ تعالیٰ سے اتنا انس پیدا ہوتا ہے کہ کسی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ اسماء و صفات، ملائکہ اور ارواحِ مشائخ وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں، اس مقام میں دُرودِ ابراہیمی ترقی بخش ہوتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ موسوی:

”فیض می آید از ذاتیکہ منشاء حقیقتِ موسوی است

مورد فیض ہیئت وحدانی من۔“

ترجمہ:...” اس ذات سے جو خود اپنا محبت اور حقیقت

موسوی کا منشاء ہے، میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔“

مراقبہ حقیقتِ موسوی سے مراد محبوبیتِ ذاتی ہے، مگر وہ محبت نہیں جو حقیقت

احمدی میں قرار دی گئی ہے، وہ چیزے دیگر ہے، جیسا کہ مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

نے تحقیق فرمائی ہے۔ اس مقام میں دُرودِ شریف: ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَعَلٰی جَمِيعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ خُصُوْصًا عَلٰی كَلِمِكَ

مُؤَسَّسِي“ ترقی بخش ہوتا ہے۔

فائدہ:...” بعض مرشد اس سے آگے حقیقتِ عیسوی بھی تلقین کرتے ہیں، اور

اس میں بہ نسبت حقیقتِ موسوی کے تزیہ کا پر تو زیادہ پڑتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ محمدیؐ:

”فیض می آید از ذاتیکہ منشاء حقیقتِ محمدی است موردِ

فیض ہیئتِ وحدانی من۔“

ترجمہ:...” اس ذات سے جو خود اپنا ہی محبت اور اپنا ہی

محبوب ہے، اور حقیقتِ محمدی کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر

فیض آرہا ہے۔“

حقیقتِ محمدیؐ میں ”مراقبہ ذاتیکہ محبتِ خود محبوبِ خود است“ کیا جاتا ہے، اس

جگہ محبتِ ممتاز جہ یا محبوبیتِ ظاہر ہو جاتی ہے، اور سرورِ دین صلی اللہ علیہ وسلم سے اتحادِ

خاص ظاہر ہوتا ہے، اور تمام کلی و جزئی امور میں حبیبِ خدا تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے

مشابہت و مناسبت اچھی اور محبوب لگتی ہے۔ اس مقام میں دُرود شریف: ”اللَّهُمَّ صَلِّ

عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ أَفْضَلِ صَلَوَاتِكَ عَدَدَ مَعْلُومَاتِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ“ ترقی

بخش ہوتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ احمدیؐ:

”فیض می آید از ذاتیکہ منشاء حقیقتِ احمدی است موردِ

فیض ہیئتِ وحدانی من۔“

ترجمہ:...” اس ذات سے جو اپنا ہی محبوب ہے اور

حقیقتِ احمدیؐ کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا

ہے۔“

حقیقت احمدیٰ میں محبوبیت ذاتی بکمال ہوتی ہے کہ محبوب کی صفاتِ جمیلہ سے قطع نظر کرتے ہوئے محض اس کی ذات کو دوست رکھتا ہے، اس میں محض تعشق (عشق) ذات ہوتا ہے:

شاہد آں نیست کہ موئی و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد
اس مقام میں دُرود شریف سابق ترقی بخش ہوتا ہے۔

مراقبہ حب صرف:

”فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ حب صرف است موردِ
فیضِ وحدانی من۔“

ترجمہ:...”اس ذات سے جو حبِ صرف کا منشاء ہے
میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے (اس جگہ حبِ صرف ذاتی
کے لحاظ سے مراقبہ کریں)۔“

مراقبہ حب صرف میں کمالِ علو اور باطن میں بے رنگی نسبت ظاہر ہوتی ہے،
یہ مرتبہ حضرت اطلاقِ لاتعینِ قریب تر ہے، یہ مقام مخصوصہ پیغمبرِ ما است صلی اللہ علیہ
وسلم، تعینِ اول کہ حضرت لاتعین کو حاصل ہوا ہے تعینِ حب ہے، اس تعینِ اول کو
حقیقتِ محمدی قرار دیتے ہیں، اس کے بعد لاتعین و حضرت اطلاق ہے۔

مراقبہ دائرہ لاتعین:

”فیض می آید از ذاتِ محبت کہ منشاءِ دائرہ لاتعین
است موردِ فیضِ ہیئتِ وحدانی من۔“

ترجمہ: "... اس ذاتِ محت سے جو دائرہ لائین کے

فیض کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔"

کہتے ہیں کہ اس مقامِ لائین کا فیض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

مخصوص ہے، اس کے حالات تقریر و تحریر سے باہر ہیں۔

فائدہ: ... بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ ولایتِ کبریٰ کے محاذ میں دائرہ سیف

قاطع کراتے ہیں، اس میں ایسا ہوتا ہے کہ گویا شمشیر قاطع ہستی سا لک کونست و نابود

کر رہی ہے۔

اسی طرح بعض بزرگانِ عالیٰ دائرہ قیومیت، جو کہ دائرہ کمالات اولوالعزم

سے پیدا ہوتا ہے، کراتے ہیں، اس مقام میں حقیقتِ اشیاء کا جمالِ قیومیت مشہود بحق

سبحانہ ہوتا ہے، اور کائنات کے تمام ذرات میں بجز حقِ حقیقی کے کوئی چیز نہیں رہتی۔

اور بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ حقیقتِ قرآن کے محاذی حقیقتِ صوم کراتے ہیں، اس

میں شان: "الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ" ظاہر ہوتا ہے۔

تمام شد سلوکِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ

(تمت تمام از مقامات احمدیہ منقول است)

الحمد لله تعالى حمداً كثيراً مباركاً فيه ومباركاً عليه

كما يحب ويرضى

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ وازواجہ

واتباعہ اجمعین وبارک وسلم كما هو اہلہ دائماً ابداً

لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم

سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت

استغفرک واتوب الیک

فصل:

توجہ معمولہ حضراتِ نقشبندیہ:

توجہ کے سوا بھی اگرچہ فائدہ ممکن ہے، مگر بلا توجہ فائدے کا واقع ہونا انتہائی

نادر ہے۔

تعریفِ توجہ:

قلب کو کسی طرف اس طرح مجتمع اور یکسو کرنا کہ دوسری چیز کا خطرہ بھی نہ آئے، اس کا نام ہمت ہے، اور اس ہمت سے بڑے بڑے کام بنتے ہیں، آج کل اس کا نام توجہ ہے۔

طریقِ توجہ:

کمالِ رغبت، محبت، نیاز اور دُعا سے اپنے نفسِ ناطقہ کو طالب کے نفسِ ناطقہ سے ملا کر جس حالت کا القا کرنا چاہتا ہے، اس حالت میں یک سو و یک خیال ہو کر کچھ دیر تک متوجہ رہے، اُمید ہے کہ وہ حالت بفضلِ اللہ تعالیٰ طالب کو اپنی استعداد پر نصیب ہو جائے گی۔

شرائطِ توجہ:

صاحبِ توجہ پیشوائے طریقت سے مجاز ہو، متقی اور صاحبِ استقامت اور نفسِ خطرات پر قادر ہو، مخلصاً اللہ دینی فائدہ پہنچانے کا قصد رکھتا ہو، بے طمع توجہ فرمائے، اور اگر اپنی مشہوری، طمع یا خدمت گزاری کے لئے توجہ کرے گا تو ہرگز فائدہ طریقت نہ

پہنچے گا، اگر کچھ فائدہ ہو بھی جائے تو نتیجہ خراب ہوگا، ایسا شخص خائن اور خاسرِ طریقت کہلائے گا، اور یہ اثر استدراج سمجھا جائے گا۔

اور صاحبِ توجہ، شیخِ فانی، کمزور اور بے طاقت نہ ہو، اور ایسی بیماری کا مریض نہ ہو جو اس کے ہر رگ و ریشہ میں اثر کر گئی ہو، کیونکہ بسا اوقات طالب کو یہ بیماری چمٹ جاتی ہے۔ اسی طرح طالب بھی ایسا بیمار نہ ہو، شیخِ طالب^۹ سے متنفر نہ ہو، بلکہ اس سے محبت رکھتا ہو، ایسے ہی حالتِ تشویش اور غصے میں بھی توجہ نہ فرمائے، اسی طرح سیرِ شکیمی یا سخت بھوک کی حالت میں متوجہ نہ ہو، وگرنہ فائدہ کم ہوگا، اور ایسے^{۱۰} طالب کو بھی توجہ نہ فرمائے جو ایک دو نشست کے لئے حاضر ہوا ہے اور طریقہِ علیہ میں داخل نہیں، کیونکہ اگر فائدہ نہ ہوا تو اس سے وہ بے اعتقاد ہوگا اور طریقے کی بدنامی ہوگی، اور وہ اس سے بے خبر کہ یہ بھی اس کے مرشد ہو گئے، اور اگر فائدہ ہو گیا تو پہلے پیشوا سے بداعتقاد ہو جائے گا، اور سب باتوں سے سلوک میں اعتقادِ راسخ رکنِ اعظم ہے۔

اور طالب^{۱۱} کو چاہئے کہ ہمیشہ توجہ لینے کا قصد کرے، فائدہ فوری نظر آئے یا نہ آئے، کم از کم پندرہ نشست بلا ناغہ کا قصد کرے، اور حلقے^{۱۲} میں دوسرے کی طرف نہ دیکھے اور فقط فیض کا منتظر رہے، ذکر^{۱۳} نہ کرے اور امتحان کے لئے نہ آئے، کیونکہ بے ادبی والے سے بعض اوقات ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔

اور مشائخ اور خدام پر لازم ہے کہ توجہ کی ترکیب اور لوازمات خصوصاً غیروں اور حلقہ نشینوں کے سامنے بھی بغیر خاص مصلحت کے بیان نہ فرمائیں، اس سے یا تو فائدہ میں کمی ہوگی یا پھر نقصان ہوگا، اس راز کو پروردگار کی امانت تصور کریں۔

آدابِ توجہ:

بہتر یہ ہے کہ توجہ لیتے وقت طالب کا منہ جنوب کی طرف ہو، جیسے مردہ قبر میں سے اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے، اور شیخ کا شمال کی طرف، اور تمام اعضاء باہم دگر مقابل ہوں، یا شیخ کا منہ قبلہ کی طرف اور طالب کا مشرق کی طرف ہو، اور شیخ ذرا بلند جگہ پر بیٹھے اور طالب کو جس طرح آرام ہو بیٹھے، اور خیال کو پراگندہ کرنے والی تمام مزاحمتوں سے فارغ ہوں، جیسے شور، مکھی، مچھر، سخت گرمی، سردی وغیرہ، اور بے ادب طالب سے بھی توجہ بند کرے۔ (رسالہ توجہ: منشی احمد جان صاحب مرحوم لودیانوی)

فصل:

تعدّ و پیر:

اگر سالک کسی شیخ کی خدمت میں خوش اعتمادی یعنی عقیدت کے ساتھ ایک معتد بہ مدت تک رہا، مگر اس کی صحبت میں اس نے کچھ تاثیر نہ پائی تو وہ دوسری جگہ اپنا مقصود تلاش کرے، کیونکہ مقصود خدا تعالیٰ ہے:

باہر کہ نشستی و نشد جمع دلت
و ز تو نرمید صحبت آب و گلت
زنہار ز صحبتش گریزاں می باش
ورنکند رُوح عزیزاں محلت

ترجمہ: "... جس شخص کے ساتھ تو بیٹھے اور تیرا جمع نہ ہو،

اور تجھ سے پانی اور مٹی کی صحبت زائل نہ ہوئی، اس کی صحبت سے

ضرور بھاگنے والا ہو، ورنہ رُوح عزیزاں معاف نہ کرے گی۔“

لیکن اس کے باوجود بھی شیخِ اول سے بداعتقاد نہ ہو، ممکن ہے کہ وہ کامل مکمل ہو، اور اس کا وہاں حصہ نہ تھا، اسی طرح اگر حصولِ مقصود سے پہلے شیخ کا انتقال ہو جائے یا ملاقات کی اُمید نہ ہو، جب بھی دوسری جگہ تلاش کرے، اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے اور دوسرے شیخ کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ قبر سے فیضِ تعلیم نہیں ہو سکتا، ہاں! البتہ صاحبِ نسبت کو اس کے احوال میں ترقی ہوتی ہے، جبکہ یہ شخص تو ابھی محتاجِ تعلیم ہے، پھر اگر محتاجِ تعلیم کو قبر سے فیضِ تعلیم ہو سکتا تو کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہ ہوتی، کیونکہ کالمیلین بلکہ انبیاء علیہم السلام کی لاکھوں قبریں موجود ہیں۔ اور اگر اس شیخ کی صحبت سے قلب میں کچھ تاثر معلوم ہوتی ہو تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھے اور اس کے عشق کو دل میں مستحکم و محکم کرے، اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے، اور پوری پوری اس کی اطاعت کرے، ایسی کوئی حرکت نہ کرے جو اس کے تکدر کا باعث ہو اس لئے کہ اس سے فیوض بند ہو جاتے ہیں، اور محض ہوسِ ناکی کی وجہ سے کئی کئی جگہ بیعت کرنا بہت بُرا ہے، اس سے بیعت کی برکت جاتی رہتی ہے، اور نسبت کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، اور اگر کسی کا پیر و مرشد کسی وجہ سے ناراض ہو گیا ہے، مگر اس مرید کی حالت میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آیا، تو اس میں سخت ترین اندیشہ ہے، کیونکہ یہ استدراج ہے، اور آخر کار اس کا نتیجہ خراب نکلے گا۔

(تمام اس کا ”تعلیم الدین“ و ”ارشاد الطالبین“ اور کچھ مکاتیبِ مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ سے مأخوذ ہے)

فصل:

نقشبندیہ کے بعض اصطلاحی کلمات

یہ گیارہ کلمات ہیں:

۱:۔۔۔ ہوش دردم:

عبارت ازاں است کہ ہمیشہ ہوشیار و آگاہ بر نفس خود باشد تا دم بغفلت نہ برآید، ایں شغل دفع تفرقہ نفسے است۔

یعنی دونوں سانسوں کی حفاظت کرے، نہ کوئی سانس غفلت سے اندر داخل ہو اور نہ غفلت سے نکلے۔

۲:۔۔۔ نظر بر قدم:

آن ست کہ در آمد و رفت راہ نظر بر پشت پا دارد تا نظر پراگندہ نشود تا بجمعیت اقرب باشد چہ در ابتدا دل تابع نظر است و پریشانی نظر در دل تأثیری کند:

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام

دل ترا می طلبد، دیدہ ترا مے جوید

ترجمہ:۔۔۔ ”میں آنکھ اور دل کو کس چیز میں مشغول

کروں، کہ ہمیشہ دل تجھ کو طلب کرتا ہے، آنکھ تجھے ڈھونڈتی

ہے۔“

وشاید نظر بر قدم اشارت بسرعت سیر سالک بود در قطع مسافت ہستی یعنی نظر

او ہر جا کہ منتہی شود فی الحال قدم براں نہد۔

یعنی چلنے پھرنے میں سالک کی نظر اپنے قدم پر رہے، تاکہ نامناسب پر نظر نہ پڑے، اور مشقت و مختلف خیال نہ آئیں، جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ: راہ سلوک کے مسافر کا ادب یہ ہے کہ اس کی ہمت کا قدم پیچھے نہ پڑے۔

۳: سفر در وطن:

آن است کہ در طبیعت بشری سفر کند یعنی از صفات ذمیمہ بصفت حمیدہ برآید این معنی: "تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ" است۔

یعنی سالک کا سفر وطن میں رہے، یعنی صفات ذمیمہ سے منتقل ہو کر صفات حمیدہ میں آئے، اور بعض نے فرمایا: اپنے ہنر میں عیب دیکھنا سفر در وطن ہے۔

۴: خلوت در انجمن:

آنست کہ بظاہر باخلق و باطن بحت بود:
یعنی سالک کو چاہئے کہ بظاہر خلقت کے ساتھ ہو، مگر باطن میں خالق سے

وابستہ ہو۔

از برون میان بازارم
از دروں خلوتیست بایارم
از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ وش
ایں چنین زیبا صفت کم می بود اندر جہاں

۵: یاد کرد:

عبارت از ذکر لسانی و قلبی است یعنی دُور کردن غفلت بذکر حق تعالی:
یعنی ہمیشہ دل یا زبان سے ذکر کیا کرے، اس لئے کہ ذکر غفلت کے دُور کرنے کا نام ہے، اور ذکر سے مقصد یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کے ساتھ قلب حاضر مع الحق ہو۔

دائم ہر جا بہمہ حال در ہمہ کار
 دار نہفتہ دل جانب یار
 ترجمہ: "... ہمیشہ، ہر جگہ، ہر حال میں تمام کاموں میں
 دل کو جانب یار پوشیدہ رکھ۔"
 چوں حضورد وام پذیرد از تکلف یا دکرد باز زہد و ملکہ گردد کہ بنفی منشی نگرود .
 یادداشت بود:

دارم ہمہ جا بہ ہمہ کس در ہمہ حال
 در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال
 ترجمہ: "... میں رکھتا ہوں ہر جگہ، ہر شخص کے ساتھ تمام
 حال میں دل میں تجھ سے آرزو، اور آنکھ میں خیال۔"

۶: ... بازگشت:

آن ست کہ ہر بارے کہ ذکر بزبان دل کلمہ طیبہ را گوید در عقب آں بدل
 مناجات کند کہ الہی مقصود من توئی و رضائے تو۔
 یعنی جب قلب ذاکر ہو جائے تو کلمہ طیبہ کا ذکر کرے، اور تھوڑی تھوڑی دیر
 کے بعد زبان سے کہے: الہی مقصود من توئی و رضائے تو... الخ، تاکہ ذکر خالص
 ہو جائے اور دل ماسوا اللہ سے فارغ ہو جائے۔

۷: ... نگاہ داشت:

مراد ازاں مراقبہ خاطر است از خطرہ ماسوی اللہ، چنانچہ اگر در یک دم صد
 بار کلمہ طیب را گوید خاطر بغیر نہ رود۔
 یعنی دل کو خطرات سے بچائے، یعنی جب دل میں کلمہ طیبہ کی تکرار کرے تو

اس کی رعایت کرے کہ دل میں کوئی خطرہ نہ آئے، اور کوشش کرے کہ گھڑی، دو گھڑی کوئی خطرہ نہ آئے۔

۸: ... یادداشت:

عبارت از متوجہ بودن بحق تعالیٰ است بہر دم و بہر حال بر سبیل ذوق۔
یعنی حق تعالیٰ کی دائمی حضوری بطور ذوق کے حاصل ہو جائے۔

۹: ... وقوفِ زمانی:

آنست کہ بندہ بہر حال واقفِ احوال خود باشد، اگر بطاعت است شاکر
است و اگر بمعصیت است عذرخواہد۔

یعنی اپنے اوقات کا حساب کرے، اگر اچھے کاموں میں وقت گزرے، تو
شکر کرے، اگر بُرے کام میں گزرے، تو توبہ کرے۔

۱۰: ... وقوفِ عددی:

آں است کہ رعایت عددِ طاقِ درنی و اثبات کند چنان کہ گزشت۔
ذکرِ قلبی میں عدد کی رعایت کرے، یعنی متفرق خطرات نہ آئیں اور جمعیت و
سکونِ خاطر حاصل ہو۔

۱۱: ... وقوفِ قلبی:

آن است کہ ذاکر آگاہ و واقف باشد با حق تعالیٰ بوجہ کہ دل را پیہم علاقہ
بغیر حق نباشد۔

یعنی ہوشیاری اور حضورِ قلب کے ساتھ ذکر ہونا چاہئے، یعنی قلب کو غیر حق
سے کوئی غرض نہ ہو، اور یوں بھی کہ قلب اپنے ذکر سے واقف ہو، یعنی ذکر کے ساتھ

قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو، جس کو مجازاً قلب کہتے ہیں۔
بعض نے کسی کسی لفظ کی اور تفسیر بھی کی ہے، مگر حاصل سب کا قریب قریب
(تعلیم الدین) ہے۔

فصل:

در معارف:

اس میں ہر شخص کا مذاق جداگانہ ہے، مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معارف وہ معتبر ہیں جس کو شریعت رد نہ کرے، اس لئے کہ: ”كُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِيعَةُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ“ مکتوب بست و نہم خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقی قدسنا اللہ تعالیٰ باسراہ میں اس کی بسط و تفصیل سے تقریر موجود ہے، اور ان علوم کی دلیل کشف ہے، اور بس۔

اور قرآن و حدیث میں ان مسائل کا داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں، حسب اختلاف مذاق معارف بے شمار ہیں، مگر اس مقام پر اختصار کے ساتھ بطور نمونہ چند معارف ذکر کئے جاتے ہیں:

وحدة الوجود:

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں، اور مخلوقات کے تمام کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں، ایسے وجود کو اصطلاح میں ظلی وجود کہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ تمام ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں، بلکہ عارضی اور ظلی ہے۔

اب اگر وجود ظلی کا اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا، اور

وجود کو واحد کہا جائے گا، یہ وحدۃ الوجود ہے۔

اور اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے، بالکل معدوم ہی تو نہیں، گو غالبہ نور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے، تو یہ وحدۃ الشہود ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ماہتاب کا نور آفتاب کے نور کا عکس اور اس سے حاصل شدہ ہے، اگر ماہتاب کے ظلی نور کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور ماہتاب کو تاریک کہا جائے گا، یہ وحدۃ الوجود کی مثال ہے، اگر کچھ نہ کچھ اس نور کے وجود کا اعتبار کیا جائے تو نور آفتاب کے ظہور کے وقت وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے گا، اور یہ وحدۃ الشہود کی مثال ہے۔

فائدہ: ... وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی مختصر تشریح ولایت کبریٰ و صغریٰ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اختلاف لفظی ہے، مال و انجام دونوں کا ایک ہی ہے (کذا قال الشیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ، در مکتوب چہل و چہارم جلد دوم)۔ اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہے، اس کو اصطلاح صوفیہ میں عینیت سے تعبیر کرتے ہیں، (اسی مقام سے ”لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ“ وہمہ اوست کے معنی معلوم ہو گئے، جیسا کہ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے)، اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے، یہ تو صریح کفر ہے، (مجدد الف ثانی رحمہ اللہ و مکاتیب عروۃ الوثقی میں اس کی بکثرت تصریح ہے)، چنانچہ وہی محققین صوفیہ اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں، پس عینیت اصطلاحی ہے، نہ کہ لغوی، مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے، لیکن اگر اس سے زیادہ کسی کے منشور یا منظوم کلام میں کچھ پایا جائے، تو وہ حالت سکر کا کلام ہے، جو نہ قابل ملامت ہے اور نہ لائق تقلید و نقل، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

رفت ز مسعود یک جملہ صفات بشر
 او کہ ہمہ ذات بود باز جہاں ذات شد
 ترجمہ:.... ”چلی گئی مسعود سے یکبارگی تمام صفات بشر،
 وہ جو تمام ذات تھی پھر وہی ذات ہو گئی۔“

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب صفحہ: ۹۵ میں یہ شعر لکھ کر فرماتے ہیں:
 ممکن راعین واجب دیدن در شہود سالک است و بس قلب حقیقت محال است:

تو اونشوی ولے اگر جہد کنی
 جائے برسی کہ کز تو توئی برخیزد
 ترجمہ:.... ”تو وہ نہیں ہوگا لیکن اگر کوشش کرے تو ایسی
 جگہ پہنچ جائے گا کہ تجھ سے توئی اٹھ جائے گی۔“

فصل:

تنزلاتِ ستہ:

تنزل ان کی اصطلاح میں ظہور کو کہتے ہیں، نہ کہ آسمان سے زمین پر آنے
 کو، بلکہ یہ مراتب انسان کے اندر آجانے کو کہتے ہیں، اس وجہ سے اس کو جامع کہا
 کرتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مصنوعات سے صانع کا ظہور ہوتا ہے، ورنہ صانع کا کیونکر پتہ
 چلے؟ پھر خود صانع میں ایک ذات کا مرتبہ ہوتا ہے اور ایک صفات کا، پھر صفات میں
 بھی ایک مرتبہ جامعیت اور اجمال کا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ تفصیل کا، اور ہمیشہ ذات کا
 نشان و پتا صفات سے چلتا ہے، اور اجمال کا پتا تفصیل سے، جب یہ سب باتیں سمجھ
 میں آگئیں تو اب سمجھئے کہ مخلوقات سے ہم کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہوا، تو ظہورِ علمی

کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور مخلوقات سے ہوا، پھر اسی قاعدہ مذکورہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفات تفصیلیہ سے صفات اجمالیہ کا اور ان سے ذات کا پتا لگے گا، اس لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا ظہور صفت جامعیت اجمالیہ سے، پھر صفات تفصیلیہ سے ہوا، پھر مخلوقات سے ہوا، اب مخلوقات میں ایک عالم ارواح ہے، ایک عالم اجسام اور چونکہ ان میں بوجہ غایت لطافت و کثافت کے مناسبت ہی نہیں، ان کے تعلق کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کی جس کو دونوں سے مناسبت ہے، اُس کو عالم مثال کہتے ہیں، تو مخلوقات کی ترتیب میں رُوح پہلے ہوئی، لہذا پہلے عالم ارواح، پھر عالم مثال، پھر عالم اجسام، اور عالم اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صفتیں پیدا کر دیں، اس وجہ سے اس کو جامع کہتے ہیں، جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئی صانع کا ظہور بڑھتا گیا، تو اب یوں کہہ سکتے ہیں کہ مرتبہ صفات تفصیلیہ کے ظہور کے بعد صانع کا عالم ارواح سے ظہور ہوا، پھر عالم مثال سے، پھر عالم اجسام سے، پھر انسان سے، پھر ظہور کے دو مرتبے تو صفات میں تھے، اور چار مخلوقات میں، تو یہ چھ ظہور علی الترتیب اعتبار کئے گئے، ان ہی چھ ظہور کو تنزلاتِ ستہ کہتے ہیں، سو یہ تنزلاتِ ستہ، چھ مرتبے ہوئے، اور وجود کے سات مرتبے ہوئے، کیونکہ وجود کا ایک مرتبہ خود ذاتِ حق کو حاصل ہے، سو مرتبہ ذاتِ حق کو ”ہاہوت“ کہتے ہیں، اور مرتبہ صفات اجمالیہ کو ”لاہوت“ اور ”حقیقتِ محمدیہ“، اور مرتبہ صفات تفصیلیہ کو ”جبروت“ اور ”اعیانِ ثابتہ“ اور ”حقیقتِ آدم“ کہتے ہیں، اور عالم ارواح و عالم مثال کو ”ملکوت“ اور عالم اجسام کو ”ناسوت“ اور عالم انسان کو ”مرتبہ جامعہ“ کہتے ہیں۔ یہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں، ورنہ یقینی بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام مخلوقاتِ الہی سے ہیں، نہ کہ صفاتِ الہیہ میں سے، تحقیق مسئلہ کی اسی قدر ہے، اس سے آگے اہل سکر کا غلبہ ہے، جس

میں اُن کی زبان و قلم سے کچھ موہم الفاظ نکلے اور ناواقف لوگ ان اصطلاحات کو لغت سمجھنے لگے۔
(تعلیم الدین)

بداں کہ اجمال و تفصیل کہ دراں مرتبہ علیا اثبات می نمایم نہ آں اجمال و تفصیل است کہ در فہم ما آید و ادراک ما گردد کہ آں موجب تبعیض و تجزی است، تَعَالَى اللّٰهُ عَنِ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا، بلکہ در ذات و صفات بے چگون است ”عَرَفْتُ رَبِّيْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ“ ایں معرفت و راءِ طورِ عقل است اما مؤید بکشفِ صحیح و الہام است۔
(مکتوب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص: ۱۱۹)

فائدہ: ... چون لفظ اجمال و وحدت را در اں حضرت مناسبت زیادہ است از لفظ تفصیل و کثرت چہ لفظ تفصیل و کثرت موہم تبعیض و تجزی است بنا براں اجمال و وحدت را برائے اطلاق براں حریم متعالی اختصار نموده اند و الا اُو تعالیٰ از ایں اجمال و تفصیل کہ مدرک است منزہ و مبرا است۔
(مکتوب)

فصل:

در باب احوال:

حالاتِ رفیعہ بے شمار ہیں، مگر ہم ان میں سے چند مشہور احوال کو بیان کرتے ہیں:

قبض و بسط:

جب سالک کو خوف و رجا بڑھ جاتا ہے، تو قبض و بسط ہوتا ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ خوف و رجا آئندہ کی حالت یاد کر کے ہوتا ہے، اور محبوب کی تجلی جلال یعنی آثارِ عظمت و استغنا کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے، اور

محبوب کی تجلی جمالی یعنی آثار لطف و فضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت و سرور ہونا بسط کہلاتا ہے۔

اُنس و ہیبت:

قبض و بسط میں جب مزید ترقی ہوتی ہے، اُس کو اُنس و ہیبت کہتے ہیں۔

وجد اور اُس کے مراتب:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب پر جو کیفیت وارد ہو اور اس کو اُس کی حالت سے بدل ڈالے، جیسا کہ حزن و سرور، یہ وجد کہلاتا ہے، اگر یہ چیز صاحب وجد کو بے خود کر دے تو اس کو وجود کہتے ہیں، اور اگر خود تغیر نہ ہو، مگر تغیر پیدا کرنے کا قصد کرے، تو اُس کو تواجِد کہتے ہیں۔

اس کے مراتب کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے تصور، پھر ورود، پھر شہود، پھر وجود، پھر خمود ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کسی دریا پر آنے کا ارادہ رکھتا ہو، یہ تصور ہے، پھر اس پر آپہنچا، یہ ورود ہے، پھر اس کو دیکھا، یہ شہود ہے، پھر سوار ہوا، یہ وجود ہے، پھر اس میں ڈوب گیا اور مر گیا یہ خمود ہے، البتہ اگر تواجِد بقصدِ ریا ہو تو گناہ ہے، پھر وجد میں جب زیادہ غلبہ ہوتا ہے تو اس کو استغراق کہتے ہیں۔ (حقیقۃ الطریقتہ ص: ۸۵)

فرق، جمع اور جمع الجمع:

مخلوق کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فاعل اور صفات کے ساتھ موصوف فرمایا ہے، فرق کہلاتا ہے۔

یہ سمجھنا کہ ان میں کوئی صفت نہیں ہے، بلکہ حقیقتاً فاعل اور موصوف ذاتِ حق ہے، اور سبب اس کا پر تو ہے، تو یہ جمع ہے۔

بالکل مخلوق پر نظر ہی نہ رہے، یہ جمع الجمع ہے۔

اس میں ایک اصطلاح اور بھی ہے، وہ یہ کہ: ممکنات کو فاعل و موصوف سمجھنا فرق ہے، اور صرف ذاتِ حق پر نظر ہونا جمع ہے، اور مخلوق کو صفاتِ حق کا آئینہ سمجھنا جمع الجمع ہے۔

تمکین و تلوین:

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا، مثلاً: کبھی قبض، کبھی بسط، کبھی سُکر اور کبھی صحو ہو، تو یہ تلوین ہے، اور اطمینان و وصولِ تام کی وجہ سے قلب کی حالت کا یکساں ہونا تمکین ہے، تلوین والا پہچانا جاتا ہے، جبکہ صاحبِ تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے، اور وہ مشکل سے ہی پہچانا جاتا ہے، کیونکہ عوام کی طرح دُنیاوی اور دینی معاملات میں مشغول ہوتا ہے، مگر وہ واصل اور حقیقت شناس ہوتا ہے، اور صاحبِ تلوین ابھی راہ میں ہوتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

فنا و بقا:

اگر سالک کی صفاتِ ذمیمہ (جس قدر بھی ہیں) سب مبدل بہ صفاتِ حمیدہ ہو جائیں تو اس کو اصطلاح میں فنائے حسی اور واقعی کہتے ہیں، اور صفاتِ حمیدہ پیدا ہو جانے کو بقا کہتے ہیں۔

فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ سالک غلبہٴ شہود ذات و صفات کی وجہ سے اپنی ہستی سے بے التفات ہو جائے، یا اپنی ہستی کو لاشے خیال کرے تو ایسی فنا کو فنائے علمی کہتے ہیں، نہ کہ فنائے واقعی و حسی، جیسے کوئی غریب سا آدمی کسی شاہی دربار میں دفعۃً پہنچ جائے، تو بعض اوقات ہیبت کے مارے اُسے اپنی پرانی کسی کی کچھ بھی خبر نہیں رہتی، جبکہ واقع میں وہاں سب موجود ہوتے ہیں۔

پھر بعض اوقات اس فنا کا بھی علم نہیں ہوتا، جیسے سوتے میں اکثر اوقات

سونے والے کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ میں سو رہا ہوں، اس کو فناء الفنا کہتے ہیں۔ اور بعض کی اصطلاح میں فناء الفنا کو بقا کہتے ہیں، یعنی وہ بے خودی جو کہ فنا کہلاتی تھی وہ بھی جاتی رہی اور یہ شخص افاقے میں آ گیا، اس لئے اس کو فناء الفنا کہا جاتا ہے، اور اس کے بعد جو کیفیت حاصل ہو، اُس کو بقاء البقا کہتے ہیں، اور سیرالی اللہ، جس سے مراد انقطاعِ ماسوی اللہ ہے، یہاں ختم ہو جاتی ہے اور فنائے صفاتِ بشریہ کو قربِ نوافل اور فنائے ذات کو قربِ فرائض بھی کہتے ہیں۔

(آئینہ تربیت، تعلیم الدین)

مگر فنا اور عدم میں فرق یہ ہے کہ فنا میں عارف پر ہستی مطلوب کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ واضح طور پر اپنے اوصاف و اخلاق کو مطلوب کے اوصاف و اخلاق کا پرتو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، یہاں تک کہ تمام چیزوں سے خالی ہو جاتا ہے، جبکہ عدم میں اپنے اوصاف و اخلاق کو گم پاتا ہے، پس عدم میں اوصاف کا استتار ہے، مگر فنائے اوصاف نہیں ہوتا، اور فنائے حقیقی میں جو کہ عنایتِ ازلی کے سوا دُشوار ہے، اوصاف مستتر اور پردہ میں نہیں، بلکہ زائد شدہ اور منتفی ہوتی ہیں۔

(کذافی مکتوبات خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ)

غیبت و حضور:

اگر قلب پر کوئی وارد قوی آیا، مثلاً: صفاتِ خداوندی کا غلبہ ہو یا کچھ ثواب و عذاب یاد آیا، اور اُس کے غلبہ سے حواس اس قدر معطل ہو گئے کہ ادھر ادھر کی خبر نہ رہی، تو یہ غیبت ہے، یعنی خلق سے، اور جب ہوش آ گیا، تو یہ حضور ہو گیا، اور کبھی اس غیبت کو حضور کہتے ہیں، یعنی حضورِ بحق، کبھی حضور کی جگہ شہود بولتے ہیں، اس کے معنی بھی حضور کے ہیں، سو جو چیز قلب میں حاضر ہوگی وہ شاہد اور مشہود ہے، لیکن

اکثر صوفیہ لفظ مشہود سے مشہودِ حق مراد لیتے ہیں، اور لفظ شواہد سے مخلوق مراد لیتے ہیں، پس غیبت کی دو قسمیں نکلیں، ایک: غیبتِ محمود، اگر خلق کی طرف سے ہو اور ایک: مذموم، اگر حق کی طرف سے ہو، اسی طرح حضور کو بھی سمجھ لو۔

سُکر و صحو:

انوارِ غیب کے غلبہ سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سُکر ہے، اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے، غرض سُکرِ غیبت سے بڑھا ہوا ہے۔

محو و اثبات:

اس کے معنی بھی قریب قریب فنا و بقا کے ہیں، اور اس کی بھی وہی قسمیں ہیں، مگر محو کے معنی میں دوسرے چند الفاظ بھی مستعمل ہیں: محق، سَحَق، طَمَس، اور اگر ان الفاظ میں فرق کیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں، مثلاً: محوصفات کو محق، فناءِ ذات کو سَحَق اور صفاتِ ذات کے آثار محو ہو جانے کو طَمَس کہیں۔

تجلی و استتار:

تجلی: ظہور کو کہتے ہیں، اور استتار: پوشیدہ ہونے کو، پھر تجلی کی کئی قسمیں ہیں، ہر ایک کے جدا آثار ہیں۔

۱:۔۔۔ ایک تجلی ذاتی ہوتی ہے، اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر سالک کے وجودِ عنصری کی صفات و آثار کچھ باقی ہوں تب تو وہ بے ہوش ہو جاتا ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام تجلی کے وقت بے ہوش ہو گئے تھے، اگر آثار باقی نہ ہوں تو وہ مشاہدہ کر سکتا ہے، چنانچہ موت سے پہلے یہ خلعتِ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئی اور موت کے بعد تو سب مؤمنین کو جنت میں یہ حاصل ہوگی، چنانچہ سب کو دیدار ہوگا۔

۲:۔۔۔ دوسری تجلی صفاتی ہوتی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ اگر صفاتِ جلالی

تجلی کریں تو سالک پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے، اور اگر صفاتِ جمالی تجلی کریں تو سالک کو سرور و انس ہوتا ہے۔

۳: ... تیسری تجلی افعالی ہوتی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر کسی کی مدح، ذم، نفع و ضرر اور رد و قبول پر نہیں رہتی۔

چنانچہ مصباح الہدایۃ ترجمہ عوارف میں ہے کہ:

”اول تجلی کہ بر سالک آید در مقامات سلوک تجلی

افعالی است و آن گاہ تجلی صفات و بعد ازاں تجلی ذات زیرا کہ

افعال آثار صفات است و صفات مندرج در تحت ذات، پس

افعال مخلوق نزدیک تر از صفات بود و صفات نزدیک تر از

ذات۔“ (ص: ۱۰۰)

فائدہ: ... بداں کہ ہر گاہ حق سبحانہ بافعال خود متجلی شود افعالِ خلق در آں مستتر

گردد، و ہر گاہ کہ بذات متجلی شود، ذات و صفات و افعالِ خلق در آں مستتر گردد۔ (مصباح)

محاضرہ: تجلی افعال کو کہتے ہیں۔

مکاشفہ: تجلی صفات کو۔

مشاہدہ: تجلی ذات کو کہتے ہیں۔

پھر محاضرہ: قلب سے ہوتا ہے، مکاشفہ: سر سے اور مشاہدہ: رُوح سے۔

من جملہ احوالِ رفیعہ کے سچا خواب بھی ہے، یعنی ایسا خواب کہ جس میں

انبیاء علیہم السلام یا فرشتوں کی زیارت ہو، یا جنت اور دُوسرے مقاماتِ متبرکہ کی

زیارت ہو۔

کشف کا ہونا، دُعا کا قبول ہونا یا قصد کے موافق کام کا بن جانا کرامت

کہلاتا ہے، اور کرامت کی تعریف یہ ہے کہ متبعِ شریعت سے کوئی چیز خلافِ عادت

ظاہر ہو، اگر بلا اتباع شریعت کوئی خلافِ عادت امر ظاہر ہو جائے تو وہ یا تو سحر ہوگا یا شعبدہ یا پھر شمرہ ریاضت۔ جو کہ اکثر جوگیوں کو بھی حاصل ہوتا ہے یا پھر استدرج ہوگا جیسا کہ دجال کے لئے ہوگا۔ (کلمہ من تعلیم الدین ناقلاً عن رسالہ قشیریہ وجواہر غیبی وغیرہ)

فصل:

در اصطلاحات:

ذیل میں صوفیہ کی چند مشہور اصطلاحات کا بطور نمونہ بیان کیا جاتا ہے:

ملا متی و قلندر:

قلندر: وہ ہے جو ضروری عبادت تو کرے، مگر باقی اوقات ذکر و فکر میں گزار دے، اور ملا متی وہ ہے جو تمام فرائض اور نوافل کا پابند ہوتا ہے، مگر لوگوں کی نظر سے اپنی اس اچھی حالت کو مخفی رکھتا ہے، چنانچہ بعض لوگ ان کے ساتھ جھوٹی مشابہت کرنا چاہتے ہیں تو تمام ترفسق و فجور میں مبالغہ و اصرار کر کے کہتے ہیں کہ: ہمارا مقصود یہ ہے کہ لوگوں میں قدر نہ رہے اور دوسری طرف طاعت و بندگی کی کوتاہی پر یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری اطاعت کی کیا پروا ہے؟ نعوذ باللہ! مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ: ۶۶ میں عوارف سے نقل کیا ہے کہ: ایسے لوگ زندیق اور ملحد ہیں۔

مجذوب سالک:

مجذوب سالک کا معنی گزر چکا ہے، اسی طرح حال اور مقام کا بھی ذکر آچکا۔

اتصال:

ماسوی اللہ سے منقطع ہونے کو حق کے ساتھ اتصال کہتے ہیں، کیونکہ ذات کا

ذات سے اتصال نہیں ہوتا، اس لئے حق تعالیٰ کی شان میں اس اتصال کا اعتقاد رکھنا کفر ہے، جیسا کہ بعض جہلا سمجھتے ہیں کہ قطرہ سمندر میں مل گیا، اس اتصال کی حقیقت کو مولانا روم فرماتے ہیں:

اتصالے بے تکلیف بے قیاس

ہست رب الناس را باجانِ ناس

جبکہ قطرے کا سمندر میں اتصال تو بے تکلیف نہیں ہوتا، لہذا اس شعر سے اس جہل کی تردید ہوتی ہے، مکاتیب عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ: ۳۹، ۴۳، ۴۷ وغیرہ میں بھی بہت سی جگہ اس جہل کی تردید موجود ہے۔

وقت و نفس:

بندے پر جو حال غالب ہو، جیسے: حزن و ملال اور فرح و سرور وغیرہ، اس کو وقت کہتے ہیں، اور یہ سالک و غیر سالک دونوں کو پیش آتا ہے، وقت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ غیب سے کوئی ایسا حال غالب ہو کہ سالک کو اپنی حالت سے باہر کر دے، یہ سالک کے ساتھ مخصوص ہے، ”الصوفی ابن الوقت“ کے یہی معنی ہیں، اگر یہ حالت دائم ہے تو نفس کہتے ہیں۔

تجرید و تفرید:

دُنیوی و اُخروی اغراض کو ترک کر دینا تجرید ہے، اور کسی چیز کی اپنی طرف نسبت نہ کرنا تفرید ہے۔

حریت:

یعنی آزادی میں، اپنے نفس کی بندگی اور اطاعت سے نکل جانا، حریت اور آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی بندگی اور احکامِ شرع سے باہر ہو جائے، کیونکہ یہ تو

عین گرفتاری ہے، بہر حال احکام شرع ہوش میں کبھی بھی معاف نہیں ہوتے، البتہ پہلے اطاعت میں جو دشواری ہوتی تھی، حریت کے بعد اب آسانی سے ہونے لگتی ہے، لہذا تکلیف تو ساقط نہیں ہوتی، البتہ کلفتِ تکلیف ساقط ہو جاتی ہے:

ازاں روز کہ در بند تو ام آزادم

بادشاہم کہ بدست تو اسیر افتادم

ترجمہ: "... اس دن سے کہ تیرے خیال میں ہوں،

آزاد ہوں، بادشاہ ہوں میں کہ تیرے ہاتھ میں قیدی ہوا ہوں۔"

قرب و بُعد:

قرب الہی کی تین قسمیں ہیں:

ایک قرب عام و ضروری ہوتا ہے: یہ وہ قرب ہے جو علم و قدرت کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہیں اور سب پر قادر ہیں۔
دوسرا قرب ممکن و خاص: یہ وہ قرب ہے جو فضل و لطف کے ساتھ ہوتا ہے، جس کو چاہیں اپنے لطف و فضل کا مورد بنا دیں۔

تیسرا قرب محال: یہ وہ ہے کہ ذات کا ذات سے مل جانا، پھر ہر قرب کے مقابل بُعد کے معنی بھی جدا ہوں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب چہل و چہارم جلد دوم میں تیسری قسم کو کفر و الحاد فرمایا ہے۔

خاطر و اقسام:

قلب پر جو خیال وارد ہوتا ہے، وہ خاطر ہے، پھر اُس کی چار قسمیں ہیں:
ایک اللہ کی طرف سے، اُس کو خاطرِ حق کہتے ہیں۔
دوسرا فرشتہ کی طرف سے، اس کو الہام کہتے ہیں۔

تیسرا نفس کی طرف سے، اس کو ہوا جس کہتے ہیں۔
چوتھا شیطان کی طرف سے، اس کو وسواس کہتے ہیں۔
ان کی پہچان یہ ہے کہ اگر اچھی بات دل میں آئے اور اس کے خلاف پر
عمل کر سکے تو الہام ہے۔

اگر خلاف پر عمل نہ کر سکے تو خاطر حق ہے۔
اگر بُری بات دل میں آئے تو اگر صفاتِ نفس، مثلاً: شہوت، غضب اور تکبر
وغیرہ کی طرف رغبت ہوتی ہو، تو ہوا جس ہے۔

اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہو، تو وسواس ہے۔
بعض نے اس کا دوسری طرح فرق بیان کیا ہے۔ پھر کبھی نفس اور شیطان
کی طرف سے بھی اچھی بات دل میں آجاتی ہے، مگر اس میں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اس
کے ذریعے کسی بڑی نیکی سے محروم کرانا ہوتا ہے، جیسے خشوع کی تحصیل کے لئے علیحدہ
نماز پڑھنے کا خیال، جماعت سے محروم کرنے کے لئے ہوتا ہے، یا گناہ میں ڈالنا
مقصود ہوتا ہے، اسی طرح خلوت کی نیت کے ذریعے تکبر اور عجب کا خیال دل میں
ڈالنا مقصود ہوتا ہے، اس کی زیادہ تحقیق ”سراج السالکین“ میں مذکور ہے۔

وارد:

وارد: خاطر کی نسبت عام ہوتا ہے، کیونکہ خاطر تو کلامِ نفس یعنی دل کے
خیال کا نام ہے، اور وارد اس سے عام ہے جو جمیع کیفیات کو شامل ہے، جیسے: حزن و
سرور، قبض و بسط وغیرہ۔

شاہد:

جو چیز قلب پر غالب ہو، وہ شاہد ہے، بعض حضرات کا قول ہے کہ صاحب

جمال شاہد ہے، چنانچہ اگر اس کے رُوبرو آجانے سے صوفی کے قلب میں کچھ تغیر پیدا ہو تو حیاتِ نفس کی علامت ہے، اور اگر تغیر پیدا نہ ہو تو فنائے نفس کی علامت ہے، گویا وہ صاحبِ جمال اس کے دل کا شاہد ہے۔

شطح:

غیر اختیاری حالت میں، غلبہٴ وارد کی وجہ سے، ظاہری قواعد کے خلاف جو بات منہ سے نکل جائے، وہ شطح ہے، اس شخص پر نہ گناہ ہے اور نہ اس کی تقلید جائز ہے۔

تمثل:

کوئی ذات اپنی حالت و صفت کی بقا کے باوجود کسی دوسری صفت میں ظہور کرے، اُس دوسری صفت کو صورتِ مثالی کہیں گے، جیسے جبریل علیہ السلام صورتِ بشریہ میں متمثل ہوتے تھے، اس کا یہ معنی نہ تھا کہ وہ فرشتے سے آدمی بن گئے تھے، اگر وہ فرشتے سے آدمی بن جاتے تو وہ تمثل نہ ہوتا، بلکہ استحالہ و انقلاب ہوتا۔

خواب و مکاشفہ میں اللہ تعالیٰ کو صورتِ مثالیہ میں دیکھ سکتے ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی تجلیِ مثالی میں نورِ الہی کو دیکھا تھا، انہوں نے ذاتِ خداوندی کو نہیں دیکھا تھا، ورنہ طالبِ دیدار نہ ہوتے، پس اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" مگر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی ہے، کیونکہ جن دو چیزوں میں کچھ صفات مشترک ہوں، اُن میں ایک کو دوسرے کی مثال کہتے ہیں، مثلاً: حسین آدمی کو چاند سے تشبیہ دیں، تو وہ آدمی چاند نہیں بن جاتا، مگر صفتِ حسن میں اشتراک ہونے سے چاند کو آدمی کی مثال کہیں گے، اور اُس کی شناخت سے حسنِ انسانی کی کسی قدر شناخت ہو جائے گی، گو کامل شناخت نہ ہو۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لو! اس میں غور نہ کر کے مثال کو حقیقت سمجھ لینے سے کفر و الحاد لازم آجاتا ہے۔

خلع:

کوئی رُوح اپنی حیات کی حالت کو چھوڑ کر دوسرے مردہ بدن میں چلی جائے، اس کو خلع کہتے ہیں اور یہ بات ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

بروز:

کوئی رُوح، کسی زندہ انسان کے بدن میں تصرف کرے، اور جن و شیطان کے تصرف سے ایسا ہونا تو معمولی بات ہے، چنانچہ جب کوئی جن یا شیطان کسی انسان میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ انسان اس جن و شیطان کی بولی بولتا ہے اور اس میں اس طرح کی طاقت آ جاتی ہے۔ مگر کبھی انسان سے بھی بطور خرق عادت ایسا واقعہ ہو جاتا ہے، یعنی ناقص کی تکمیل کے لئے زندہ انسان کا دوسرے زندہ میں بروز کرنا بطور خرق عادت ہو سکتا ہے۔

تنبیہ:.... ہنود جس تناخ یعنی آواگون کے قائل ہیں، وہ اہل حق کے نزدیک باطل ہے، امور مذکورہ کے جواز سے کسی کو تناخ کا دھوکا نہ ہونا چاہئے، تناخ اور تمشل، خلع اور بروز میں صریح فرق ہے، تمشل میں ذات کا اپنی کسی حالت سے انتقال ہی نہیں ہوتا، جبکہ تناخ میں رُوح کے منتقل ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے، جس سے فرق ظاہر ہے۔

اور خلع بدن جو رُوح دوسرے بدن میں آگئی ہے، اس کی ابھی موت نہیں آئی تھی، جبکہ تناخ مرنے کے بعد قرار دیا گیا ہے۔

اور بروز میں جس بدن میں رُوح نے اثر کیا ہے، اُس میں پہلے سے بھی رُوح موجود ہے، بخلاف تناخ کے کہ یہی رُوح اس بدن میں آتی ہے، ان فرقوں کو خوب سمجھ لو! (کذا فی تعلیم الدین و مکتوب پنجاہ و ہشتم مجدہ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ج: ۲ ص: ۱۱۵)

فارسی کے بعض اصطلاحی الفاظ:

بت کدہ، بت خانہ، شراب، دیر، خرابات و عالم معنی باطن عارفِ کامل را گویند۔

پیرِ مغال: پیرِ خرابات و خمار اور بادہ فروش، مرشد را گویند۔
ترسا: مردِ رُوحانی را گویند کہ از صفاتِ ذمیمہ و نفسِ امارہ خلاص یافتہ و موصوفِ بصفاتِ حمیدہ شدہ باشد۔

ترسا بچہ: وارداتِ غیبی را گویند کہ از عالمِ غیب در دلِ سالک فرود آید۔
گبر و کافر: کسے کہ یک رنگ در وحدت شدہ و رُوئے از ماسوائے اللہ تعالیٰ برتافتہ باشد۔

می: ذوق را گویند کہ از دلِ سالک سرزند و او را خوش وقت گرداند۔

ساغر و پیمانہ: کسے کہ مشاہدہ انوارِ غیبی و ادراکِ مقامات کند۔

زنار: علامتِ یک رنگی و یک جہت شدن را گویند۔

یار و دلبر و محبوب و صنم و دوست: تجلیِ صفات را گویند۔

غمزہ و بوسہ و فیض: جذبہٗ باطن را گویند۔

چشم و ابرو و جمال: کلام و الہامِ غیبی را گویند۔

لب و دہان: صفتِ حیات را گویند۔

ساقی و مطرب: فیض رسانندگانِ معنی را گویند۔

شراب و بادہ: بمعنی حال ہم آید (کذافی مصباح الہدایۃ)۔

می رعلل: خون عاشقان کہ از راه دیدہ در جام کنارش ریزند۔

مستی: فرو گرفتن با جمیع صفات۔

مست و خراب: استغراق را گویند۔

مست و شیدا: اہل حزن و ذوق را گویند۔

اقامت: غلبہ عشق را گویند۔

رجعت: از مقام وصول بقبر بہ طریق انقطاع را گویند۔

قلاشی: معاشرت و مباشرت اعمال را گویند۔

اوباش: آنکہ غم ثواب و عقاب نکند۔

قلندر و قلّاش: اہل صفا و اہل ترک و اہل فنا را گویند۔

شمع: نور اللہ را گویند۔

کباب: پرورش دل در تجلیات حق را گویند۔

صبوحی: محادثہ را گویند۔

صبح: طلوع احوال و اوقات و اعمال را گویند۔

بامداد مقام بازگشت: اوقات و احوال را گویند۔

کفر: تاریکی را گویند۔

بت و شاہد: معانی مقصود را گویند۔

کشف و شہود: مرتبہ عین اللہ را گویند۔

چلیپا: عالم طبائع را گویند۔

دیر: عالم انسانی را گویند۔

کلیدسا: عالم حیوانی را گویند۔

طاعات: معارف را گویند۔

جفا: پوشانیدن دل سالک از مشاہدہ۔

جور: بازداشتن سالک از سلوک عروج۔

خشم: ظہور صفات قہر را گویند۔

دلدار: صفت باسطی را گویند۔

دلبر: صفت قابضی را گویند۔

زلف: غیب ہویت را گویند۔

گیسو: ظاہر طالب را گویند۔

میخانہ: لاهوت را گویند۔

بادہ: عشق را گویند۔

وصل: عبارت است از نسیان خود بشہود و نور وجود حق تعالی۔

وفا: عنایت ازلی را گویند۔

نغمگساری: صفت رحمانی را گویند۔

تفرد: عبارت است از تنها کردن سر از جمیع ماسوی اللہ تعالی۔

اتحاد: عبارت است از استغراق در ہستی حضرت سبحانہ و تعالی۔

شقاوت: عبارت است از حق تعالی باز ماندن۔

سعادت: عبارت از غیر اخلاص شدن برائے دیدن حق تعالی۔

(تعلیم الدین ناقلاً عن جواہر غیبی)

تصویرِ شیخ

اس کو برزخ، رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں، اس کے یہ معنی تو آج تک کسی محقق نے بیان نہیں فرمائے کہ خدا تعالیٰ کو پیر کی شکل میں سمجھے، یہ تو محض باطل ہے، کتب فنِ تصوّف میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصوّر کرنے سے اُس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور نسبت قوی ہوتی ہے، اور نسبت کی قوت سے طرح طرح کی برکات ہوتی ہیں۔

اور بعض محققین نے تصوّرِ شیخ میں صرف یہ فائدہ بیان فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے، اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں، چنانچہ حضرت کلیم اللہ صاحبِ قدس سرہ نے کشکول میں یہی حکمت بیان فرمائی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

”ہر چند برزخ لطیف تر بود کارِ نیکو نیکو بود، ہر چند

کثیف بود و از صور مرئی بود کارِ زبوں تر بود۔“

بہر حال اس میں جو کچھ حکمت و فائدہ ہو، راقم (یعنی مولانا اشرف علی مدظلہ) کا تجربہ یہی ہے کہ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے مگر عوام کے لئے سخت مضر ہے کہ اس سے صورت پرستی کی نوبت آ جاتی ہے، اسی واسطے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محققین نے عوام اور انبیاء کے لئے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو، اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچنا چاہئے اور خواص بھی اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں، اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا دستگیر نہ سمجھ لیں، کیونکہ کثرتِ تصوّر سے کبھی صورتِ مثالیہ رُو برو حاضر ہو جاتی ہے، کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے، اور کبھی کوئی لطیفہٴ نبوی اس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے، اور شیخ کو اکثر

اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی، اس مقام پر اکثر ناواقفوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔

(تعلیم الدین)

اور شیخ کے ساتھ اس طور رابطہ کیا جائے تو افضل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فیض یعنی رحمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ہوتے ہوئے مرشد کے سینے سے میرے سینے میں آرہی ہے، جیسے بارش چھت پر برسی ہے اور پرنا لے سے ہوتی ہوئی زمین پر گرتی ہے (اس سے تصویر شیخ پر جو اشکال وارد ہوتے ہیں، نہیں ہوں گے)۔

فصل:

حجاب کی اقسام اور وقوفِ سالک:

فوائد الفوائد یعنی جواہرِ غیبی میں ہے کہ:

سالک وہ ہے جو راہ چلے، اور واقف وہ ہے جو بیچ میں اٹک جائے، پس اگر سالک سے عبادت میں کوتاہی ہو جائے، اگر وہ جلد ہی توبہ و استغفار کر کے پھر بدستور سرگرم ہو گیا تو دوبارہ سالک بن جائے گا، اور اگر خدا نخواستہ وہی غفلت رہی تو اندیشہ ہے کہ کہیں راجع، یعنی واپس نہ ہو جائے، اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں:

۱... اعراض - ۲... حجاب - ۳... تفاسل - ۴... سلب مزید۔

۵... سلب قدیم - ۶... تسلی - ۷... عداوت۔

شروع میں اعراض ہوتا ہے، اگر معذرت و توبہ نہ کی تو حجاب ہو جائے گا، اگر پھر بھی اصرار رہا تو تفاسل ہو جائے گا، اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ذوق و شوق کی ایک زائد کیفیت تھی وہ سلب ہو جائے گی، اور یہ سلب مزید ہے، اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو زیادتی (تقصیر) سے پہلے عبادت میں جو راحت

وحلاوت تھی وہ بھی سلب ہو جائے گی، اس کو سلب قدیم کہتے ہیں، اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارا کرنے لگے گا، یہ تسلی ہے، اگر اب بھی وہ غفلت میں رہے تو محبت عداوت میں بدل جائے گی، نعوذ باللہ منها! (تعلیم الدین وغیرہ)

فصل:

در اقسام اولیاء

تعلیم الدین میں بحوالہ انوار العارفين مذکور ہے کہ: اس باب میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں:

- ۱: ...اقطاب - ۲: ...غوث - ۳: ...امامین - ۴: ...اوتاد -
- ۵: ...ابدال - ۶: ...اخیار - ۷: ...ابرار - ۸: ...نقباء -
- ۹: ...نجباء - ۱۰: ...عمد - ۱۱: ...مکتومان - ۱۲: ...مفردان -

قطب العالم: ایک ہوتا ہے۔ اس کو قطب العالم، قطب اکبر، قطب الارشاد، قطب الاقطاب اور قطب المدار بھی کہتے ہیں، اور عالم غیب میں اُس کا نام ”عبداللہ“ ہوتا ہے، اُس کے دو وزیر ہوتے ہیں، جو امامین کہلاتے ہیں، وزیر یمن کا نام ”عبدالملک“، وزیر یسار کا نام ”عبدالرب“ ہوتا ہے، اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں، سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں، ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں، اور پانچ یمن میں، ان کو قطب ولایت کہتے ہیں، یہ عدد تو اقطاب معینہ کا ہے، اور غیر معین ہر قریہ اور ہر شہر میں ایک ایک قطب ہوتا ہے۔

غوث: ایک ہوتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ وہ اور ہوتا ہے، اور وہ مکہ میں رہتا ہے، بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے، اوتاد چار ہوتے ہیں، عالم کے چار رکن (کونوں) میں رہتے ہیں۔

ابدال: چالیس ہوتے ہیں، بائیس یا بارہ شام میں، اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔

اخیار: پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں، اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں ہوتا، وہ سیاح ہوتے ہیں، ان کا نام ”حسین“ ہوتا ہے۔

ابرار: اور اکثر نے ان کو ہی ابدال کہا ہے۔

لقباء: تین سو ہوتے ہیں، ملک مغرب میں رہتے ہیں، سب کا نام ”حسن“ ہے۔

عمد: چار ہوتے ہیں، زمین کے چار گوشوں میں رہتے ہیں، سب کا نام ”محمد“

ہوتا ہے۔

غوث: ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے، اور فرد ترقی کر کے قطب وحدت ہو جاتا

ہے، اور مکتوم تو مکتوم ہی ہیں۔

فصل:

اصلاح اغلاط میں:

بعض کہتے ہیں کہ فقیری میں اتباع شریعت کی ضرورت نہیں، فتوحات میں

ہے: ”حقیقة علی خلاف الشریعة زندقة باطلہ“ یعنی جو حقیقت شریعت کے خلاف

ہو، بددینی اور مردود ہے۔

اسی طرح مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے مکتوبات میں، دلیل العارفین

ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، قوت القلوب ابوطالب

مکی، رسالہ قشیریہ میں ذوالنون مصری اور سری سقطی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم سے اسی طرح

منقول ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عشق مجازی کے سوا عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا، اول تو یہ

قاعدہ کلیہ نہیں، دوسرے یہ کہ حلال موقع پر بھی تو عشق مجازی ہو سکتا ہے، بہر حال اس قاعدہ میں نکتہ یہ ہے کہ عشق مجازی سے دل کے متفرق تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں، اور نفس ذلیل ہو جاتا ہے، پھر صرف ایک بلا کو دفع کرنا رہ جاتا ہے، لہذا صرف اُس کے دفع کرنے سے ہی کام بن جاتا ہے، تو اس عشق مجازی کے لئے اپنی اولاد، بیوی، گائے، بھینس اور دوسری چیزیں بھی تو ہیں، غیر عورت یا بے ریش مرد کی کیا تخصیص ہے؟ تاہم اگر اتفاقاً کہیں دل پھنس ہی جائے تو اس پل سے جلدی گزرے ورنہ تمام عمر اس میں مبتلا رہے گا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولے باید کہ در صورت نمائی

وزیں پل زود خود را بگزرانی

ترجمہ: "... اور لیکن چاہئے کہ ایک صورت میں نہ رہے

تو، اور اس پل سے جلدی اپنے کو گزارے تو۔"

یہاں تو ہر روز نیا معشوق تجویز ہوتا ہے، بقول شاعر:

زن نو کن اے یار در ہر بہار

کہ تقویم پارینہ ناید بکار

ترجمہ: "... نئی عورت کر اے یار ہر بہار میں، کیونکہ

بوسیدہ جنتری کام میں نہیں آتی۔"

حظوظِ نفسانیہ و لذاتِ شہوانیہ کے حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال

کو آڑ بنانا بُری بات ہے:

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام

در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

ترجمہ: "... فرض کیا میں نے کہ تمام مخلوق کو فریب دیتا

ہے تو، غلطی میں ڈالتا ہے تو، یہاں تک کہ ہر خاص و عام کو۔“

کارہا باخلق آری جملہ راست

باخدا تزویر و حیلہ کے رواست

ترجمہ:۔۔۔ ”تمام کام مخلوق کے ساتھ لا دُرست، خدا

کے ساتھ جھوٹ اور حیلہ کب جائز ہے۔“

کاربارِ او راست باید داشتن

رایت اخلاص و صدق افراشتن

ترجمہ:۔۔۔ ”اس کا کاروبار دُرست چاہئے رکھنا، صدق و

اخلاص کا علم بلند چاہئے رکھنا۔“

بعض لوگوں میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ زبان اور پیٹ کی احتیاط نہیں کرتے،

یعنی جو کلمہ چاہتے ہیں بے باک ہو کر منہ سے نکال دیتے ہیں، خواہ اس سے کفر ہی

کیوں نہ ہو جائے یا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی ہی کیوں نہ ہو جائے:

بے ادب را اندریں رہ بار نیست

جائے او بر دار شد در دار نیست

ترجمہ:۔۔۔ ”اس راہ میں بے ادب کو کچھ ثمرہ نہیں ملتا،

اس کی جگہ سولی پر ہے، گھر میں نہیں ہے۔“

خصوصاً وحدۃ الوجود کے دعوے میں تو زبان کو لگام ہی نہیں، کبھی خدا کو بندہ

بنادیا، اور کہیں بندے کو خدا ٹھہرایا:

اے بُردہ گمان کہ صاحب تحقیقی

واندر صفت صدق و یقین صدیقی

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

ترجمہ: "... اے وہ کہ گمان کیا تو نے کہ صاحب

تحقیق ہے تو، اور اس صفت میں سچا اور صادق الیقین ہے تو۔

وجود کا ہر مرتبہ ایک حکم رکھتا ہے، اگر حفظ مراتب نہ کرے تو

زندیق ہے تو۔"

اس مسئلے میں جو خاص غرض تھی کہ غیر اللہ کو دل سے نکال دیا جائے، اس کی

تو ہوا بھی نہیں لگتی، زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے؟:

از ساحتِ دل غبارِ کثرت رفتن

خوشتر کہ بہر زہ دُرِ وحدت سُفتن

مغرورِ سخن مشو کہ توحیدِ خدا

واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

ترجمہ: "... دل کے میدان سے غبارِ کثرت چلے جانا،

بہتر ہے کہ بیہودہ وحدت کے موتی پرونا۔ بات پر مغرور مت ہو

کیونکہ خدا کی توحید، واحد یقین کرنا ہے نہ کہ واحد کہنا

(زبانی)۔"

اور شکم کی بے احتیاطی یہ ہے کہ حلال و حرام کی کچھ پروا نہیں، سود خور،

زنِ بازاری یا جو کوئی بھی ہو، سب کی دعوت اور نذرانہ قبول کر لیتے ہیں، وغیر ذالک

من الاغلاط لا تعد ولا تحصی!

من جملہ ان اغلاط کے اپنے کمالات کا صراحتاً یا اشارتاً افتخار کے ساتھ دعویٰ

ہوتا ہے، اور دوسروں کی تحقیر و توہین، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَا تُزَكُّوْا

اَنْفُسِكُمْ“، البتہ اگر اظہارِ نعمت کی غرض سے موقع کی کوئی بات کہی جائے اور اس کو اپنا کمال نہ سمجھیں، محض فضلِ خداوندی سمجھیں تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“۔

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض جاہل صوفیہ احادیث بیان کرنے میں بے احتیاطی کرتے ہیں، چنانچہ کسی اُردو، فارسی یا عربی کی غیر معتبر کتاب میں حدیث کا نام دیکھ لیا تو اُسے روایت کرنے لگے، اور اس سے استدلال شروع کر دیا، جیسے: ”أَنَا عَرَبٌ بِلَا عَيْنٍ“ اور اس کی مانند دوسری عبارات کہ جن کے الفاظ کا پتا ہے اور نہ معانی کا نشان، حالانکہ حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

”مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.“

تو حدیث کی تحقیق علمائے حدیث سے کرنا چاہئے، پھر زبان پر لانا چاہئے۔ ان کی اغلاط میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ بعض کا اعتقاد ہے کہ فقیری میں ایک ایسا درجہ آتا ہے کہ وہاں پہنچ کر احکامِ شرعی ساقط ہو جاتے ہیں، یہ محض غلط ہے۔ کسی نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا کہ: بعض کہتے ہیں کہ ہم تو واصل ہو گئے، اب ہم کو ان ظاہری احکام کی کیا حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: بے شک واصل تو ہو گئے، مگر جہنم رسیدہ ہوئے، خدا رسیدہ نہیں ہوئے!

مسائلِ فرعیہ

اس میں بعض ضروری مسائل بیان کئے جاتے ہیں:

مسئلہ:.... وصول کے بعد مردود نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو بھی مردود ہوا،

وصول سے پہلے ہی ہوا۔

مسئلہ:.... اولیاء کو عبادت میں دُوسروں سے زائد ثواب ملتا ہے، کیونکہ

عبودیت و اخلاص زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح اعلیٰ درجے کے ولی کو ادنیٰ درجے کے ولی سے عبادت کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

مسئلہ: ... خرقِ عادت کئی قسم پر ہے:

خرقِ عادت کی ایک قسم کشف ہے، پھر وہ کشف دو طرح کا ہوتا ہے:
۱: ... کشفِ کوئی، وہ یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اُس کے لئے حجاب نہ رہے، کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔

۲: ... دوم کشفِ الہی، وہ یہ کہ سلوک سے متعلق، یا ذات و صفات سے متعلق

علوم و معارف اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالمِ مثال میں متمثل ہو کر مکشوف ہوں۔
خرقِ عادت کی دوسری قسم الہام ہے، وہ یہ کہ قلب پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القا ہو، اور کبھی کبھی ہاتفِ غیبی کی آواز بھی سن لیتا ہے۔

تیسری قسم تصرف ہے، پھر وہ دو طرح کا ہوتا ہے، مرید کے باطن میں اس طرح کا اثر ڈالنا جس سے اُس کو حق تعالیٰ کی طرف کشش پیدا ہو جائے، دوم یہ کہ اشیائے عالم میں اثر ڈالنا، خواہ ہمت سے ہو یا دُعا سے۔ اس باب میں اولیاء اللہ سے بے شمار حکایتیں منقول ہیں۔

مسئلہ: ... کشف و الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے، لہذا اگر وہ قواعدِ شرعیہ کے موافق ہو تو قابلِ عمل ہوگا، ورنہ واجب الترتک ہوگا۔

مسئلہ: ... خوارق کا ہونا ولایت کے لئے ضروری نہیں، بہت سے صحابہ کرامؓ سے عمر بھر میں ایک بھی خرقِ عادت نہیں ہوا، حالانکہ سب اولیاء سے افضل ہیں، لہذا فضیلت کا مدار قربِ الہی و اخلاصِ عبادت پر ہے نہ کہ خرقِ عادت پر، کیونکہ خوارق تو اکثر جوگیوں سے بھی صادر ہو جاتے ہیں، جو کہ ریاضت کا ثمرہ ہے، خرقِ عادت کا رتبہ ذکرِ قلبی سے بھی کم ہے۔

عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ شریعت پر مستقیم ہوں، اور ان کا بڑا کشف یہ ہے کہ وہ طالبانِ حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔ شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ بعض اہل کرامت نے مرتے وقت یہ تمنا کی کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ رہا یہ شبہ کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا کس طرح معلوم ہوگا؟ سو اوّل تو ولایت امرِ خفی ہے، اُس کے معلوم ہونے کی کیا ضرورت؟ اور اگر معلوم کرنے سے یہ غرض ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں، تو ان کی صحبت و تعلیم سے شرف حاصل کرو، جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص صاحبِ تاثیر ہے۔

یہ سب ”تعلیم الدین“ اور ”ارشاد الطالبین“ سے ماخوذ ہے اور مکتوبِ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ میں بھی اسی طرح ہے۔

مسئلہ: ... عورتوں کو دست بدست بیعت نہ کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کو بیعت کرتے وقت ہاتھ نہیں لگایا، چنانچہ صاحبِ محبوب السالکین لکھتے ہیں کہ:

”بیعت کنانیدن نسواں این است اگر نساء غائب است بوکالت محارم نسبی یا رضاعی بیعت کند و آنچه شرائط است بموکل می فرماید و خرقة دامنی دہد و اگر نسواں حاضر است در پردہ مرید کند، بیعت دست نہ کند، چنانچہ عہد بارجال کند بعورت نہ کند، انتہی۔“

خواتین سے بیعت کرتے وقت وہ عہد لے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسواں سے لیتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ“

عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا... الخ.

مسئلہ سماع:

ہر چند کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، لیکن اگر عدم جواز کے قائلین کے دلائل سے بالکل قطع نظر کر کے اس کو جائز سمجھا جائے، تب بھی تو جوازِ سماع کے لئے بہت سی شرائط ہیں، انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ اس زمانے میں کون سی مجلس اُن آداب و شرائط کے ساتھ ہوتی ہے؟ نہ وہ اخوان ہیں، نہ زمان اور نہ مکان، صرف ایک رسم سی رہ گئی ہے، ہر قسم کے لوگ مختلف نفسانی اغراض سے جمع ہوتے ہیں اور سماع کرتے ہیں، جس سے بزرگوں کے طریقے کی سخت بدنامی ہوتی ہے، اس مقام پر صرف حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ کا ارشاد فواد سے نقل کئے دیتے ہیں:

”چند چیز موجود شود سماع آنگاہ شنوند و آں چيست؟

مسمع است و مسموع و مستمع و آله سماع است۔ فرمودند مسمع:

گویندہ است، می باید کہ مرد تمام باشد، کودک و عورت نباشد، اما

مسموع: آنچه می گوید، باید کہ ہزل و فحش نباشد و اما مستمع: آنکہ می

شنود، باید کہ بحق شنو و مملو باشد از یاد حق و اما آله سماع: و آں

مزامیر است، چوں چنگ و رباب مثل آں باید کہ در میان نبود

ایں چنین سماع حلال باشد۔“

اب آگے انصاف درکار ہے، اگر ان شرائط سے قطع نظر کر لی جائے تب بھی

سمجھنا چاہئے کہ سماع میں ایک خاص اثر ہے کہ کیفیت غالبہ کو قوت دیتا ہے، اس

زمانے میں چونکہ اکثر نفوس میں خبث اور غیر اللہ کی محبت غالب ہے، لہذا اسی خبث اور

غیر اللہ کی محبت کو غلبہ ہوگا، پھر جب غیر اللہ حرام ہے تو اس کے سبب کو کیا فرمائیے گا...؟

مسئلہ: ... کا ملین کو بھی طلبِ مزید لازم ہے، لہذا قربِ الہی میں قناعت کسی وقت بھی نہیں چاہئے جیسا کہ ارشادِ الہی ہے: ”وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“:

اے برادر! بے نہایت درگہیت
 ہرچہ بروے می رسی بروے مائیت
 جب تک جان باقی ہے، مجاہدہ باقی ہے، کیونکہ ارشادِ الہی ہے: ”وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ“۔

مسئلہ: ... قرآن و حدیث کے ظاہری معنی کا انکار کفر ہے، البتہ ظاہر کو تسلیم کر کے اُس کے باطن کی طرف عبور کرنا محققین کا مسلک ہے۔

(تعلیم الدین، ہکذافی ارشاد الطالین)

تمتہ

أصول الوصول اور ضوابط سالک میں طالب صادق اور سالک طریق کے لئے مندرجہ ذیل مجمل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، لہذا یہ چند ضوابط نہایت کارآمد اور یاد رکھنے کے قابل ہیں:

۱:۔۔۔ اتباع سنت ظاہراً و باطناً ہونا چاہئے، کیونکہ:

خلاف پیمبرؐ کے راہ گزید

ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ:۔۔۔ ”جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

راستہ اختیار کیا، وہ کبھی منزل مراد پر نہیں پہنچ سکتا۔“

۲:۔۔۔ شیخ کامل اور تبع سنت کی اتباع ہو۔

۳:۔۔۔ اپنا حال خواہ بھلا ہو یا بُرا، شیخ کو سب کی اطلاع دے، اور اس کی

تلقین فرمودہ اصلاح کی تحصیل کے لئے پوری کوشش کرے۔

۴:۔۔۔ سالک کے لئے استیجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہونے کا تقاضا مضر ہے،

کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت و طمانیت نہیں رکھتا، بلکہ اہل و نااہل اور حقائق کی

تخصیص بھی نہیں رکھتا، ہر کس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے جس سے سب کو اس کا

مخفی حال معلوم ہوتا ہے، حالانکہ مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی غیر سے مذموم ہے،

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر جائی ہونے کی وجہ سے ایسے شخص پر کسی کی پوری توجہ و

شفقت نہیں ہوتی، اور شیخ کی عنایت اور لطف بھی جاتا رہتا ہے، اور مزید براں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے، اس سے پریشانی مزید بڑھتی ہے۔

۵: ... حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم

کے مکتوباتِ طیبہ میں ہے کہ:

من جملہ موافق طریق سلوک کے دو امر خاص ہیں، جو اس قدر کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو، بلکہ اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض غیر اختیاری امور کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں، ذوق، شوق، استغراق، لذت، یکسوئی، خطرات، سوزش، انجذاب، عشق و طبعی و امثالہا، ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدات کے ثمرات سمجھتے ہیں، اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں۔

اور دوسرا یہ کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالے کے اہتمام میں لگ جاتے ہیں، جیسے قبض، ہجوم، خطرات اور دل نہ لگنا وغیرہ، یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضبِ طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ و امثالہا، اور ان امور کو طریق کے لئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں، اور ان کے زائل نہ ہونے کو موجبِ بعد عند اللہ سمجھتے ہیں، یہ ہیں وہ دو امر جن میں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں، اور ان ہر دو میں امر مشترک یہ چیز ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں، تحصیلاً یا ازالۃً، اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا متعدد مفاسد پر مشتمل ہے۔

ایک مفسدہ یہ ہے ... اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے ... کہ اس میں در پردہ حق تعالیٰ کے ارشاد: "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" کی مزاحمت ہے، کیونکہ جب امور

غیر اختیار یہ ہیں تو انسان کی طاقت میں نہ ہوئے، نہ تحصیلاً نہ ازالہ، کیونکہ قدرت ضدین سے معلوم ہوتی ہے، تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں، اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں، اسی طرح جس چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں، اس کی تحصیل بھی اختیار میں نہیں، پس جب یہ انسان کی طاقت و اختیار میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو مأمور بہ کا موقوف علیہ سمجھا اور ظاہر ہے کہ مأمور بہ کا موقوف علیہ مأمور بہ ہوتا ہے، تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مأمور بہ سمجھا، اور مأمور بہ کے لئے وسعت و طاقت کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے، اور یہ اختیار میں نہیں ہے، تو گویا یہ اس امر کا معتقد ہوا کہ مأمور بہ کے لئے طاقت و وسعت شرط نہیں، جو کہ ارشاد الہی: "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" کی صریح مزاحمت ہوئی، اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے!

دوسرا مفسدہ یہ ہے... اور یہ عملی مفسدہ ہے... کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے، مگر یہ شخص اس کی تحصیل و ازالے کے لئے کوشش کرے گا، جب کامیابی نہ ہوگی، تو روز بروز پریشانی بڑھے گی، پھر اس پر پریشانی کے درج ذیل آثار کا احتمال ہے:

اول:... کبھی پریشانی کے تو اثر سے یہ شخص بیمار بھی ہو جاتا ہے، پھر بیماری میں بہت سے اور ادویات سے محروم رہ جاتا ہے۔

ثانی:... پریشانی و غم کے غلبے سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

ثالث:... فکر و غم کے غلبے سے بعض اوقات اہل و عیال یا دیگر اہل حقوق کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

رابع:... کبھی پریشانی سے نہ تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر

خودکشی کر لیتا ہے، اور ”خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ“ کا مصداق ہو جاتا ہے۔
 خامس:.... کبھی مایوس ہو کر اعمال و طاعات کو بے کار سمجھ کر چھوڑ بیٹھتا ہے
 اور بطالت و تعطل محض تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔
 سادس:.... کبھی شیخ سے بداعتقاد ہوتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود ان ہی کو
 معلوم نہیں۔

سابع:.... کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش اور مجاہدہ کر
 رہے ہیں، مگر کامیابی نہیں ہوتی، ذرا بھی رحمت نہیں فرماتے، بالکل توجہ نہیں دیتے، خدا
 جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے؟ جن میں فرمایا گیا تھا: ”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا
 لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“ الآیۃ، ”وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شَبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا“ الحدیث۔ نعوذ
 باللہ! نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے، نعوذ باللہ من الحور بعد الكور! غرض
 یہ نمونہ ہے ان مفاسد کا جن میں کہیں مضرتِ بدنی و نفسی ہے، اور کہیں مضرتِ دینی،
 معصیت یا کفر۔

اسی وجہ سے میں نے تمہید کی سطرِ اول میں ان دونوں امور کو مانعِ طریقِ
 سلوک کہا ہے، اور اہلِ طریق نے ہر زمانے میں ان موانع کا حسبِ استعدادِ طالبین
 معالجہ فرمایا ہے، ان ہی معالجات میں سے وہ معالجات بھی ہیں جو اس زمانے کی حالت
 و استعداد کے موافق وقتاً فوقتاً تربیت السالک کا جزو بنتے رہتے ہیں، انتہی۔
 اور دوسرے مکتوب میں جو مولانا سید سلیمان ندوی کی طرف بھیجا ہے، اس
 میں تحریر فرمایا ہے کہ:

مأمور یہ وجوباً یا استحباباً صرف افعال ہی ہیں، انفعالات نہیں، مثلاً
 استقامت، تثبت، رغبت الی الطاعات، التزام فرائض، تنفر عن البدعات، لذت،
 ذوق، اخلاص اور اصلاحِ قلب و امثالہا، ان میں جو چیزیں یا بعض چیزوں کے وہ

اجزاء جوارحی افعال ہیں، وہ مأمور یہ ہیں، کیونکہ وہی اختیاری ہیں، البتہ وہ انفعالات بعض تو مطلقاً اور بعض خاص احوال میں محمود ضرور ہیں، اور اس درجے میں مطلوب بھی ہیں، مگر وہ سب انہیں افعال کے آثار و ثمرات ہیں، اور افعال ہی ان کے اسباب ہیں، جو فی الجملہ یا فی الاکثر ان کی طرف مفضی ہیں، ان کے علل نہیں کہ ان سے مختلف ہی نہ ہوں، اگر مختلف بھی ہو تو مضر نہیں، کیونکہ اصل مقصود قرب و رضا کی وہ شرط نہیں، فقط۔

۶: ... سالک کو چاہئے کہ طریق سلوک میں اپنے لئے کسی خاص حالت کو، جو کہ اس کے موافق ہو، یا اس میں بالذات اپنی منفعت سمجھتا ہو، جیسے: شوق، انس، وجد یا تجلی خاص وغیرہ ہرگز تجویز نہ کرے، اس میں نفس کا ایک خفی مکر ہے کہ طلب حق میں بھی اپنی مرغوبات و مشہیات کو نہیں چھوڑتا، اور مشقت سے بھاگتا ہے، لہذا اس میں اپنے آپ کو مرشد کے حوالے کر دے، کیونکہ تربیت کا طریق خود مرئی زیادہ جانتا ہے:

چونکہ برمیخت بہ بند و بستہ باش

چوں بکشاید چابک و برجستہ باش

ترجمہ: ... ”جبکہ وہ ڈالے تو بند و بستہ ہو، جب وہ

کھولے تو چالاک و برجستہ ہو۔“

۷: ... تعلقات نہ بڑھانا چاہئے، نہ دوستی کے اور نہ دشمنی کے، کیونکہ دونوں میں ایک مستقل شغل ہوگا، جس سے جان کو وبال لگ جائے گا اور یہ شغل ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا۔

۸: ... نیاز کی راہ کو اختیار کرے کیونکہ نیاز ہی وصول کا موقوف علیہ ہے، لہذا

ناز اور دعویٰ سے بچے۔

۹: ... نفس کے حقوق کو باقی اور حظوظ کو فانی کرے۔

۱۰... اہل محبت کی صحبت اختیار کرے۔

۱۱... صفاتِ جلال کے ظہور کے وقت رجاء منقطع نہ کرے اور صفاتِ جمال کے ظہور کے وقت انوار وغیرہ کو مقصود نہ رکھے۔

۱۲... اصلی غرض رضا کو سمجھے اور اس میں ہر دم عمل، سعی، توجہ، ارادہ، دُعا اور التجا سے مزید کا طالب رہے:

اے برادر بے نہایت در گہیست

ہرچہ بروے می رسی بروے ماست

(کل ذالک من کتاب وصول الوصول و مکتوب سید سلیمان ندوی مُلتقطاً)

تحقیقاتِ مفیدہ

اس میں گفتگو ہے کہ نبوتِ افضل ہے یا ولایت؟ یعنی محض توجہ الی الحق افضل ہے یا توجہ الی الحق کے ساتھ توجہ الی الخلق ہے، اول کو ولایت سے اور ثانی کو نبوت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے منصبِ نبوت و ولایت ہرگز ہرگز مراد نہیں، مگر اس پر اتفاق ہے کہ ولی سے نبی افضل ہے، کیونکہ وہ نبوت و ولایت کے جامع ہوتے ہیں، جو لوگ نبوت کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ نبی کی ولی پر افضلیت سے استدلال کرتے ہیں، اور جو ولایت کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ولایت میں توجہ الی الحق ہے، اور نبوت میں توجہ الی الخلق، پس ولایت افضل ہوئی۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ ولایت بے شک توجہ الی الحق ہے، مگر نبوت ایک ساتھ توجہ الی الحق و الخلق ہونے کی وجہ سے مرتبہ جامعہ ہے، پس ظاہر ہوا کہ نبوت افضل ٹھہری۔
علاوہ بریں اگر ولایت کو افضل کہا جائے تو لازم آئے گا کہ نبی کو نبوت ملنے سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہوتا ہے، کیونکہ نبی قبل از نبوت ولی ہوتا ہے، پھر

نبوت ملتی ہے، مگر دونوں فریق میں نزاع لفظی ہے، کیونکہ جو لوگ نبوت کو افضل سمجھتے ہیں، وہ نبوت کو معنی مطابقتی پر محمول کرتے ہیں، اور جو لوگ ولایت کو افضل کہتے ہیں وہ نبوت کے معنی تضمنی یعنی توجہ الی الخلق کے اعتبار سے کہتے ہیں۔

سلوک دو قسم پر منقسم ہے: سلوکِ نبوت اور سلوکِ ولایت اور ان میں سے ہر ایک کے آثار و خواص جدا جدا ہیں، جو حسب ذیل ہیں، اولیاء میں سے کسی پر کسی وقت فیضِ نبوت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی فیضِ ولایت کا۔

آثارِ سلوکِ ولایت: آثارِ سلوکِ نبوت:

۱: طریقِ ولایت والے کھانے پینے میں تکلفاً کمی کرتے ہیں۔

۱: طریقِ نبوت والے قصداً کمی نہیں کرتے، جو ملتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں۔

۲: خلق سے نفرت کرتے ہیں۔

۲: خلق کی طرف افاضہ کے لئے رغبت کرتے ہیں، لیکن خلق سے جی نہیں لگاتے۔

۳: امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے، جب تک واجب نہ ہو۔

۳: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

۴: ان کو اپنے مکاشفات و تحقیقات پر اطمینان ہوتا ہے، اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں، اگر خلافِ شرع نہ ہو۔

۴: ان پر ادب غالب ہوتا ہے، جیسا کہ صاحبِ شرع سے منقول ہوتا ہے، اس پر اپنی طرف سے بذریعہ کشف وغیرہ نہیں بڑھاتے، اگرچہ وہ زیادت خلافِ شرع نہ ہو۔

۵:۔۔۔ ان کا انتہائی مقام رضا ہے، یا ۵:۔۔۔ ان کا انتہائی مقام عبودیت
فناء الفناء۔ ہے۔

فائدہ:۔۔۔ اس امر میں گفتگو ہے کہ انتہا مقامِ رضا ہے یا فناء؟ مولانا
صاحب مدظلہم العالی کی تحقیق یہ ہے کہ باعتبار مقامِ تخلق کے رضا، اور باعتبار حال کے
فناء الفناء ہے۔

۶:۔۔۔ ان پر ذوق و شوق غالب ہوتا ۶:۔۔۔ ان پر ذوق و شوق غالب نہیں
ہے، اور عبادت میں لذتِ طبعیہ آتی ہوتا، بلکہ ان کو عبادت میں بھی طبعی مزہ
نہیں آتا، یعنی اگر نہ آئے تو دلگیر نہیں
ہوتے، محض حکم ایزدی سمجھ کر عبادت
کرتے ہیں۔

۷:۔۔۔ اہتمام سے دُعا نہیں مانگتے۔ ۷:۔۔۔ بمقتضائے ”ادْعُونِي أَسْتَجِبْ
لَكُمْ“ دُعا مانگنا فرض سمجھتے ہیں۔

۸:۔۔۔ اسبابِ ظاہری کو ترک کرتے ۸:۔۔۔ دُوسروں کی نسبت زیادہ اسباب
سے متمسک ہوتے ہیں، مگر بدوں انہماک
کے، جیسا کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
غزوہ میں دو دوزر ہیں پہنی تھیں)۔

۹:۔۔۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ۹:۔۔۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے
ساتھ طبعاً زیادہ محبت کرتے ہیں، مگر
اعتقادِ فضیلت ترتیب سے ہوتا ہے۔

۱۰:۔۔۔ شیخ کو سارے جہان سے ۱۰:۔۔۔ فضیلت کا یقین نہیں کرتے،
افضل سمجھتے اور اس پر شیفۃ ہوتے ہیں۔ محبت کرتے ہیں۔

۱۱: ان سے شراعی میں کبھی تسامح بھی... یہ شریعت پر بڑی پختگی سے عمل ہو جاتا ہے، اور وہ معذور ہوتے ہیں۔ کرتے ہیں۔

۱۲: ان پر سکر غالب ہوتا ہے۔ ان پر صحو غالب ہوتا ہے۔

فائدہ: تفصیل بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اولیاء خلاف شریعت پر چلتے ہیں، کیونکہ ایک تو نصوص کا ظاہر ہے، جس پر اصحاب حدیث چلتے ہیں، اور دوسرے نصوص کے معانی محض یا احکام ہیں، جن پر فقہاء عامل ہیں، تیسرے نصوص کے معنی الٰہی ہیں، اس پر بعض احکام میں صوفیہ عامل ہیں، لیکن فقہاء کا طریق اسلم ہے، کیونکہ شریعات ہی سے علت مستنبط کر کے حکم کو متعدی کرتے ہیں، اور صوفیہ کبھی اپنے ذوق سے بھی علت نکال کر حکم کو متعدی کر لیتے ہیں، شریعات سے علت نکال کر حکم متعدی کرنے کی نظیر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس کا حجت ہونا صراحتاً ثابت ہے، بخلاف ذوق محض کے، کہ اس سے علت نکال کر حکم کو متعدی کرنے کی نظیر معروف نہیں، اور محض ظاہراً: ”يَتَدَبَّرُونَ، يَتَفَكَّرُونَ“ کے خلاف ہے۔

۱۳: بعض اوقات بعض مغلوبین... جماعت کی پابندی کرتے جماعت سے بھاگتے ہیں، کیونکہ ان کو اخفا ہیں اور ان کی نظر سے غیر کی مقصودیت کی مقصود ہوتا ہے، مگر ان کی نظر میں ابھی بالکل نفی ہو چکتی ہے۔

غیر باقی ہے۔

۱۴: اگر ان کو شیخ شریعت ظاہر کے... یہ اگر ظاہر شرع کے خلاف شیخ خلاف کوئی حکم کرے تو وہ اسے خلاف کی طرف سے کوئی حکم ہو تو اس کی مخالفت شریعت نہیں سمجھتے، بلکہ کسی تاویل سے اس کرتے ہیں، مگر ادب کے ساتھ۔ پر عمل کر لیتے ہیں، مگر غیر قطعیات میں۔

۱۵: ان پر حبِ عشقی غالب ہوتا ۱۵: ان پر حبِ ایمانی غالب ہوتا ہے۔ ہے۔

فائدہ: ... جناب مولانا اسماعیل شہید حبِ عشقی کی ترجیح کی نفی کرتے ہیں اور حبِ ایمانی کی ترجیح کے قائل ہیں، اور جناب قبلہ حاجی امداد اللہ صاحب رُوحی فداہ اس کے عکس کے قائل ہیں۔

۱۶: اصحابِ سلوکِ ولایت پر کبھی ۱۶: اصحابِ سلوکِ نبوت پر ہمیشہ تشبیہ غالب ہوتی ہے۔ تنزیہ غالب رہتی ہے۔

تحقیق لطائفِ ستہ:

لطائفِ ستہ حسبِ ذیل ہیں (بجز لطیفہٴ نفس کے کہ وہ عالمِ خلق سے ہے، باقی تمام لطائفِ عالمِ امر سے ہیں):

۱: نفس - ۲: قلب - ۳: رُوح -
۴: سر - ۵: خفی - ۶: اخفی -

فائدہ: ... مسبوق بالمدة والمادة عالمِ خلق سے کہلاتا ہے۔

فائدہ: ... غیر مسبوق بالمادة و مسبوق بالمدة عالمِ امر سے کہلاتا ہے۔

لطائفِ ستہ کشف سے دریافت ہوئے ہیں، اور ان کے توحد و تعداد میں اختلاف ہوا ہے، لیکن ان کے افعالِ خاصہ سے ظاہراً ان کی تعداد پر استدلال ممکن ہے، چنانچہ:

نفس:	غفلت	قلب:	ذکر
رُوح:	حضور	سر:	مکاشفہ ملکوت
خفی:	مشاہدہ، فناء الفناء	اخفی:	معائنہ فناء الفناء

فائدہ: ... لطیفہٴ نفس بقیہ لطائف سے متضاد ہے، اور باقی لطائف آپس میں متناسب ہیں، اور ہر تختانی رُتبتاً فوقانی کے لئے مد ہے، اور فوقانی تختانی پر مشتمل، اس لئے فوقانی ذاکرہ جاری ہونے سے تختانی ذاکرہ بھی جاری ہو جاتا ہے۔

مقاماتِ لطائف:

نفس:	زیرِ ناف	قلب:	زیرِ پستانِ چپ
رُوح:	زیرِ پستانِ راست	سر:	مابینِ قلب و رُوح
خفی:	مابینِ دوا برو	اخفی:	ام الدماغ

اور نقشبندیہ کے نزدیک لطیفہٴ نفس کا مقام پیشانی پر ہے، اور سر کا مقام بائیں پستان کے سامنے سینے کی طرف، اور خفی کا مقام داہنے پستان کے سامنے سینے کی طرف، اور اخفی کا مقام نصف سینے میں لطیفہٴ سر اور خفی کے درمیان میں ہے۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ کی یہی تحقیق ہے، اگرچہ بعض نے کچھ اختلاف بھی کیا ہے، اور اس اختلاف کی وجہ اختلافِ کشف ہے، کیونکہ جملہ لطائف مثل مرایا متعاکسہ ہیں، جس شخص کو جہاں کسی لطیفہ کا نور نظر آیا، اُس نے وہیں اس کا مقام سمجھ لیا، جبکہ کسی کو مقام اصلی مکشوف ہوا۔

ہر لطیفہ کا رنگ:

نفس:	زر	قلب:	سرخ
رُوح:	سفید	سر:	سبز
خفی:	نیلا	اخفی:	سیاہ

فائدہ: ... لطائف کی تحقیق مبسوط کا اگر شوق ہو تو رسالہ ”النور“ صفحہ: ۶، ۷

بابت ماہ شوال و ذوالقعد ۱۳۴۹ھ کا مطالعہ کیا جائے، اسی طرح تحقیق مذکور ایک رسالے کی صورت میں مرتب بھی ہے، جس کا نام: "القطائف من اللطائف" ہے۔
سیرالی اللہ کی انتہا فناء الفنا ہے، اور سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں۔
نفس اگرچہ ایک ہے، مگر تین مختلف اوصاف کے اعتبار سے اُسے: امارہ،
لوامہ، مطمئنہ بھی کہا جاتا ہے۔

مراتب یقین:

۱: علم یقین - ۲: عین یقین - ۳: حق یقین۔

علم یقین کا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی کسی شے کو اعتقادِ جازم کے ساتھ جان لے،
جیسے: کسی کو یہ علم ہو جائے کہ آگ جلاتی ہے۔
عین یقین یہ کہ اس کے ساتھ مشاہدہ بھی ہو جائے، مثلاً: آنکھ سے دیکھ لے
کہ آگ کسی چیز کو جلا رہی ہے۔
حق یقین یہ کہ اس کے ساتھ اتصاف بھی حاصل ہو جائے، مثلاً: کوئی شخص
اپنا ہاتھ آگ میں ڈال کر دیکھ لے اور ہاتھ جل جائے۔

نصیحت:

کبھی اپنی ریاضت پر مغرور نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اگر کوئی کافر بھی ریاضت
کرے تو اس کو بھی انوار نظر آسکتے ہیں، اور وہ بھی اس چیز کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے
جس کے لئے ریاضت کرتا ہے، اگرچہ بذریعہ اسمِ مُضِلّ ہی کے پہنچے، پس معلوم ہوا
کہ محض وصول مقصود نہیں، بلکہ مقصود قبول ہے، اسمِ مُضِلّ کا مظہر جہنم ہے، کافر کی رسائی
وہاں ہوگی، اور مظہر اسمِ ہادی کا مظہر جنت ہے، مؤمن کی رسائی یہاں ہوگی۔

جہلاء کو اشغال نہ بتلانا چاہئے، کیونکہ اس سے کبھی کشف ہونے لگتا ہے، اور چونکہ وہ اس کی تاویل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے کہ کشف اکثر کسی نہ کسی صورتِ مثالی میں ہوتا ہے، جو محتاجِ تاویل ہے، لہذا مناسب ہے کہ ان کو صرف ذکر ہی تعلیم کیا جائے۔

باری تعالیٰ کی تجلی مثالی یہ ہے کہ کوئی ذات ممکنہ (جو باری تعالیٰ کے کسی وصف میں مناسبتِ تامہ کے ساتھ مشارک ہو) ظاہر ہو جاتی ہے۔

قطب الارشاد: صاحبِ تصرفِ شرعی ہوتا ہے، اور وہ لوگوں کو ہدایت کرتا ہے، اور قطب الاکوان: صاحبِ تصرفِ تکوینی ہوتا ہے، اور اس سے خرقِ عادت وغیرہ اکثر اور زیادہ صادر ہوتے ہیں۔

شغل اور فکر میں فرق یہ ہے کہ شغل: تصورِ ذکر کو کہتے ہیں، اور فکر: تصورِ مذکور کو کہتے ہیں، شغل اور مراقبہ میں فرق یہ ہے کہ شغل میں فقط محکومِ علیہ کا تصور ہوتا ہے، جبکہ مراقبہ میں اس کی طرف محکوم بہ کی نسبت کی تصدیق کا تصور ہوتا ہے، محکومِ علیہ: موضوع کو اور محکوم بہ: محمول کو کہتے ہیں، موضوع مثلاً اللہ ہے، اور محمول مثلاً قدیر ہے، پس ”اللہ قدیر“ میں اللہ موضوع، اور قدیر محمول ہے۔

وصیت:

طالبِ حق کو چاہئے کہ پہلے مسائل و عقائد اہل سنت والجماعت کے حاصل کرے، پھر رذائل: حرص، امل، غضب، کبر، ریا وغیرہ سے تزکیہ کرے، اور اخلاقِ حمیدہ: صبر، شکر، اخلاص وغیرہ سے منور ہووے، گناہ ہو جانے پر توبہ کرے، نعمت پر شکر، اور مصیبت پر صبر کرے، خلافِ شرع فقراء کی صحبت سے بچے، لوگوں سے بقدر

ضرورت تعلق رکھے، تشویش کو دل میں نہ آنے دے، خورد و نوش اور باقی دنیوی، دینی اور مجاہدہ وغیرہ کاموں میں اعتدال رکھے، حق تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہے، غرباء و مسافروں پر مہربان رہے، کم ہنسی، زیادہ روئے، موت کا ہر وقت خیال رکھے، کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکوکار، باوقار، بردبار رہے، قبورِ عوام اور مزاراتِ اولیائے کرام سے مستفید ہوتا رہے، رُسومِ جہل سے بچے، مرشد کا تمام درجہ ادب کرے، اور ہمیشہ استقامت کی التجا کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ ہی پر ہر کام میں بھروسہ کرے۔

یا رب صل وسلم دائماً علی حبیبک مولانا باکثار

سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت

استغفرک واتوب الیک

اللہم تقبل منا انک انت السميع العليم

۱۳/صفر ۱۳۵۴ھ

خوشخبری و مرثیہ

الحمد لله تعالى کہ اس رسالے کو مولانا محمد شفیع صاحب کبیر والا والے اور مولانا حفیظ اللہ صاحب نے حضرت قطبِ زماں مولانا عبدالقادر صاحب قدس سرہ رائے پوری کو اُن کی حیاتِ پاک میں خدمت میں پیش کیا، حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرصے کے بعد اس رسالے کو اول سے آخر تک دُوسرے سے سنا اور فرمایا کہ: ”محمد شفیع! کیا میرے لئے بھی اُن (مصنف) سے دُعا کرائی تھی؟“ مولانا محمد شفیع صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! نہیں، فرمایا: ”دُعا کرانا۔“ یہ الفاظ تو اُن کے کمال تواضع و انکساری کے ہیں، مگر رسالے کے دُرست و صحیح ہونے کی تصدیق ہوگئی۔ الحمد لله تعالیٰ! بندہ جب سرگودھا حاضر ہوا، حضرت مولانا آزاد مدظلہ (خادمِ خاص حضرت رائے پوری) غریب نوازی سے ملنے آئے، بندہ نے پوچھا، مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ: ”میں نے اس رسالے کو سنایا تھا“، دوبارہ بندہ کو اطمینان ہو گیا۔

الحمد لله تعالى حمداً كثيراً طيباً

مراقبہ موت

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
 یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
 جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
 مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بونے
 کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے
 جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سونے
 ملے خاک میں اہل شاں کیسے کیسے
 مکیں ہو گئے بے مکاں کیسے کیسے
 ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
 زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
 زمیں کے ہوئے لوگ پیوند کیا کیا
 ملوک و حضور و خداوند کیا کیا
 دکھائے گا تو زور تا چند کیا کیا
 اجل نے پچھاڑے تنومند کیا کیا

اجل نے نہ کسرتی ہی چھوڑا نہ دارا
 اسی نے سکندر سا فاتح بھی مارا
 ہر اک لے کے کیا کیا نہ حسرت سدھارا
 پڑا رہ گیا سب یونہی ٹھاٹھ سارا
 یہاں ہر خوشی ہے مبدل بہ صد غم
 جہاں شادیاں تھیں وہیں اب ہیں ماتم
 یہ سب ہر طرف انقلابات عالم
 تری ذات میں بھی تغیر ہے ہر دم
 تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا
 جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
 بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا دکھایا
 اجل تیرا کردے گی بالکل صفایا
 یہی تجھ کو دُھن ہے، رہوں سب سے بالا
 ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا
 جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا؟
 تجھے حسن ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
 وہ ہے عیش و عشرت کا کوئی محل بھی
 جہاں تاک میں ہر گھڑی ہو اجل بھی
 بس اب اپنے اس جہل سے تو نکل بھی
 یہ طرزِ معیشت تو اپنا بدل بھی

نہ دلدادہ شعر گوئی رہے گا
 نہ گرویدہ شہرہ جوئی رہے گا
 نہ کوئی رہا ہے، نہ کوئی رہے گا
 رہے گا تو ذکرِ نکوئی رہے گا
 جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا ہے
 کہیں فقر و فاقہ سے آہ و بکا ہے
 کہیں شکوہِ جور و مکر و دغا ہے
 غرض ہر طرف اپنی اپنی صدا ہے
 بڑھاپے سے پا کر پیامِ قضا بھی
 نہ چونکا نہ جاگا نہ سنبھلا ذرا بھی
 کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا بھی؟
 جنوں تابہ کے ہوش میں اپنے آ بھی
 جب اس بزم سے اٹھ گئے دوست اکثر
 اور اٹھتے چلے جارہے ہیں برابر
 یہ ہر وقت پیشِ نظر جب ہے منظر
 یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیونکر؟
 یہ دُنیاۓ فانی ہے محبوب تجھ کو
 ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
 نہیں عقل اتنی بھی مجزوبِ تجھ کو
 سمجھ لینا اب چاہئے خوب تجھ کو
 جگہ دل لگانے کی دُنیا نہیں ہے
 یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

”ذکر عبد ہے اور ذکر سے عبدیت کا حق ادا
کر رہا ہے، بجز رضائے معبود کے کوئی غرض نہ رکھے،
اور ذکر کے فائدہ پر بھی نظر نہ کرے، ذکر کا فائدہ نظر
آئے یا نہ آئے، ذکر کو نہ چھوڑے۔“

ضرورتِ الشريعة والطائفة

يعني

تشریعت و طریقت کی ضرورت



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

ضرورت الشریعہ والطریقتہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِیْنُهُ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی خَیْرِ

خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَاَتْبَاعِهِ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہئے کہ شریعت کی ہر وقت ضرورت ہے، طریقت میں بھی اور حقیقت میں بھی، اور ہر شخص اس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔
شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔

شریعت کی صورت یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، خواہ اوامر میں سے ہوں یا نواہی میں سے، سب پر ایمان لانا اور عمل کرنا ہے، خواہ دل چاہے یا نہ چاہے، جب تک نفس کی منازعت موجود ہے، اس وقت تک احکام شرعیہ کا بجالانا بطور صورت شریعت کے ہے، ایمان ہے یا نماز ہے یا روزہ ہے، سب بطور صورت کے ہیں، کیونکہ نفس اپنے کفر و انکار پر اڑا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے اس پر بھی جنت کی خوشخبری دی ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس کا طغیان و سرکشی نہ رہے اور مقصود کا غیر

اور غیریت نظر سے بالکل دُور ہو جائے، نگاہ میں اغیار کا نام و نشان باقی نہ رہے، اور اخلاقِ رذیلہ کی کشاکشی گم ہو جائے تو مقامِ طریقت ختم، اور سیرالی اللہ تمام ہوگئی۔

جب تک نفی کرنے میں ہے، اور نفی پوری نہیں ہوئی، طریقت میں ہے، جب نفی سے انتفا میں پہنچا، طریقت ختم ہوئی اور مقامِ فنا میں پہنچ گیا، اس کے بعد مقامِ اثبات میں سیر شروع ہوتی ہے، جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہی بقا کا مقام ہے، جو حقیقت کا موطن اور ولایت کا اعلیٰ مقصد ہے، اس طریقت و حقیقت پر جو فنا و بقا ہے اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے، اور نفسِ امارہ، نفسِ مطمئنہ ہو جاتا ہے، اور کفر و انکار سے ہٹ جاتا ہے۔ اور جو مقولہ مشہور ہے:

ہر چند کہ نفسِ مطمئنہ گردد

ہرگز ز صفاتِ خود نگرود

ترجمہ: "... ہر چند کہ نفسِ مطمئنہ ہو جائے، مگر اپنی

صفات سے ہرگز باز نہیں آتا۔"

یعنی نفسِ مقامِ اطمینان میں بھی آکر اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا، اس پر

حضرت قطب ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ راضی نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

مقامِ اطمینان میں آکر طغیان و سرکشی کیسی؟ اور حدیث میں جو آیا ہے:

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ" جہادِ اکبر سے مراد قالب کا جہاد

ہے، چونکہ قالب مختلف طبیعتوں سے مرکب ہے، آب و ہوا، خاک و آتش ہر ایک کے

آثار مختلف ہیں، ہوا یعنی خواہش نمود، بخل، غضب، کبر اور عجب وغیرہ قوتِ شہوی ہو،

غضبی ہو یا کوئی اور، سب قالب سے پیدا ہوتی ہیں، نفس کا اطمینان اس جہاد کو کم نہیں

کر سکتا، اور قلب کی تمکین اس لڑائی کو رفع نہیں کر سکتی، تو حدیث میں غالباً جہادِ اکبر اسی

کو فرمایا گیا۔

فائدہ:۱... اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں جو قالب کے پاک صاف کرنے میں کام آتے ہیں، حتیٰ کہ اُس جہان کے کمالات اور آخرت کی ترقیات اسی سے وابستہ ہیں، کیونکہ اس جہان کے کمالات میں قلب متبوع ہے، اور قالب تابع ہے، اور آخرت میں بالعکس قلب تابع ہے، اور قالب متبوع، جس قدر قالب کی اصلاح ہوگی، اسی قدر وہاں درجات زائد ہوں گے، جب جہان درہم برہم ہو جائے گا تو یہ جہاد بھی ختم ہو جائے گا۔

فائدہ ۲:.... جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفسِ اطمینان میں آجاتا ہے، اور حکمِ الہی کے تابع ہو جاتا ہے، تو اسلامِ حقیقی میسر آجاتا ہے، بعد ازاں جو کچھ عمل میں آئے گا، شریعت کی حقیقت ہوگی، اگر نماز ادا کرے گا تو نماز کی حقیقت ہوگی، اور اگر روزہ یا حج ہوگا تو روزہ و حج کی حقیقت ہوگی، علیٰ ہذا القیاس۔

پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کی صورت اور اُس کی حقیقت کے درمیان متوسط ہیں، جب تک ولایتِ خاصہ سے مشرف نہ ہوں، اسلامِ مجازی سے اسلامِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے۔

فائدہ ۳:.... اسلامِ حقیقی میسر ہونے کے بعد اس لائق ہوگا کہ کمالاتِ نبوت سے انبیاء علیہم السلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر کامل حصہ پائے، جس طرح شریعت کی صورت کمالاتِ ولایت کے لئے شجرہ طیبہ یعنی پاک درخت کی طرح ہے، گویا کمالاتِ ولایت صورتِ شریعت کے ثمرات ہیں، اسی طرح شریعت کی حقیقت بھی کمالاتِ نبوت کے لئے شجرہ طیبہ کی طرح ہے، اور کمالاتِ نبوت گویا حقیقتِ شریعت کے ثمرات ہیں، جب ولایت کے کمالات، صورت کا ثمرہ اور کمالاتِ نبوت حقیقت کا ثمرہ ہیں، تو اس لحاظ سے کمالاتِ نبوت حقائق کی طرح ہوں گے، اور حالاتِ ولایت اُن کی صورتوں کی طرح۔

جاننا چاہئے کہ صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت میں فرق نفس کی جہت سے تھا، یعنی صورتِ شریعت میں نفسِ امارہ، اور اپنی نافرمانی پر تھا، اور حقیقتِ شریعت میں نفسِ مطمئنہ، اور مسلمان ہو گیا تھا، اسی طرح کمالاتِ ولایت جو کہ صورت کی طرح ہیں اور کمالاتِ نبوت جو حقیقت کی طرح ہیں، ان میں قالب کی جہت سے فرق ہے، مقامِ ولایت میں قالب کے اجزاء اپنی سرکشی اور نافرمانی پر ہیں، مثلاً: اس کا جزو ناری نفس کے اطمینان کے باوجود اپنی بہتری اور تکبر کا دعویٰ نہیں چھوڑتا، اور جزو خاک کی اپنی حسرت، کمینہ پن اور بخل سے پشیمان نہیں ہوتا، علیٰ ہذا القیاس، مگر کمالاتِ نبوت میں قالب کے اجزاء بھی اعتدال پر آجاتے ہیں اور افراط و تفریط سے ہٹ جاتے ہیں۔

سوال:.... جب قالب کے اجزاء بھی اعتدال پر آجائیں اور سرکشی سے ہٹ

جائیں تو پھر ان سے جہاد کی کیا صورت ہے؟

جواب:.... نفس کا اطمینان اور قالب کے اجزاء کے اعتدال کے درمیان

فرق ہے، کیونکہ نفسِ مطمئنہ فانی اور ناپیز ہے، اور عالمِ امر سے ملا ہوا ہے، جو کمالِ فنا اور سکر سے متصف ہے، اور یہ اجزاء احکامِ شرعیہ کے بجالانے کے باعث، جن کی بنیاد صحو پر ہے، فنا و سکر سے مناسبت نہیں رکھتے، کیونکہ جو فانی اور مستہلک ہے، اس میں مخالفت کی گنجائش نہیں، اور جو صحو و ہوش میں ہے اگر بعض مصلحتوں کے باعث بعض امور میں مخالفت کی صورت ظاہر کرے تو ایسا ہو سکتا ہے، اُمید ہے کہ یہ مخالفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترکِ مستحب سے اوپر نہ جائے گی اور مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب سے اوپر مکروہِ تحریمی تک نہ جائے گی، پس قالب کے مرتبے میں اس کے اجزاء کے اعتدال کے باوجود جہادِ متصور ہوگا، اور مطمئنہ میں جہادِ ناجائز ہوگا، پھر اگر فضلِ خداوندی سے کمالاتِ نبوت، جو کہ حقیقتِ شریعت کے ثمرات سے ہے، اس کے انجام

تک پہنچ جائے، تو بطور وراثت و طفیلی ہونے کے آگے کمالاتِ رسالت و اولو العزم وغیرہ کی ترقیات، اعمال پر موقوف نہیں، بلکہ محض فضل و احسان پر موقوف ہیں، اور اس سے یوں نہ سمجھیں کہ اس مقام میں صورتِ شریعت و حقیقتِ شریعت سے استغناء ہو جاتا ہے اور احکامِ شریعت کے بجالانے کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ یہی صورت و حقیقت آگے کے مقاماتِ عالیہ کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہیں، مکان جتنا بلند ہوتا جائے گا، اتنا ہی بنیاد کا زیادہ محتاج ہے، پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں دزکار ہے، اور ہر شخص اس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔

نبوت، ولایت سے افضل ہے:

نیز یہ بھی معلوم ہو کہ بعض لوگ کج بینی سے ولایت کو نبوت سے افضل گردانتے ہیں، حالانکہ ولایت کبھی بھی نبوت سے افضل نہیں ہو سکتی۔ کمالاتِ ولایت (جو کہ صورتِ شریعت کا ثمرہ ہیں) کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں (جو کہ حقیقتِ شریعت کا ثمرہ ہیں) کچھ حیثیت نہیں رکھتے، آفتاب کے مقابلے میں ذرہ کی کیا حیثیت ہے؟ یہ لوگ نبوت کو خلق کی طرف متوجہ ہونے کے باعث قاصر جانتے ہیں اور ولایت کو جو کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے، افضل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ نبوت میں اگرچہ ظاہر میں خلق کی طرف توجہ ہے، مگر وہ تکمیل کے بعد ہے، اور عروج سے نزول کی طرف جو بھی آیا ہے تو وہ بفرمان حق تعالیٰ آیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کامل مکمل عالم چھوٹی کتابیں پڑھاتا ہے، اس کا یہ چھوٹی کتابیں پڑھانا کمال کے منافی نہیں، اور کمالاتِ ولایت والوں کو یوں سمجھو جیسے ابتداء میں چھوٹی کتابیں پڑھنے والا ہو اور وہ پڑھے بھی تکمیل کی غرض سے۔

نیز یہ بھی واضح ہو کہ ولایت والے کا نفس کسی درجے میں مطمئنہ ہوتا ہے اور
 قالب ویسے ہی سرکش اور عروج کے وقت بھی اس کو بطور طفیلی کے کچھ حاصل ہونے
 والا ہوتا ہے، مگر نبوت والے کا اطمینان بھی علیحدہ ہے، اور کمالات بھی علیحدہ ہیں، ان
 کی نہایات تک گوش، چشم، زبان اور عقل کیسے پہنچ سکیں؟
 وما علینا الا البلاغ

موضوع کی مکمل تفصیل مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ دفتر دوم مکتوب
 نمبر ۴۶، ۵۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جاننا چاہئے کہ دُنیا میں اگرچہ دُنوی کر و فر، بلڈنگ، حکومت اور وزارت
 سے عظمت، ہیبت اور محبت ہے، مگر یہ سب جسمانی کمالات ہیں اور آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی محبت، تابع داری قرآن مجید پر ظاہراً و باطناً عمل کرنے سے شوکت، وقار،
 وجاہت، آبرو اور شہرت ہے۔ عاقل پر واجب ہے کہ باقی کے کمالات حاصل کرنے
 سے غافل نہ ہو جائیں اور دُنوی لذت میں پھنس کر اُخروی عزت برباد نہ کریں، اور
 اُخروی تعظیم محض شریعت کی اتباع میں ہے۔

والخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد رسولہ واتباعہ اجمعین

تصوّف کے متعلق عرض

تصوّف و شریعت ایک دوسرے کے عین ہیں:

تصوّف کے متعلق اکثر عوام و خواص میں کثیر اغلاط واقع ہوئی ہیں، کوئی کشف و کرامات کو تصوّف جانتا ہے، کوئی اشغال، مراقبات، اعمال اور کیفیت کو تصوّف گردانتا ہے، کوئی خاص رُسوم و عادات کو، کوئی مجاہدات و ریاضات اور ترکِ تعلقات کو، کوئی فلسفی یا فلسفی مزاج، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود کے نظریات کو، اور کوئی اس کو اسرار و مغیبات کا مجموعہ مراد لیتا ہے، حتیٰ کہ اہل مغرب نے اس کا نام ہی سریت (مسٹری ازم) رکھ دیا ہے، اور سب غلطیوں میں سے بڑی غلطی یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے طریقت، حقیقت اور معرفت کو شریعت کا مقابل یا اس کی ضد گمان کر لیا ہے، حالانکہ طریقت و حقیقت، شریعت کا جزو، بلکہ عین شریعت ہیں، جیسے انسان کے دو رخ ہیں، ظاہر و باطن، یا قلب و قالب، اسی طرح دینِ کامل یعنی شریعت کے بھی دو رخ ہیں: ۱۔... قالب و ظاہر کے اعمال و احکام، ۲۔... قلب اور باطن کی فقہ و اصلاح۔

جیسے: نماز، روزہ، تمام ظاہری ارکان و احکام، باطنی خشوع و خضوع اور صحتِ نیت کا ("انما الأعمال بالنیات") نام ہے۔ اگر ارکان صحیح نہیں تو نماز بھی صحیح نہیں اور اگر صحتِ نیت نہیں، مثلاً: ریا و نمود ہے تو بھی نماز صحیح نہیں، پس جس طرح نماز تمام ارکان کی صحت اور نیت کی صحت کا نام ہے، اسی طرح اگر ظاہر و قالب معیارِ شریعت پر

نہیں تو دینِ کامل نہیں، اور اگر باطن: اخلاص، اخلاقِ حمیدہ اور صحتِ عقیدہ سے منور نہیں تو بھی دینِ کامل نہیں، جیسے نماز میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے نماز ہی نہیں رہتی، (جیسے ترکِ فرائض و ارکانِ نماز: رکوع، سجدہ وغیرہ، اور بعض ایسی ہیں کہ ان کے نہ رہنے سے نماز ناقص ہو جاتی ہے، مثلاً: واجبات کا ترک)، اسی طرح صحتِ عقیدہ و اخلاص کے نہ ہونے سے دین مطلقاً نہیں رہتا، اور اخلاقِ حمیدہ، مثلاً: شکر، قناعت، توکل وغیرہ کے نہ ہونے سے دین ناقص ہو جاتا ہے، مطلق معدوم نہیں ہوتا۔ الحاصل شریعت و تصوف ظاہر و باطن کی مجموعی اصلاح کا نام ہے، تصوف عین ہے شریعت کا، اور شریعت عین ہے تصوف کا، اور جس نے شریعت کو صرف ظاہری احکام و اعمال کا نام دے رکھا ہے، اور تصوف کو صرف باطنی کمالات کا، وہ بھول میں پڑا ہوا ہے، فافہم!

تصوف کے بغیر کامل مسلمان ہونا مشکل ہے:

یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت کے احکامِ اَوامر یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے، اور احکامِ نواہی یعنی جن سے رُکنا ضروری ہے، یا جو احکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے: کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرنا وغیرہ اور چوری، زنا، شرک اور کلماتِ کفر وغیرہ سے پرہیز، یا جو احکام باطن سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے: ایمان و تصدیق عقائدِ حقہ، صبر، شکر، توکل، رضا بالقضا اور اخلاص وغیرہ، ان کو ”مأمورات“ کہتے ہیں، اور عقائدِ باطلہ، ریا، تکبر اور عجب وغیرہ ان کو ”مناہی“ کہتے ہیں، اور معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت و تصوف ایک دوسرے کے عین ہیں، یا بقول بعض جزو شریعت ہے، جیسے بغیر شریعت کے مسلمان نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر تصوف کے مسلمان نہیں ہو سکتا، یا مسلمان کامل نہیں ہو سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم!

باطن کی صفائی وہی معتبر ہے جو اتباعِ شریعت میں ہے:
 بعض لوگوں نے صفائیِ قلب و تزکیہ پر اتنا زور دیا ہے جس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ سارا تصوف یہی ہے، اور اس کو کمال سمجھا ہے، حالانکہ اس میں تو غیر مسلم اشرافیہ
 اور ہندوستان کے جوگیہ بھی بکثرت مسلمانوں کے شریک ہیں، اسی لئے بہتوں نے اُن کو
 بھی صوفی سمجھا ہے، اور کہا ہے کہ: ”الصُّوفِي لَا مَذْهَبَ لَهُ“ یعنی صوفی کا کوئی مذہب و
 مشرب نہیں ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ صوفی اسلام کی قید سے آزاد ہے۔
 عرض یہ ہے کہ تزکیہ وہی معتبر ہے جس پر فلاح مرتب ہو، جیسا کہ قرآن
 کریم میں ارشاد ہے:

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى. وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى“

(الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵)

ترجمہ:.... ”کامیاب ہوا جس نے تزکیہ کیا، اور یاد کیا

نامِ رَبِّ اپنے کا، پس نماز پڑھی۔“

تزکیہ وہی معتبر ہے جس پر فلاح مرتب ہو، جس کا طریقہ اقامتِ الصلوٰۃ
 ہے، جو اعلیٰ اصولِ شریعت میں سے ہے، پس تزکیہ اور صفائیِ قلب بغیر اتباعِ شریعت،
 معتبر و مقبول نہیں، بلکہ مردود ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کپڑے کو پیشاب سے
 صاف کیا جائے:

صفائی است در آب و آئینہ نیز

ولیکن صفا را باید تمیز

ضرورتِ شیخ:

جیسے پچھلے علمائے دین نے تائید و تبلیغ کے لئے علم کو دوسرے سے الگ

کر کے اس کے قواعد مقرر کئے ہیں، اسی طرح علم تصوف کو بھی مشائخ کرام نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے باطن کی صفائی کے لئے بعض اذکار، اشغال اور مراقبات خاص طریقے سے بتلائے ہیں کہ ان پر عمل کر کے انسان کو تزکیہ باطن جلد نصیب ہوتا ہے، جس طرح دوسرے علوم میں پچھلوں کو اگلوں کی تقلید و پیروی کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح علم تصوف میں بھی بدوں اتباع طریقہ بزرگاں کے چارہ نہیں، گو ادنیٰ درجے کا تزکیہ جو موجب نجات ہے، بدوں اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے، مگر وہ امر جو مطلوب ہے، اور کمال کہلاتا ہے، اس کا حصول بغیر صحبت کالمین اور تبعین مشائخ کے ناممکن ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ“ (لقمان: ۱۵)

ترجمہ:.... ”اور تابع رہ راہ اس شخص کے جس کو میری

طرف رجوع ہے۔“

جیسے دیگر علوم مستخرجہ کا نام علیحدہ ہے، مثلاً: علم فقہ، علم نحو اور علم حدیث وغیرہ، اسی طرح اس علم تزکیہ کا نام علم تصوف ہو گیا ہے، جس کی تعریف یہ ہے: ”مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا“ یعنی نفس کا اپنے فائدہ و نقصان کی چیزوں کو پہچان لینا، اسی لئے دین میں کمال تک پہنچنا اور حقیقت یابی بلا تصوف یا صوفی بنے بغیر ممکن نہیں۔

اذکار، اشغال اور مجاہدات بدعت نہیں:

اصلاح قلب کے لئے صوفیانہ طریقے، مثلاً: اذکار، اشغال، مجاہدات اور مراقبات وغیرہ جو بظاہر قرآن و حدیث میں مذکور یا ان سے ماخوذ معلوم نہیں ہوتے، اس کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تجدید و تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کے دوست، دشمن، معتقد و منکر سب ایک مشترک غلطی میں پڑ گئے، کہ

ان چیزوں کو تصوف کے مقاصد و غایات سمجھ لیا، حالانکہ اُن کی حیثیت تدابیر و مقدمات یا آثار و ثمرات کی ہے، یہ چیزیں قطعاً مقاصدِ تصوف نہیں، اس لئے ان کو بدعات کہنا سرے سے بے معنی ہے، کیونکہ بدعتِ احداث فی الدین کا نام ہے، یعنی دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ احداثِ لددین کا، یعنی جس طرح مقاصدِ دین کے حصول کے لئے نئی نئی تدابیر و ادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جیسے خود دین میں علومِ دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدرسے کھولنا، کتب خانے کھولنا، علم صرف، نحو، منطق پڑھنا، وغیرہ بدعت نہیں، اسی طرح اصلاحِ باطن کے لئے وظائف و مراقبات وغیرہ احداث فی الدین نہیں، بلکہ احداثِ لددین ہے، اس لئے یہ چیزیں نہ بدعات ہیں، نہ ان کو کتاب و سنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

نیز ان کے اصل مقصد ہونے اور تدبیر ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مقاصد کی طرح ان تدابیر میں سے کسی خاص تدبیر کو اختیار کرنا لازم و واجب نہیں ہے، ہاں! اپنی اصلاح و تزکیہ کے لئے خود ہی کسی وظیفے کو اختیار کر لے یا کوئی شیخ ماہر اس کے لئے کوئی ورد یا تدبیر فرمادے، اور اس کو لازم پکڑ لے تو اور بات ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی ممانعت یا قباحت نہ آئے، مثلاً: صوم وصال کو لازم کر لے، یا ایامِ تشریق میں روزہ نہ چھوڑے وغیرہ۔

بعض اذکارِ صوفیہ کے چند فوائد کا بیان:

صوفیہ کرام کے نزدیک ایک شغلِ پاسِ انفاس ہے، اس کا فائدہ: یکسوئی، خطرات کا کم ہونا اور جمعیت کا آنا ہے، گو جمعیت خود مقصود نہیں، لیکن یہ اطمینانِ قلب کا مقدمہ اور پیش خیمہ ضرور ہے، اسی لئے صوفیہ کرام نے بعض اذکار کو مثل مقصود کے

اہمیت دی ہے کہ ان کو عملاً ترک نہیں کرتے۔

اسی طرح جس دم جو جو گیوں کے ہاں کا شغل ہے، اس میں بھی یہی فوائد نظر آتے ہیں، چونکہ یہ جس دم ان کا مذہبی یا قومی شعار نہیں، اور دفعِ خطرات کے لئے نافع بھی ہے، اسی لئے صوفیہ نے اس کو لے لیا ہے، اور یہ تشبہ بالکفار نہیں ہے، کیونکہ یہ نہ ان کی مذہبی چیز ہے اور نہ ہی قومی شعار ہے، اس لئے یہ تشبہ ممنوع نہیں ہے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم فرمایا اور خود بھی کھودنے میں ساتھ تھے، تو یہ انتظام و تدبیر، فارسیوں کا کوئی مذہبی شعار نہ تھا، نہ ہی ان کی قومی چیز تھی، بلکہ محض ایک تدبیر تھی جس کی اجازت دے دی۔ اسی طرح ذکر کے مختلف طریقے، بینات، مختلف مراقبات، اور ان کی تدابیر و ہیئت کا مختلف ہونا حصولِ معیتِ تعالیٰ و عظمتِ الہی جل شانہ کے لئے مفید ہے، جس کے فوائد و ثمرات امتثالِ اوامر، اجتناب عن المعاصی اور محبتِ الہیہ کے لئے اسباب اور بمنزلہ علت کے ہیں۔

عبداللہ عنفی عنہ

نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی

بعض معروضاتِ ضروریہ:

الحمد للہ تعالیٰ! اس سال بھی بفضلہ تعالیٰ و کرمہ حجازِ مقدس کی تیاری ہے اور عنقریب مبارک سفر پر جا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، قبول کرے اور مقبول بنائے، آمین! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ چند اشخاص کو کئی سال ہوئے ذکر، اصلاحِ قلب کے طریقوں اور مراقبات کرانے کی اجازت بطور سفارت کے دی گئی تھی، بعض کو نقشبندی طریقہ و سلسلہ چلانے کی، اور بعض کو قادری سلسلہ کی، جن کے اسمائے گرامی ایک رسالہ ”تصوف اہل صفا“ میں مطبوع ہیں، پھر گزشتہ سال دوسرے

احباب کو اجازت بطور سفارت دی گئی ہے جن کے اسماء اس رسالے میں تحریر کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بندہ کی اجازت ذکر اور سلسلہ چلانے کی رخصت میں قبولیت عطا فرمائے اور ان لوگوں کو اخلاص سے ذکر اور مراقبات بتلانے کی ہمت تمام عنایت کرے اور مقبول و مشکور کرے، آمین!

۱:۔۔۔ الحاج مولانا عبدالحی صاحب۔

۲:۔۔۔ مولانا المکرم مولوی غلام سرور مرحوم، منسے والا، تحصیل شجاع آباد، ملتان۔

۳:۔۔۔ مولانا المکرم حافظ دوست محمد مرحوم، ساکن روڈ و سلطان، ضلع جھنگ۔

۴:۔۔۔ مولانا المکرم شاہ محمد شاہ قریشی مرحوم، ساکن مسجد ابدالی، شہر ملتان۔

۵:۔۔۔ مولانا المکرم قاری شیر محمد صاحب مہاجر پڑعیدن، سندھ۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو اور ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کامیاب، سرفراز اور آباد

فرمائے، آمین!

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین!

خلاصہ و مختصر نقشہ تصوف

ہر مطلوب میں کچھ مبادی ہوتے ہیں جو مقصود بالعرض اور مقدم ہوتے ہیں، اور کچھ مقصود اصلی ہوتے ہیں جو مقصود بالتحصیل ہوتے ہیں اور ان ہی پر کامیابی و ناکامی کا مدار ہوتا ہے، اس کے علاوہ کچھ زوائد اور توابع ہوتے ہیں، نہ ان کا وجود کامیابی کا معیار ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کا فقدان ناکامی کا معیار۔

پس مبادی: وہ علوم (مسائل) ہوتے ہیں جو بصیرت فی المقصود کا موقوف علیہ ہوں، اور مقاصد: وہ اعمال خاصہ ہیں جو افعال اختیاریہ سے حاصل ہوتے ہیں، جن میں ایک حصہ اعمال صالحہ متعلق بہ اعضاء ہیں، جن کو سب جانتے ہیں، جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر طاعت واجبہ و مندوبہ، اور دوسرا حصہ اعمال صالحہ متعلقہ بہ قلب و نفس ہیں، مثلاً: اخلاص، تواضع، حب حق، شکر، صبر اور توکل وغیرہ، اور ان کی اضداد: ریا، کبر، عجب، اسراف وغیرہ کا ازالہ، اور ان اعمال اختیاریہ کو ”مقامات“ کہتے ہیں، یہی نصوص میں مأمور بالتحصیل ہیں اور ان کی اضداد مأمور بالازالہ والروع ہیں، اور ان اعمال کی غایت، تعلق باللہ تعالیٰ یعنی نسبت و رضائے حق سے جو روح سلوک ہے، اور زوائد احوال خاصہ، مثلاً: ذوق، شوق، قبض، بسط، صحو، سکر، غیبت، وجد، استغراق و امثالہا، یہ امور غیر اختیاریہ ہیں۔ اعمال پر اکثر ان کا ترتب ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا، اور احوال نہ مأمور بہا ہیں اور نہ ان کی اضداد مأمور بالازالہ، اگر ترتب

ہو جائے تو محمود ہے، اور اگر نہ ہو تو مقصود میں کچھ خلل نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے:
”المقامات مقاصد، والأحوال مواہب“۔ خلاصہ یہ ہوا کہ سلوک طریق میں تین امر
مجہوث عنہ ہیں:

۱:۔۔۔ علوم (مسائل):۔۔۔ جن سے مقصود میں بصیرت ہوتی ہے۔

۲:۔۔۔ اعمال:۔۔۔ جو کہ مقصود ہیں اور ان ہی کا اہتمام ضروری ہے۔

۳:۔۔۔ احوال:۔۔۔ جو کہ مقصود نہیں، گو محمود ہیں، ان کے درپے نہ ہونا چاہئے۔

چونکہ مقصود تو اعمال ہیں، پس اعمال کی تصحیح و تیسیر کے لئے بعض چیزیں
(ذرائع) مدد و معین ہیں، نیز بعض چیزیں (توابع) احوال میں سے غیر محتلمۃ الضرر
ہیں، اور بعض محتلمۃ الضرر ہیں، اسی طرح اعمال و ذرائع میں بعض مفید بلاخطر ہیں اور
بعض مفید مع الخطر ہیں، جن کا نقشہ حسب ذیل ہے:

وہ چیزیں جو مدد و معین اور سہولت دینے والی ہیں، چار ہیں: ۱:۔۔۔ قلت کلام،

۲:۔۔۔ قلت طعام، ۳:۔۔۔ قلت اختلاط مع الانام، ۴:۔۔۔ قلت منام۔

قلت کلام... کی تدبیر یہ ہے کہ بلا ضرورت کلام نہ کریں، اور ضرورت کی
حد یہ ہے کہ اندیشہ ہو کہ کلام نہ کرنے سے نقصان ہوگا، یا بڑا فائدہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی
کچھ بات پوچھے تو بقدر ضرورت جواب دے کر ذکر وغیرہ میں مشغول ہو جائیں، اسی
طرح بلا ضرورت کسی کے پاس نہ جائیں۔

قلت طعام:۔۔۔ اتنا کھائے کہ عبادت و معاش حاصل کرنے کی قوت رہے۔

قلت منام:۔۔۔ اتنا نیند کرے کہ صحت میں نقص نہ ہو، زیادہ نیند کرنا مضر ہے۔

قلت اختلاط مع الانام:۔۔۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تعلقات سابقہ کم

کرے اور بقدر ضرورت و کفایت آمد و رفت اور میل جول رکھے، ہو سکے تو اس سے

بھی کم کرتا جائے۔

وہ اعمال (ذرائع میں سے) جو غیر محتمل الضرر اور مفید بلا خطر ہیں:
 ۱:.... ذکر:.... میں ذات کی طرف بغرضِ محبت توجہ کرنے سے مذکور کی محبت بڑھتی ہے، بشرطیکہ اخلاص ہو، ذکرِ قلبی میں توجہ اور کششِ الہی دل میں ہونا ضروری ہے۔ دواماً ہو تو اعلیٰ و افضل ہے، اور عدمِ دوام بھی بڑی چیز ہے، اور ذکرِ قلبی میں حرکت و جنبش ضروری نہیں۔

۲:.... شغل:.... میں تصور ”اسم ذات“ ہوتا ہے، اسمِ ذات کی کثرت پر ”ذکرِ قلبی“ مرتب ہو جاتا ہے۔

۳:.... مراقبہ:.... میں رحمتِ خاص و عام کا منتظر رہنا ہوتا ہے۔ مراقبات کثیر ہیں، ابتدائی مراقبہ فکرِ موت، قبر، حشر اور ربِّ العالمین کی پیشی ہے۔

وہ احوال (توابع میں سے) جو غیر محتمل الضرر اور مفید بلا خطر ہیں، وہ یہ ہیں:

۱:.... وحدة الوجود، ۲:.... فنا، ۳:.... بقا، ۴:.... اجابتِ دُعا، ۵:.... فراستِ صادقہ،

۶:.... رُویا صالحہ، ۷:.... وجد۔

۱:.... وحدة الوجود:

وحدة الوجود کی اجمالی حقیقت یہ ہے کہ ممکناتِ نظر سے غائب ہو جائیں اور اپنی ہستی کو مٹا کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا مشاہدہ کرے، نہ کہ ممکنات کو خدا مان ليوے۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قول میں صاف تصریح کر دی ہے کہ: ”انا الحق“ کے معنی یہ ہیں کہ: میں کچھ نہیں ہوں۔ یہ معنی نہیں کہ: میں سب کچھ ہوں۔

(سیرت ابن منصور ص: ۱۷۸)

وحدة الشہود، وہی وحدة الوجود ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ جیسے ماہتاب کا نور آفتاب کے نور سے حاصل ہوتا ہے، پس اگر ماہتاب کے ظلی نور کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ وحدة الوجود کی مثال ہے، اور اگر کچھ نہ کچھ اعتبار کیا جائے گو وہ ماہتاب، آفتاب کے

نور کے ظہور کے وقت مسلوب النور ہو جائے، تو یہ وحدۃ الشہود کی مثال ہے۔

۲... فنا:

اگر سالک کے اوصافِ ذمیدہ، اوصافِ حمیدہ سے تبدیل ہو جائیں تو اس کو اصطلاحِ تصوف میں ”فنائے واقعی وحسی“ کہتے ہیں۔ اوصافِ حمیدہ پیدا ہونے کو ”بقا“ کہتے ہیں۔

۳... بقا:

دوسری قسم فنا کی یہ ہے کہ سالک غلبہ شہودِ ذات و صفاتِ حق کی وجہ سے، اپنی ہستی سے بے التفات ہو جائے یا اپنے آپ کو لاشیٰ خیال کرے، اس فنا کو ”فنا علمی“ کہتے ہیں، یہ واقعی وحسی نہیں، اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک غریب سا آدمی کسی شاہی دربار میں دفعۃً پہنچ جائے تو بعض اوقات ہیبت کے مارے اس کو اپنے پرانے کی کچھ خیر خبر نہیں رہتی اور واقع میں سب کچھ ہے، پھر گا ہے اس فنا کا بھی علم نہیں رہتا، اس کو ”فناء الفنا“ کہتے ہیں، اور بعض کے نزدیک اس کو ”بقا“ کہتے ہیں۔

۳... اجابتِ دُعا:

دُعا صحیح ضائع نہیں ہوتی، دُنیا و آخرت میں اس کا اجر مل جاتا ہے، خواہ جلد یعنی دُنیا میں مل جائے، یا بدیر یعنی آخرت میں ملے، اس دُعا صحیح کا عوض ضرور ملے گا۔

دُعا صحیح یہ ہے کہ گناہ کی دُعا یا محال چیز کی دُعا نہ ہو، جیسے یہ دُعا کرنا کہ فرشتہ بن جاؤں، اور قدر سے بڑھ کر نہ ہو (جیسے کہ نبی بن جاؤں) وغیر ذالک۔ دُعا مانگنا سنت اور عبدیت کی علامت ہے، مقاصدِ دُنویہ کے لئے دُعا نہ مانگنا بے ادبی ہے، قرآن کریم کی آیت: ”رَبَّنَا اِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةٌ“ اس کے جواز کی دلیل ہے، آخر دُنیا کے کام اللہ تعالیٰ کے سوا کون پورے کرے گا؟

۴: ... فراستِ صادقہ :

فراستِ صادقہ مؤمن کو نصیب ہوتی ہے اور کافر کی فراست استدراج ہے، فراست کا معنی یہ ہے کہ چیز کی اصل حقیقت نظر آئے۔

۵: ... رؤیا صالحہ :

رؤیائے صالحہ مبشرات میں سے ہے، خواب مؤثر تو ہوتا نہیں، کیونکہ قرب یا بعد میں اس کو دخل نہیں، البتہ اگر واقعی خواب ہو تو کسی فعل بد یا نیک کا اثر ہو سکتا ہے، اور ہم جیسوں کا خواب تو درحقیقت خواب ہی نہیں، اس لئے وہ مؤثر نہیں، اثر کا نہ ہونا اس لئے کہ وہ قابل التفات ہی نہیں۔

۶: ... وجد :

وارد فیوض کے آنے سے قلب میں برداشت نہیں رہتی اور بدن قابو میں نہیں رہتا۔

وہ اعمال (ذرائع میں سے) جو محتمل الضرر اور مفید مع الخطر ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱: ... تصوّرِ شیخ، ۲: ... عشقِ مجازی، ۳: ... سماع۔

۱: ... تصوّرِ شیخ :

اس کو برزخ و رابطہ کہتے ہیں، اس کا فائدہ یکسوئی و تقویتِ نسبت ہے، عوام کو مضر اور خواص کو مفید ہے۔

۲: ... عشقِ مجازی :

عشقِ مجازی اکثر کو مضر اور بعض کو یکسوئی کا فائدہ دیتا ہے، جبکہ غیر ارادی طور پر ہو جائے اور کوئی حرکت خلاف شرع نہ کرے۔

۳: ...سماع:

شرايطِ سماع چار ہیں:

۱: ...سماع (سننے والا) از اہل شہوت و ہوانہ ہو۔

۲: ...مسمع (سنانے والا) کامل مرد ہو، عورت اور نابالغ نہ ہو۔

۳: ...مسموع (جو کچھ سنایا جا رہا ہے وہ) ہزل و فحش نہ ہو۔

۴: ...آلہ سماع، مثلاً: چنگ و رباب نہ ہو۔

ان تمام شرائط سے سماع جائز ہے، کذا فی الفوائد، بایں ہمہ سماع کیفیت غالبہ کو قوت دیتا ہے، اگر سماع کو حسب غیر اللہ ہے تو اس کو مدد دے گا، اور اگر ماسوی اللہ سے منقطع ہے، تو اس کی اعانت کرے گا۔

وہ احوال (توابع میں سے) جو محتمل الضرر اور مفید مع الخطر ہیں، وہ یہ ہیں:

۱: ...تصرف، ۲: ...کشفِ کوئی، ۳: ...کشفِ الہی، ۴: ...وحدة الوجود مع السكر۔

۱: ...تصرف:

ریاضت و مجاہدہ شاقہ پر کبھی تصرف مترتب ہو جاتا ہے، مثلاً: توجہ سے بیمار کو شفا ہو جائے اور دشمن مغلوب ہو جائے، یہ تو کافر و مؤمن میں مشترک ہے، اس لئے بزرگ اس سے بہت خائف ہوتے ہیں۔

۲: ...کشفِ کوئی:

یہ دنیاوی معاملات کا ظہور ہے کہ دُور کی چیز نظر آجائے یا قلب میں اس کا ظہور ہو، اس میں بھی عامل بالسنہ و غیر عامل بالسنہ مساوی ہیں، لہذا یہ بھی کوئی کمال کی چیز نہیں۔

۳: ...کشف الہی:

صفات و افعال الہی کا ظہور ہو، مثلاً کسی کی تقدیر کا راز کھل جائے، یہ مؤمن کو نصیب ہے، مگر نہ ہونے سے سلوک میں نقص نہیں۔

۴: ...وحدة الوجود مع السكر:

انوارِ غیب کے غلبہ سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا، سکر ہے، اور اس امتیاز کا عود کرنا صحو ہے۔

فائدہ: ...تصرف، انوار وغیرہ محتملہ الضرر اس لئے ہیں کہ ان میں عجب، کبر وغیرہ کا مرض پیدا ہو جاتا ہے:

مبارک معصیتے کہ مرا بہ حذر آرد

زنہار زطاعتے کہ مرا بہ عجب آرد

موانع طریق:

موانع طریق یہ ہیں: حسن پرستی، تعجیل، تصنع، مخالفت سنت اور مخالفت شیخ۔
فائدہ: ...مخالفت سنت کا ضرر متیقن ہے، نہ کہ محتمل، مگر بطور استدراج کے اس میں کچھ کیفیات نظر آتی ہیں، اسی لئے وہ چیزیں محمود معلوم ہوتی ہیں، مگر انجام خراب ہوتا ہے۔

عرض: ...خلاصہ و نقشہ تصوف پیش خدمت ہے، مدعی صحت کا نہیں ہوں، اگر واقعی کوئی دیکھ لے اور اس کو غلطی نظر آجائے تو اصلاح کر دے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

فوائد مختلفہ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ

اِصْطَفَىٰ خُصُوصًا عَلَىٰ سَيِّدِنَا خَيْرِ الْوَرَىٰ مُحَمَّدٍ

الْمُصْطَفَىٰ وَعَلَىٰ آلِهِ الْمُجْتَبَىٰ وَأَصْحَابِهِ الْمُرْتَضَىٰ

وَعَلَىٰ أُمَّتِهِ الَّذِينَ اهْتَدَوْا بِالْهُدَىٰ، أَمَّا بَعْدُ!

چند نصائح، کتب حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

العزیز سے تلاش کر کے پیش خدمت ہیں، اگر پڑھ لیں یا سن لیں تو زہے شرف، اور

”گر قبول افتد زہے سعادت“ کہ بندہ اور ناشر کے لئے حسن خاتمہ کی دُعا کر دیں:

شاہاں را چہ عجب گر بنوازند گدارا!

دُرود شریف کا حکم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ”صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کہنا ایک مجلس

میں ایک ہی بار فرض ہے، اس کے بعد اگر پچاس دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام

مبارک زبان پر آئے تو بار بار دُرود شریف پڑھنا فرض نہیں، ہاں! محبت کا تقاضا یہ ہے

کہ ہر بار ”صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کہے۔

ثمرات مقصود نہیں، صرف رضائے الہی مقصود ہے:

اگر کوئی بچہ بیمار ہو تو دوا دارو کرو، مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہو جائے، بلکہ معالجہ محض ذاتِ حق کے لئے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو، علاج کرو، ثمرہ پر نظر نہ کرو۔ اسی طرح ذکر و شغل میں لگو تو رضائے حق پر نظر رکھو، لذت و شوق وغیرہ کو مطلوب نہ سمجھو، اگر قبض ہو تو خوش رہو، بسط ہو تو خوش رہو، کیفیات نہ ہوں تو خوش رہو، کیفیات ہوں تو خوش رہو:

زندہ کنی عطاءے تو

گر بہ کشی رضائے تو

ناخوش تو خوش بود بر جان من

دل فدائے یار دل رفجان من

مشورہ کی برکت:

اگر بڑا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ غلطیوں سے محفوظ رہے گا، چہ جائیکہ چھوٹا اپنے بڑوں سے کرے، وہ تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

تصوف کا ہر شخص اہل ہے:

تصوف کے سیکھنے کی استعداد ہر مسلمان میں ہے، کیونکہ تصوف کا مقصود اصلی ادائے مأمور بہ ہے، اور مأمور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے، اور اختیاری امر کا ہر شخص اہل ہے۔ دراصل تصوف نام ہے مقامات کا، لوٹنے پوٹنے کا نام تصوف نہیں، بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے، اور مقامات بھی ملکات ہیں، مثلاً: اخلاص، رضا، تواضع وغیرہ، ان کا حصول ہو جائے، اور ان کی اضداد، مثلاً: ریا، کبر، اعتراض وغیرہ سے نکل جاؤ، بس صوفی ہو گئے۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی حقیقت:

مکہ مکرمہ کی حقیقت تجلی الٰوہیت، اور مدینہ منورہ کی حقیقت تجلی عبدیت ہے، اور عارف ہر وقت اپنے اندر تجلی الٰوہیت اور تجلی عبدیت کا مشاہدہ کرتا ہے، وہ جہاں بیٹھے گا، مکہ اور مدینہ اس کے ساتھ ہے، توحید میں اللہ تعالیٰ کے سوا نفع و نقصان میں کسی غیر پر نظر ہی نہیں رہتی، اور عبادت و طاعت اور ہر کام سنتِ سنہ کی مطابقت میں بسر ہوتا ہے۔

عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کرنے کا نکتہ:

قرآن مجید میں جا بجا عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ تم جو ہماری عبادت کرتے ہو، حقیقت میں ہم سے مانگتے ہو، اسی لئے غائبانہ غیر اللہ کو پکارنا، حرام ہے، کیونکہ وہ عبادت کا فرد ہے، اور غیر اللہ کی عبادت حرام ہے۔

توحید کی برکت:

موحد کو ایسا اطمینان ہوتا ہے جیسا بچے کو ماں کی گود میں اطمینان ہوتا ہے، بچہ ماں کی گود میں جا کر بالکل بے فکر ہو جاتا ہے کہ بس اب کسی کا خوف نہیں۔

دین بزرگوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے:

اہل عشق میں امراضِ قلب، مثلاً: تکبر، ریا وغیرہ نہیں ہوتے، اور زاہدانِ خشک میں تکبر، ریا، عجب وغیرہ بہت سے امراض ہوتے ہیں، اسی لئے عشاق کی صحبت کی ضرورت ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

قرآن رُونمائے حق ہے:

جو دُنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہے، وہ قرآن میں خدا تعالیٰ کو دیکھے، واقعی
قرآن رُونمائے حق ہے، یعنی اس کے ذریعے حق تعالیٰ کی صفات کمال کا مشاہدہ
ہوتا ہے۔

وحدة الوجود کی حقیقت:

وحدة الوجود یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا مشاہدہ کرے، نہ
یہ کہ خدا کی ہستی کو مٹا کر اپنی ہستی کا مشاہدہ کرے، محققین کا قول ہے کہ وجود حقیقی
کالمیلین کے پیش نظر رہتا ہے، اور ماسوا کو وہ لاشیٰ اور کالعدم سمجھتے ہیں، نیز یہ فرماتے
ہیں کہ: وحدة الوجود تو ایمان ہے، اور اتحاد وجود کفر ہے۔

فنا و بقا کی تعریف:

یہاں تم جو اپنی جان پیش کرتے ہو، سڑی ہوئی ہے، کیونکہ صفاتِ رذیلہ سے
متصف ہے، اور حق تعالیٰ اس کے عوض میں تم کو ایسی جان عطا فرماتا ہے جو لطیف اور
شفیف ہے، کیونکہ وہ اب متصف بصفاتِ الہیہ ہو جاتی ہے، اسی کا نام فنا و بقا ہے، اس
کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کیمیاوی طریقے سے تانبے کو سونا بنا دیا جائے۔

عقائد:

عقائد کی تعلیم، اعمال کی تکمیل کا آلہ ہے، اس جملہ خبریہ سے محض خبر مقصود
نہیں، بلکہ انشاء مقصود ہے، یہ مت سمجھو کہ عقائد سے اعتقاد ہی مقصود ہے، بلکہ اس کی

تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اپنے دل میں جماؤ اور دوسرا مقصود یہ ہے کہ اس عظمت کے مقتضا سے کام لو، خلاصہ یہ کہ عقائد کو تکمیل اعمال کا آلہ بناؤ۔

عظمت حق کا اثر:

قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی عظمت دل میں آجائے تو کسی کی زبان سے اپنے بارے میں ”مولانا صاحب“ یا ”حافظ صاحب“ وغیرہ تعظیمی الفاظ سننے سے شرم آنے لگے گی۔

بچوں پر زیادتی:

بچوں پر اگر کسی سے زیادتی ہو جائے تو اس کی تلافی کی تدبیر یہ ہے کہ سزا کے بعد بچوں کے ساتھ شفقت کرے، ان پر احسان کرے یہاں تک کہ وہ خوش ہو جائیں، نیز سزا کے بعد بچوں کو خوش کرنے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ ان کے دل میں معلم سے بغاوت و بغض پیدا نہ ہو جائے، جو علم سے محرومی کا سبب ہے۔

بچوں سے خدمت لینے کا حکم:

بچوں سے ایسی خدمت لینا جس میں والدین کی رضائے ہو، جائز نہیں، اور اگر والدین کی رضا بھی ہو، پھر بھی جو خدمت بچوں کی طاقت سے باہر ہو، یا خلاف سنت ہو، جیسے: بدعات جمعرات، قل خوانی وغیرہ میں خدمت کرانا وغیرہ، ایسی خدمت جائز نہیں۔

فوت شدہ اور لاپتا کے حقوق کی ادائیگی:

اگر کسی شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو، رشوت لی ہو، یا غیبت کی ہو، اور اب وہ مظلوم مرچکے ہوں یا لاپتا ہوں، تو ان کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو

پوری کوشش کرو کہ ان کا پتا لگ جائے، پھر ان کا حق پہنچا دو یا معاف کرالو، اور اگر معلوم ہو کہ وہ مر گئے ہیں تو ان کے مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچا دو یا ان سے معاف کرالو، اگر ورثاء کا پتا نہ لگے تو جتنی رقم ظلم و رشوت سے لی ہے، اتنی رقم خیرات کرو اور یہ نیت کرو کہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں، یہ حقوقِ مالیہ کا حکم ہے۔

اور غیبت، شکایت اور جانی ظلم کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ: اگر مظلوم مر گیا ہو یا لاپتا ہو تو اس کے حق میں دُعا کرو، نماز و قرآن پڑھ کر اس کو ثواب بخشو اور عمر بھر اس کے لئے دُعا کرتے رہو، ان شاء اللہ تعالیٰ، حق تعالیٰ ان کو تم سے راضی کر دیں گے، اگر تم نے کسی کے تمام عمر حقوق مارے ہیں، پھر بھی عزم کر لو اور ادا کرنے پر کمر بستہ ہو جاؤ، اور حسبِ وسعت ادا کرنا شروع کر دو، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تم سے راضی کر دیں گے، اور اگر کسی عذر، مثلاً: افلاس وغیرہ کی وجہ سے مجبوری ہو، تو اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم خود حقوق ادا کر دیں گے اور اس شخص پر اصلاً مواخذہ نہیں ہوگا۔

دین کا کمال کس پر موقوف ہے؟

دین کا کمال دو باتوں پر موقوف ہے، ۱: ... ایک اپنی تکمیل، ۲: ... دُوسروں کی تکمیل، اور دُوسروں کی تکمیل وصیت، نصیحت اور تبلیغ سے ہوتی ہے۔

دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے:

دوستوں سے باتیں کرنا عبادت ہے، اس لئے کہ اس میں تطیبِ قلب

مؤمن ہے، اور وہ عبادت ہے۔

نورِ ایمان کی تحصیل کا طریقہ:

نورِ ایمان کی تحصیل کا طریقہ ذکر و فکر ہے، فکر کا طریقہ یہ ہے کہ: ہر کام میں

سوچ لو کہ اس سے ہم پر بلا تو نازل نہ ہوگی؟ جس کی برداشت نہ ہو سکے، اس کے بعد آپ کی زندگی بہت پُر لطف ہوگی۔ خلاصہ دستور العمل کا یہ ہے کہ:

۱:۔۔۔ ہر کام اور ہر بات کو سوچ کر کرو۔

۲:۔۔۔ اپنے اعمال کا حساب کتاب کیا کرو۔

۳:۔۔۔ اپنی نافرمانیوں کو سوچو اور ان سے توبہ کرو۔

۴:۔۔۔ عذاب کو یاد کرو، اس سے حیاء و خوف پیدا ہوگا۔

۵:۔۔۔ جنت کو یاد کرو، اس سے جنت کی نعمتوں کا شوق پیدا ہوگا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین،

والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ

واتباعہ اجمعین من الصلوۃ والسلام افضلہما

واكملہما وادومہما، امین!

احوالِ تصوف میں بعض ارشادات

اپنے آپ کو بدترین خلاق سمجھنا:

حال: ... اگر سالک کے دل میں یہ خطرہ آتا ہے کہ تو بدترین خلاق ہے، تیرا کوئی نیک کام کسی قابل نہیں۔

تحقیق: ... یہ خطرہ تو بحر معرفت کا ایک قطرہ ہے، خدا تعالیٰ اس کو دریا کر دے۔

غم کی حکمت:

یہ ہے کہ غم سے شکستگی کی شان پیدا ہوتی ہے، جس سے تکبر، غرور وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں ہیں۔

علاج: ... خوف اور حزن رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرے، اس کا سبق روزمرہ نہ پڑھا کرے، دوسرے یہ کہ اپنے ذہن کو اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کرے، ذہن کو کسی اور بات کی طرف لگا دے۔

علومِ مکاشفہ کا درجہ:

علومِ مکاشفہ سب ایسے ہی ہیں، جو قرب میں ذخیل نہیں، مثلاً وحدۃ الوجود یا

تجددِ امثال وغیرہ کہ ان کا قربِ الہی میں کچھ دخل نہیں، گو ان کے اثرات سے کسی ایسے اثر کی نوبت آجائے جس کو قرب میں دخل ہو، جیسے وحدۃ الوجود کے غلبہ سے انقطاع عن الخلق میں قوت ہو جائے، مگر فی نفسہ ان کو قربِ حق میں کوئی دخل نہیں۔

کرامت کا رتبہ:

کرامت کا مرتبہ ذکرِ لسانی سے بھی گھٹا ہوا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ذکر سے کچھ قرب تو حاصل ہوتا ہے، اگرچہ وہ ذکر توجہ سے نہ بھی ہو، لیکن کرامت سے تو کچھ بھی قرب نہیں ہوتا، بلکہ خود کرامت بھی قرب سے پیدا ہوتی ہے، قرب، کرامت سے پیدا نہیں ہوتا، تو غایت مافی الباب وہ علامتِ قرب ہے، بشرطیکہ وہ واقعی کرامت بھی ہو، بے نماز، فاسق و فاجر بلکہ کافر سے بھی بعض ایسی خرقِ عادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں جن کو ”استدراج“ کہتے ہیں۔

علوم کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے:

نہ ان کا کبھی مطالعہ کرے اور نہ ان کی تحقیق کے درپے ہو۔ اجمالاً اہل کشف کی بزرگی کا معتقد رہے، اور اجمالاً ان کی تصدیق بھی کرے کہ کرامت حق ہے۔ کشف صحیح بھی باوجود امن عن التلبیس کے حجت شرعیہ نہیں، نہ خود صاحب کشف پر حجت ہے اور نہ دوسروں پر، اگر وہ کشف شرع کے موافق ہو تو مقبول ہے، ورنہ مردود۔

علوم کشفیہ کو تصوف میں کوئی دخل نہیں، نیز قربِ حق تعالیٰ کا مدار معاملے پر ہے، نہ کہ علوم کشفیہ پر۔ نیز قرب کا مدار اعمال ہیں، نہ کہ احوال۔ اعمال کی مثال درختوں کی سی ہے اور احوال کی مثال گھاس کی، درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے، نہ کہ گھاس کی۔

جو کیفیت معصیت کے ساتھ ہو وہ مردود ہے:

اہل باطل جو بیوی سے علیحدہ رہتے ہیں، اس کا منشا یہ ہے کہ یکسوئی میں خلل نہ آئے، حالانکہ جو کیفیت معصیت کے ساتھ جمع رہے، ایسی کیفیت خود مردود ہے۔ انوار، استغراق اور کشف وغیرہ اگر شریعت کی خلاف ورزی پر بھی باقی رہیں تو ایمان کے سلب ہو جانے کا سخت خطرہ ہے، اس وقت تو معصیت کی نفرت بھی قلب میں ہلکی ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھی بے غم ہو جائے گا اور اعمالِ صالحہ کی بھی قدر نہ رہے گی، اس کے علاوہ کئی اور مفاسد بھی مرتب ہو جائیں گے۔

خواب کا درجہ:

خواب مؤثر تو ہوتا نہیں، کیونکہ قرب یا بعد میں اس کو دخل نہیں، البتہ اگر واقعی سچا خواب ہو تو کسی فعلِ بد یا نیک کا اثر ہو سکتا ہے، اور ہم جیسوں کا خواب تو درحقیقت خواب ہی نہیں، اس لئے کہ وہ مؤثر نہیں، مؤثر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قابل التفات نہیں۔

حجبِ نورانیہ، حجبِ ظلمانیہ سے اشد ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ذوق، شوق، انس، یکسوئی، استغراق وغیرہ حجبِ نورانیہ ہیں، اور حجبِ نورانیہ، حجبِ ظلمانیہ سے اشد ہوتے ہیں، اس لئے کہ سالک حجبِ ظلمانیہ: حسد، کبر وغیرہ کے دفع کرنے کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے، اور حجبِ نورانیہ کو مقصود سمجھ کر ان کو دفع کرنا ہی نہیں چاہتا، جس کی وجہ سے مقصودِ اصلی سے رہ جاتا ہے۔

مطلوب، عقلی گریہ ہے، نہ کہ طبعی گریہ:

بعض سالک دُوسروں کے گریہ و بکا کو دیکھ کر افسوس کرتے ہیں، وہ سن لیں! کہ یہ طبعی گریہ ہے، جو کہ مطلوب نہیں، اور تم کو جو اس پر افسوس ہے، یہ عقلی گریہ ہے، جو تم کو حاصل ہے۔ میں گریہ کو منع نہیں کرتا، لیکن طبعی گریہ نہ ہونے کی بنا پر اپنی محرومی کا اعتقاد کرنا غلط ہے، کیونکہ اصل تم کو حاصل ہے یعنی افسوس۔

اللہم صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلہم

عبداللہ عفی عنہ
از بہلی

ذکر اللہ اور اس کے متعلقات

ذکر میں ضرب کا حکم:

ذکر میں ضرب کا خاص طریقہ نہ مقصود ہے اور نہ مقصود کا موقوف علیہ۔ جس طرح بے تکلف ذکر ہو سکے، کافی ہے۔

تصویر بوقت ذکر:

ذکر کے وقت اولیٰ تو تصویر مذکور، یعنی حق تعالیٰ کا تصور ہے، لیکن اگر یہ خیال نہ جے تو پھر اس طرح خیال کرے کہ یہ ذکر قلب سے ادا ہو رہا ہے۔

تصویر الی السماء کا حکم:

ذکر، شغل اور تلاوت میں، حق تعالیٰ کا تصور کرتے ہوئے بلا تکلف آسمان کی جانب خیال بندھ جائے تو اس کے دفع کرنے کا قصد نہ کریں، یہ تصور فطری ہے، دفع ہو نہیں سکتا، اور کوئی بھی اس سے خالی نہیں، لیکن بالقصد ایسا نہ کریں۔

ذکر میں عدم لذت اَنفَع ہے:

ذکر میں لطف و لذت کا حاصل ہونا ایک نعمت ہے، اور نہ ہونا دوسری نعمت ہے، جس کا نام ”مجاہدہ“ ہے، یہ اول سے اَنفَع ہے، گو اَلذَّیْ یعنی زیادہ لذت والا نہ ہو۔

ذکر میں وضو کا حکم:

باوضو ذکر کرنے سے زیادہ برکت ضرور ہوتی ہے، لیکن وضو قائم رکھنا

ضروری نہیں۔ اگر کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو اور بار بار وضو کرنے سے تکلیف ہو تو تیمم کر لے، مگر اس تیمم سے نماز و مسِ مصحف جائز نہیں، اور اذان کے وقت ذکر سے رُک جانا اولیٰ ہے۔

ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق:

مبتدی کا اگر ذکر کرنے سے جی گھبراتا ہے تو سمجھ لو کہ مشقت بھی نفع میں جی لگنے سے کم نہیں۔ جس طرح ہو سکے حتیٰ الوسع ذکر کو پورا کر لیا جائے، آہستہ آہستہ سب دُشواری مبدل باسانی بن جائے گی، اور منتہی جو اکثر وقت ذکر میں مست ہے، کثرتِ ذکر سے اگر کسی وقت اس کی طبیعت اُکتا جائے تو چند منٹ یا گھنٹہ ذکر نہ کرے، تاکہ طبیعت کو از سر نو نشاط ہو جائے۔

نماز میں ذکر کا حکم:

نماز میں نہ ذکرِ لسانی چاہئے، نہ قلبی، بلکہ توجہ الی الصلوٰۃ مطلوب ہے، اگر خود بخود ذکرِ قلبی جاری ہو جائے تو پھر بھی حتیٰ الوسع نماز کی طرف توجہ کرے، اور ذکرِ قلبی تحرک کا نام نہیں، بلکہ ملکہ یا دداشت کا نام ہے۔

ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج:

کسی وظیفے میں یہ اثر نہیں کہ اس سے عبادت میں جی لگنے لگے، اسی طرح اس کی اور کوئی تدبیر بھی نہیں، محققین نے جی لگنے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ: کام میں ہمت سے لگا رہے، جی لگنے کا قصد نہ کرے، نہ انتظار کرے، حتیٰ الوسع ذکر اور اس پر مداومت اس کے اختیار میں ہے سو وہ کرتا رہے، ان شاء اللہ تمام برکات اسی پر مرتب ہو جائیں گی، جو اس وقت نظر میں نہیں، کچھ مدت کے بعد نظر آ جائیں گی۔ سلوک کا طے ہونا توجہ ہونے اور جی لگنے پر موقوف نہیں، سلوک اصلاح پر موقوف

ہے، اور مداومت ذکر اس کا زینہ ہے۔

دُرود شریف:

حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود شریف بھیجنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ دُرود شریف پڑھتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے جذبہ شکر یہ کا ارادہ کرے، اور پھر اس پر ثواب کا وعدہ مزید برآں ہے۔ اور دُرود شریف وہ طاعت ہے جو کبھی ردّ نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم شہزادہ کے متعلق ایسی سفارش کریں جس کو بادشاہ خود کرنے والا ہو تو ایسی سفارش کیسے ردّ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ایک بار دُرود شریف پڑھنا واجب ہے، اور اس کے بعد ہر بار نام مبارک سن کر دُرود شریف پڑھنا واجب نہیں، ہاں! محبت کا اقتضایہ ہے کہ ہر بار ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھا کرے۔

فائدہ:.... ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں ”مشاہدہ“ کہتے ہیں، اور ذات کے تصور کرنے کو معائنہ کہتے ہیں۔

ذکر و فکر، استغراق سے افضل ہیں، اس لئے کہ ذکر و فکر میں ترقی ہوتی ہے اور استغراق میں ترقی نہیں ہوتی، وہ ایک عام حالت کا نام ہے، ذکر و صلوٰۃ کو قرب میں زیادہ دخل ہے، بہ نسبت مطالعہ کتب کے، مطالعہ کتب مقصود بالغیر ہے، اور عمل مقصود اصلی ہے، گولڈن مطالعہ میں زیادہ ہے، مگر جزو بدن غذا بنتی ہے، نہ کہ چٹنی۔

فائدہ:.... ذکر میں اگر ریا کا شائبہ محسوس ہوتا ہے تب بھی ذکر نہ چھوڑے، یوں سمجھو کہ یہ ٹمٹاتا چراغ ہے، جو آخر کار پل صراط سے پار کر ہی دے گا، اور ذکر نہ کرنے والے کے پاس تو یہ ٹمٹاتا چراغ بھی نہیں۔

اللہ اور رسول کا مقصود:

اللہ اور رسول کا مقصود یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنا اصلی کام بنا لو، اور دوسرے سب کاموں کو تابع بناؤ، اگر زبان سے ہر وقت ”اللہ، اللہ“ کرنا یاد نہ رہے تو تسبیح ہاتھ میں رکھو، اور ریا کا خوف نہ کرو، کیونکہ ریا وہ ہے جو بقصد و ارادہ ہو، اور بلا قصد و بلا ارادہ محض وسوسہ ریا ہے، اور وسوسہ ریا، ریا نہیں۔

تمام کاموں میں نفس کو مشقت کا عادی بناؤ:

تمام کام، خواہ دینی ہوں یا دنیوی، تمدنی ہوں یا سیاسی، سب کی غرض اور بنیاد نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے، اگر نفس کبھی ذکر و مراقبہ اور عمل سنت وغیرہ میں سستی کرے تو اس پر نوافل اور روزہ کا جرمانہ لگائے، اور اگر پھر بھی ہمت ہارے تو پوری ہمت سے اس کو تاہی پر مالی جرمانہ مقرر کرے اور ادا کرے، بس نفس اصلاح میں آتے آتے آجائے گا۔ اور امور اختیار یہ، مثلاً: ذوق، شوق، انوار، استغراق اور کشف وغیرہ کے درپے نہ ہو، اگر مل جائیں تو الحمد للہ، اگر نہ ملیں تو بلا سے نہ ملیں، مقامات کا حاصل کرنا مقاصد سے ہے، مثلاً: توکل، رضا اور شکر وغیرہ، نہ کہ حالات کا، اس وقت یہ مذہب اختیار کرے:

یا بَمِ یَا نَہِ یَا بَمِ جَسْتَجَوَّیْ مِی کَنَمِ
حَاصِلِ آئِدِ یَا نِیَیْدِ آرْزَوَّیْ مِی کَنَمِ
یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِم

عبداللہ عفی عنہ نقشبندی قادری

ساکن بہلی ڈاک خانہ،

غازی پور ضلع ملتان

حصولِ نسبت کی حقیقت

ولایت دو قسم پر ہے، ا: ... ولایتِ خاصہ ۲: ... ولایتِ عامہ۔
 ولایتِ عامہ: ... ہر مسلمان کے لئے ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”اللَّهُ
 وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا“ (البقرہ: ۲۵۷)۔
 ولایتِ خاصہ: ... موقوف ہے حصولِ نسبت پر، اور حصولِ نسبت موقوف
 ہے چند چیزوں پر۔

اول: ... اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کی بہ تکلف اصلاح کرے، بالخصوص اعمالِ
 باطنہ (قلبیہ) کی اصلاح زیادہ اہم اور دُشوار ہے، جب اعمالِ صالحہ ظاہرہ و باطنہ پر
 ایک ”معتدبہ“ مدت تک مواظبت و دوام کرے گا تو رفتہ رفتہ ان اعمال میں سہولت
 ہونے لگے گی، اسی سہولت کے حصول کے لئے تمام مراقبات، ریاضات، مجاہدات،
 اذکار اور اشغال کرائے جاتے ہیں۔

مجاہدہ سے انسان میں سہولت، دوامِ طاعت کی ایک کیفیتِ راسخہ پیدا
 ہو جاتی ہے، جس پر حق تعالیٰ کی رضائے دائمی مرتب ہوتی ہے اور یہی نسبت مع اللہ کی
 حقیقت ہے، اور صرف ذکرِ دائم، دوامِ حضور یا ملکہِ یادداشت جس کو کہتے ہیں، وہ
 نسبت کی حقیقت نہیں ہے، البتہ حصولِ نسبت میں معین بہت ہے، کیونکہ جب ہر وقت

اللہ پاک کا دھیان رہے گا تو نافرمانی کا ہونا مشکل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ رضا و قبول کا ایک خاص تعلق ہو جائے، جس کے لوازم سے بندہ کے لئے سہولتِ طاعت اور حضورِ دائم ہے، اور یہ نسبت کا عطا ہونا محض موہوب ہے، کیونکہ کسی عملِ صالح میں یہ قابلیت و قوت نہیں کہ وہ رضائے الہی کے لئے کافی ہو سکے، گو عادت اللہ یہ ہے کہ محض اپنے فضل سے وہ اپنی رضا کو اعمالِ صالحہ پر مرتب فرمادیتے ہیں۔

نیز واضح ہو کہ نسبت مع اللہ عادتاً حصول کے بعد پھر کبھی زائل نہیں ہوتی، جیسے بالغ ہونے کے بعد صفتِ بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی، صوفیہ کے قول: "الفانی لا یرد" کا یہی مطلب ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فانی واصل ہے، یعنی صاحبِ نسبت سے کبھی صدورِ معصیت کا ہو جانا اس نسبت کے لئے مزیل نہیں ہے، اس کو ایسے سمجھ لو کہ گہری دوستی کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی شکر رنجی نہ ہو، یا تکمیلِ صحت کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی زکام نہ ہو، مگر وہ عارضی ہوگا، تدارک کے بعد پھر وہی حالتِ صحت لوٹ آئے گی، ایسے ہی یہاں بھی جلدی عنایت سے یعنی توفیقِ توبہ سے تدارک ہو جاتا ہے۔

دوم: ... نسبت کے حصول کے لئے اتباعِ سنت کو بہت دخل ہے کہ اس سے انجذاب پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ تتبعِ سنت محبوب ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ" (آل عمران: ۳۱)۔

محبت میں انجذاب ہوتا ہے اور انجذاب سے نسبت پیدا ہوتی ہے۔ نسبت کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی صحبت میں "رغبت الی الآخرة اور نفرت عن الدنيا" کا اثر ہو، اور اس کی طرف دین داروں کو زیادہ اور دنیا داروں کو کم

توجہ ہو، مگر یہ پہچان خاص کر اس کے جزو اول کا ادراک ”اہل طریق“ کو زیادہ، اور مجوہین کو کم ہوتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ فاسق یا کافر یا بدعتی صاحب نسبت نہیں ہو سکتا، بعض لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات کو، جو ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ ہوتی ہیں، سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ کیفیات تو ہر مرتاض میں ہو سکتی ہیں، مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

نیز یاد رکھنا چاہئے کہ حصول نسبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آدمی کو ہر چیز سے زیادہ تعلق ہو جاتا ہے، جب یہ تعلق ہو جاتا ہے تو پھر کسی دنیاوی شے کے فوت ہونے پر زیادہ قلق نہیں ہوتا، اسی لئے ذکر کی تلقین کی اجازت کے لئے، حصول نسبت شرط ہے۔

بیعت و تلقین کی اجازت کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص طریق تربیت و اصلاح سے بھی واقف ہو، تاکہ طالبین کی صحیح خدمت کر سکے۔

سوم: ... حصول نسبت کے لئے تیسری چیز ”شیخ بصیر فی امراض القلب“ (قلب کے امراض میں صاحب بصیرت شیخ) کا اتباع ہے، اس لئے کہ بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں اور شیخ محقق و عارف کی تنبیہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے، اور اگر سمجھ میں آجائیں تو ان کا علاج سمجھ میں نہیں آتا، اور حصول نسبت کے لئے امراض روحانیہ سے صحت شرط ہے، اس لئے شیخ محقق سے تعلق ضرور ہونا چاہئے۔

تحصیل نسبت کے لئے اکسیر نسخہ:

امور دو قسم پر ہیں:

- ۱... اُمورِ اختیاریہ: مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔
 ۲... اُمورِ غیرِ اختیاریہ: مثلاً: ذوق، شوق، صحوا اور سکر وغیرہ۔

اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج:

اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت و استقلال کے کچھ نہیں، اور افعالِ شرعیہ سب اختیاری ہیں، ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے، جب انسان اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے، البتہ شروع میں دشواری و کلفت ضرور ہوگی، لیکن اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر بہ تکلف اور بہ جبر کام لیتا رہے، رفتہ رفتہ وہ کلفت سہولت سے بدل جائے گی، سارے مجاہدات بس اسی لئے ہیں کہ امتثالِ اوامر اور اجتنابِ نواہی میں سہولت پیدا ہو جائے۔ کرتے کرتے مشق ہو جاتی ہے، پھر نہایت سہولت سے احکام پر عمل ہونے لگتا ہے، جیسے سبق پڑھتے پڑھتے یاد ہو جاتا ہے، اگر شروع کی کلفت اور دشواری کی حالت میں ہمت ہار دی تو پھر کامیابی مشکل ہو جائے گی۔ تمام دینی، دنیاوی، تمدنی، اور سیاسی مصالح کی بنیاد نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے، اگر نفس کبھی سستی کرے تو اس پر نوافل اور روزہ کا جرمانہ لگائے، اگر پھر بھی ہمت ہارے اور کوتاہی کرے تو پوری ہمت سے اس پر مالی جرمانہ لگائے اور اس جرمانے کو ادا کرے، بس نفس اصلاح میں آتے آتے آجائے گا۔

خلاصہ تصوف: علم مع العمل ہے:

غیر اختیاری اُمور کے بارے میں طرزِ عمل یہ ہو کہ اُمورِ غیرِ اختیاریہ کے حاصل کرنے کے درپے نہ ہو، اور ان کے پیچھے نہ لگے، مثلاً ذوق، شوق، استغراق،

انوار وغیرہ نہ ہوں تو بلا سے نہ ہوں، اس لئے کہ احوال کے نہ ہونے سے سلوک میں کوئی نقص نہیں، کیونکہ مقامات مقاصد ہیں، نہ کہ احوال، بلکہ طالب صادق کو غلام بن کر رہنا چاہئے، ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس وقت یہ مذہب اختیار کرے:

یا بھم یا نبھم جبتوئے می کنم

حاصل آید یا نبھم آرزوئے می کنم

ایسی غلامی دیکھ کر آقا کو رضا و قبول کا ایک خاص تعلق اپنے غلام سے ہو جاتا

ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اللہم ارزقنا۔

اللہم صل وسلم دائمًا ابداً

علی حبیبک خیر الخلق کلہم

اصلاحِ رذائل

دُنیا ئے مذموم کی شناخت:

ضرورت کی بنا پر مطلق مال کی خواہش حسبِ دُنیا نہیں۔

حبِ دُنیا کی علامت:

حرام مال کے جمع کرنے سے نہ بچنا، یا اپنی حاجات سے زائد جمع کرنا،

اگرچہ حلال سے ہو، اور بوقتِ ضرورتِ شرعی خرچ نہ کرنا۔

غفلتِ مذموم:

غفلتِ مذموم یہ ہے کہ بے شغلی کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بے توجہ رہے،

اور ایسا شغل جو توجہ الی اللہ سے مانع ہو، اسے بلا ضرورت اختیار کرے۔

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زُہد نہیں:

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زُہد نہیں، خلافِ زُہد وہ ہے کہ اس مال کو ذریعہ

معاصی بنالے، بعضوں کے لئے مال دار ہونا مفید ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو

مال سے قرب ہوگا؟ اور کس کو افلاس سے؟ اسی لئے کسی کو مال دیتے ہیں اور اپنا بناتے

ہیں، اور کسی کو افلاس دے کر صبر و شکر کی توفیق سے نواز کر اپنا بناتے ہیں۔

حصولِ دُنیا پر فخر کرنے کی مثال:

حصولِ دُنیا پر فخر کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے دو بھنگی آپس میں فخر کریں، ایک کہے کہ: ”میں نے گوہ (پاخانہ) کے اتنا ٹوکے کمائے“، دوسرا کہے: ”میں نے تجھ سے زیادہ کمائے“۔

کسبِ دُنیا مذموم نہیں:

کسبِ دُنیا مذموم نہیں، حبِ دُنیا مذموم ہے۔ کسبِ دُنیا (مال) مذموم نہیں، البتہ اس کی محبت کا دل میں لانا، اس کا ذکر کرنا، خواہ پیرایہِ مذمت میں ہی کیوں نہ ہو، یہ ممنوع ہے، کیونکہ جس چیز کی وقعتِ دل میں نہ ہو، اس کا ذکر بطورِ مذمت کے بھی نہیں کیا جاتا۔

دُنیا کی مثال:

عارفے در خواب رفت فکرے
دید دُنیا بصورتِ بکرے
کرداز وے سوال کائے دلبر
بکر چوئی با ایں ہمہ شوہر
گفت یک حرف باتو گویم راست
کہ مرا ہر کہ بود مردِ نخواست
دانکہ نامرد بود خواست مرا
زانکہ نخواست ہمیں بجا است مرا

ترجمہ: ”ایک عارف کسی فکر میں سو گیا، دُنیا کو خوب

صورتِ جوانِ عورت کی شکل میں دیکھا، تو اس سے سوال کیا:

اے پیاری عورت! تو نے اتنے شوہر بنائے مگر پھر بھی جوان ہے؟ کہا کہ: ایک بات میں کہتی ہوں جو سچ ہے کہ: جو مرد تھا اس نے مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا، اور جو نامرد تھا اُس نے چاہا ہے، اور جس نے نہیں چاہا، میرے نزدیک وہ بہتر ہے۔“

حرصِ مذموم کی شناخت:

شریعت میں حرصِ مذموم وہ ہے جس سے دُنیا کو دین پر ترجیح ہونے لگے، وگرنہ وہ حرص، حرص نہیں، اگر مال کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ بنالے تو وہ محبتِ مذموم نہیں، بلکہ کسی درجے میں مطلوب و محمود ہے، کیونکہ مال کا ضائع کرنا حرام ہے۔

حرص کا علاج اور خوشی کا راز:

مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، سب سے اُمید قطع کر دے، قلب اور بدن، سب راحت میں آجائے گا، اور غم کا فور ہو جائے گا۔

بخلِ مذموم:

بخلِ مذموم وہ ہے کہ جس سے حقوقِ واجبہ فوت ہو جائیں۔ محض قلب کی تنگی جبکہ حقوقِ واجبہ فوت نہ ہوں، حبِ مال نہیں، بلکہ حبِ اعتدال ہے۔

بخیل کی اجازت:

بخیل کی اجازت بھی مشکوک ہے، اور سخی دوستوں سے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے، بشرطیکہ دل گواہی دے کہ اس کو ناگوار نہ ہوگا، بلکہ چھین کر کھانا بھی جائز ہے۔ (انفاسِ عیسیٰ ص: ۱۹)

اسراف سے بچنے کا طریقہ:

خرچ کرنے سے پہلے سوچا کرو کہ اس جگہ خرچ نہ کرنے سے کچھ ضرر ہوگا یا نہیں؟ اگر واقعی ضرورت ہو اور خرچ نہ کرنے سے حقیقی نقصان ہو تو خرچ کرو، ورنہ نہ کرو، کیونکہ وہمی و خیالی ضرر معتبر نہیں، معیار تو ہر حال میں شریعت ہے، اس طرز کو اختیار کرنے سے اسراف سے بچ جاؤ گے، اور بیوی کا دل خوش کرنے کے لئے کوئی چیز خریدنا اسراف نہیں، کیونکہ بیوی کا دل خوش کرنا بھی مطلوب ہے۔ اسراف وہ ہے کہ جس میں ثواب یا دنیاوی نفع ”معتد بہ“ نہ ہو۔

علاج: ... اہل اللہ کی وضع رکھو، بلا ضرورت ہرگز مقروض مت بنو، گورسم و رواج کے خلاف کرنا پڑے، ہر کام سوچ سے کرو، کسی کے کہنے سے کوئی کام مت کرو، بلکہ اس میں اپنی رائے قائم کرو:

سن لاکھ تجھے کوئی سناوے
کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

حرصِ طعام اور اس کا علاج:

خوارک کم کرنے کی فکر میں نہ پڑیں، ضعف ہو جائے گا، جب خدا تعالیٰ نے کھانے کو دیا ہے اور کھانے کی اجازت بھی دی ہے، پھر تنگی کیوں کریں؟ پیٹ بھر کر کھانا گناہ نہیں، ہاں! زیادہ کھانے سے اگر ضرر کا احتمال ہو تو پھر زیادہ کھانا، اپنے کو بیماری میں مبتلا کرنا ہے، اس کا علاج یہ سوچنا ہے کہ زیادہ کھانے سے ضرر ہوگا۔

آدابِ طعام:

ان... جس کے ہاں مہمان بنو، اُس کو اپنے معمولات کی پہلے سے اطلاع کر دو، کہ میں فلاں چیز نہ کھاؤں گا، ... ان پر بیٹھ کر اپنے معمولات بیان کرنا

خلاف تہذیب ہے۔

۲:.... میزبان، مہمان کے اوپر مسلط ہو کر نہ بیٹھے، بلکہ مہمان کو آزاد چھوڑ دے۔

۳:.... میزبان کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں، اگر ساتھ کھانا ہو تو کھانا بھی

پہلے میزبان کے سامنے رکھا جائے۔

۴:.... میزبان کھانا خود پہلے شروع کر دے، اس سے مہمان بے تکلف

ہو جاتا ہے۔

۵:.... میزبان کو چاہئے کہ مہمانوں کو کھاتے ہوئے ہرگز نہ گھورے، کیونکہ اگر

مہمان کو معلوم ہو جائے کہ میزبان میرا لقمہ دیکھ رہا ہے، تو اس سے کھانا نہیں کھایا

جائے گا۔

۶:.... بسم اللہ پڑھ کر کھانا۔

۷:.... مہمان کو چاہئے کہ اتنے دن میزبان کے ہاں رہائش رکھے جس سے

میزبان تنگ نہ ہو، اگر یہ احتمال کم ہو تو بھی بقدر ضرورت رہے اور بے تکلف پوچھ لے۔

کثرتِ کلام کی مذمت:

شریعت کی یہ تعلیم اور تاکید ہے کہ بے ضرورت باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے،

حدیث: ”من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه“ اس پر صریح دلیل ہے۔

نقصان دہ بات کی شناخت:

ہر کام اور ہر بات میں سوچنا چاہئے کہ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ جس

کام اور جس بات کی کچھ غایت نہ ہو وہ فضول ہے، اور اگر غایت تو معلوم ہو مگر مفید نہ

ہو، تو وہ بھی فضول ہے، اگر غایت میں کوئی لازمی یا متعدی ضرر ہو تو وہ کلام یا بات

مضر ہے۔

فائدہ: ... سلف میں مناظرہ اس لئے ہوتا تھا کہ شاید فریقِ مخالف سے کوئی حق بات ظاہر ہو جائے تو ہم اس کو مان لیں، اور اب اس لئے ہوتا ہے کہ خدا کرے فریقِ مخالف سے غلط بات نکلے تاکہ ہم اس کو شرم دلائیں، ذلیل کریں اور اس کی تردید کریں، لہذا مناظرہ اب سراسر مضر قلب و دین ہے۔

معصیتِ لسانی سے بچنے کا طریقہ:

اکثر وقت زبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھو، امر بالمعروف کرتے رہو، اور ہمت کرو کہ غلط لفظ منہ سے نہ نکلے، غلط لفظ نکلنے پر اپنے اوپر مالی جرمانہ کرو، ضرورت کے وقت سوچ کر بات کرو، فضول آدمی کے پاس سے خود اٹھ جاؤ، اگر جواز و عدم جواز میں شبہ ہو تو کسی متدین عالم سے پوچھ کر عمل کرو، یاد رکھو! کہ لایعنی کلام سخت مضر قلب ہے۔

جھوٹ کا عملی علاج:

جس کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو، اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ جس سے کلام کرے، اس سے پہلے یہ کہہ دیا کرے کہ: ”میری عادت کثرت سے جھوٹ بولنے کی ہے“ تھوڑے دن اس پر مداومت سے ان شاء اللہ جھوٹ کی عادت چھوٹ جائے گی۔ نیز ایسا کلام مت کرو جس کی بنا پر دنیا یا آخرت میں معذرت کرنا پڑے۔

حبِ جاہ کی حقیقت:

جاہ وہ مضر ہے جو طلب سے ہو، مثلاً: پیر بننے کی، ممبری ملنے کی یا عالم کہلانے کی کوشش وغیرہ، اگر جاہ بغیر طلب کے حاصل ہو، تو وہ مضر نہیں۔ جاہ کا حصول اگر اس لئے ہو کہ ظالموں کے مفسدہ سے بچے تو یہ درست ہے، اور اس نیت سے کہ لوگوں میں وقعت ہونے سے مال خوب جمع ہوگا، ہر مطالب خواہ شرع کے موافق ہوں

یا مخالف، پورے ہوں گے، واہ، واہ کا آواز ہوگا، تو یہ مذموم ہے۔

علاج: ... اس کا علاج یہ ہے کہ جب جاہ کے بارے میں جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ان کو پڑھتے رہیں اور اپنے نفس کو ان الفاظ سے خطاب کرتے رہیں کہ: اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جائے تو وہ تجھے کتنا ذلیل اور حقیر سمجھیں؟ تیرے لئے تو یہی غنیمت ہے کہ لوگ تجھ سے نفرت اور تیری تحقیر نہیں کرتے، نہ یہ کہ ان سے تعظیم و مدح کی توقع رکھی جائے۔

عملی علاج: ... مداح (تعریف کرنے والے) کو زبان سے منع کرو، اس میں ذرا اہتمام سے کام لو، اس کے ساتھ ساتھ جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں، ان کی تعظیم کرو، گو نفس کو گراں گزرے۔

ترقی مروجہ اور ترقی حقیقی کا فرق:

”فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ“ میں خود ترقی کا حکم ہے، لیکن اس قید کے ساتھ کہ ترقی خیر میں کرنی چاہئے۔ آپ ترقی درہم کے حامی ہیں، خواہ دین سلامت رہے یا نہ رہے، اور ہم لوگ بدوں سلامت دین کے ترقی درہم کو ”ترقی ورم“ کہتے ہیں، جس شخص کے بدن پر ورم ہو جائے، ظاہر ہے کہ وہ بھی ”ترقی یافتہ“ ہے، مگر تنزل کی طرف جا رہا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

انفاسِ طیباتِ اولیائے کرامؑ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًّا

حضرت شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ:
بزرگوں کی حکایات پر جب ہم عمل نہیں کرتے تو ان کے سننے میں کیا فائدہ
ہے؟ شیخ نے فرمایا: اس میں دو فائدے ہیں:
۱... اگر مرد طالب و سالک ہوگا، اس کی ہمت قوی ہو جائے گی، طلب میں
زیادہ کوشش کرے گا۔

۲... اور اگر طالب نہیں، تو شاید تکبر سے تواضع کی طرف آجائے۔
اسی طرح حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔
حضرت ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ:
اگر بزرگانِ دین کبھی چھپ جائیں تو ہم کیا عمل کریں جس سے سلامتی
پائیں؟ فرمایا کہ: اُن کے سخنوں (حکایات) کے آٹھ ورق پڑھا کریں۔
حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ گناہ کہ جس میں ڈر و خوف ہو، پھر اس کے بعد توبہ و عذر ہو، اس طاعت
سے بہتر ہے، جس میں عجب و خود پسندی ہو، کیونکہ عجب و خود پسندی اللہ تعالیٰ کی بندگی

سے دُور کر دیتی ہے:

مبارک آں معصیتے کہ مرا بہ عذر آرد
 ز نہار ز طاعتے کہ مرا بہ عجب آرد
 ترجمہ: "...مبارک ہے وہ معصیت جو مجھے عذر پر لے
 آئے، اس طاعت سے، جو مجھے عجب و خود پسندی میں مبتلا کرے۔"
 حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:
 "میں نہیں جانتا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، پھر غیر سے اُنس و محبت کرے۔"
 اور فرمایا کہ: "گناہ کے چھوٹے ہونے کو نہ دیکھ، جس کی نافرمانی کر رہا ہے
 اُس کو دیکھ۔"

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ایک دن نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:
 تین کاموں سے بچو:

- ۱: ... بادشاہوں کے بچھونوں پر مت بیٹھو، اگرچہ شفقت سے ہو۔
- ۲: ... کسی کو راز کی بات نہ کہو۔
- ۳: ... اور مزامیر کی طرف کان نہ لگاؤ، اگرچہ جو انمردی رکھتے ہو، کیونکہ یہ
 آفت سے خالی نہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
 جس شخص کو لوگوں سے باتیں کرنا زیادہ پسند ہو، اللہ تعالیٰ کی یاد و ذکر سے
 اس کا علم تھوڑا ہے، اس کا دل نابینا ہے، اور اس کی عمر ضائع ہے۔ اور فرمایا: سب سے
 بہتر عملِ اخلاص ہے۔

بزرگانِ دین کا فرمان ہے: توحید تین قسم پر ہے: ۱: ذاتی، ۲: صفاتی،

۳:... افعالی۔ ہر ایک ابیات میں پیش خدمت ہیں:

انکوں در توحید می گویم سخن

نیست ایجا گفتگوئے ماؤمن

ترجمہ:..."اب توحید میں گفتگو کرتا ہوں، یہاں ماؤمن

کے قصے نہیں ہیں۔"

ماؤمن ایجا مگو اے بے ادب

زانکہ توحید است اسقاط النسب

ترجمہ:..."ماؤمن یہاں نہ کہہ اے بے ادب! اس

لئے کہ توحید، نسبت ساقط کرنے کا نام ہے (یعنی خدا کے علاوہ

دوسروں کی نسبت ساقط کرنے کا)۔"

توحید فعلی:

در جہاں فاعل نہ بنی جز خدا

فعل اللہ است جملہ فعل ہا

ترجمہ:..."جہاں میں فاعل اللہ کے سوا کوئی نہیں، تمام

افعال اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔"

دادن و بخشیدن و گردن زدن

جملہ باشد فعل حق ذوالمنن

ترجمہ:..."دینا، بخشنا اور گردن مارنا، سب احسان

والے حق تعالیٰ کے افعال ہیں۔"

توحید صفاتی:

ہم چہیں باشد صفاتی اے گدا
 نیست موصوفے دگر جز یک خدا
 ترجمہ:.... "اے فقیر! توحید صفاتی اسی طرح ہے کہ
 ایک اللہ کے سوا کوئی موصوف نہیں۔"
 قادر و حی و توانا ہست او
 عالم و بینا و دانا ہست او
 ترجمہ:.... "وہی قادر، زندہ اور توانا ہے، اور عالم، دانا و
 بینا وہی ہے۔"

توحید ذاتی:

ایں ذوات خلق بکذاب است و بس
 نیست جز اللہ دیگر ہیچ کس
 ترجمہ:.... "مخلوق کی یہ ذوات سب جھوٹی ہیں، اللہ
 کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

ہرچہ گویم ہرچہ بنویسم حق است
 ہرچہ دانم ہرچہ خوانم مطلق است
 ترجمہ:.... "جو کچھ کہتا ہوں اور جو کچھ لکھتا ہوں، حق
 ہے، جو کچھ جانتا ہوں اور جو کچھ پڑھتا ہوں، مطلق ہے۔"

یہ توحید وجودی ہے، اور جن کے نزدیک توحید شہودی ہے، وہ فرماتے ہیں:
 مذہب اہل شہود است ایں چہیں
 کہ خدا پاک است نہ آں ہست نہ ایں

ترجمہ:.... ”اہل شہود کا مذہب اس طرح ہے، کہ اللہ

تعالیٰ پاک ہے، نہ وہ ہے، نہ یہ ہے۔“

جملہ حقوق انداز وے انس و جان

اوست قیوم زمین و آسمان

ترجمہ:.... ”سب مخلوق یعنی جن و انس اسی سے ہیں،

وہی زمین و آسمان کا قیوم ہے۔“

دارد او سر تا قدم تنزیہ صرف

پاک ذاتش ہست از تشبیہ صرف

ترجمہ:.... ”وہ مکمل طور پر پاک ہے، اس کی ذات تشبیہ

سے بالکل پاک ہے۔“

درحقیقت جملہ او نبود روا

کو منزہ ست از ماوشما

ترجمہ:.... ”درحقیقت جملہ او کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ

وہ ماوشما سے منزہ ہے۔“

گر ہمہ حق در نظر آید ترا

نیست ہرگز فی الحقیقت ہکذا

ترجمہ:.... ”اگر تجھے سب حق نظر آئے، حقیقت میں

ہرگز اس طرح نہیں ہے۔“

بسکہ غالب گشت بر تو عشق او

در نظر می آید او ہر چارسو

ترجمہ:.... ”جب تجھ پر اس کا عشق غالب آجائے، ہر

طرف وہی تجھے نظر آئے گا۔“

ہم چو مجنوں کہ زبس مشتاق بود
ہر کجائش روئے لیلیٰ می نمود
ترجمہ:.... ”مجنوں کی طرح جو بہت مشتاق تھا، ہر جگہ
اس کو لیلیٰ کا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔“

درحقیقت نیست لیلیٰ ہر کجا
بل خیال اوست ہر جا راہنما
ترجمہ:.... ”حقیقت میں لیلیٰ ہر جگہ نہیں ہے، بلکہ اس کا
خیال ہر جگہ اس کا راہ نما ہے۔“

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:
جو شخص سفر میں روانہ ہونے کے وقت آیۃ الکرسی ایک بار سامنے اور ایک
بار پیچھے اور ایک بار دائیں جانب اور ایک بار بائیں جانب پڑھ کر دم کرے اور پھر
سلامت و عافیت کی دُعا مانگے، ان شاء اللہ تعالیٰ سفر باظفر اور سلامتی سے واپس
آئے گا۔

ایک بزرگ نے فرمایا: جو شخص راستہ بھول جائے، وہ سورۃ والضحیٰ چند بار
پڑھ کر دُعا مانگے، تو راہ یاب ہوگا۔

اگر راہ زنوں کا خطرہ ہو تو یہ پڑھے: ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ، اِيَّاكَ نَعْبُدُ
وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ خطرے سے محفوظ رہے گا۔ نیز سورۃ تبت سات بار بغیر بسم اللہ کے
پڑھنا ڈاکوؤں اور راہ زنوں کے دفاع میں بڑا اثر رکھتی ہے۔

فراخی رزق کے لئے سورۃ واقعہ مغرب کی سنتوں میں پڑھتا رہے۔
زیارت فیض بشارت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورۃ ”اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ

الکُوْثَرُ“ ہزار بار، گیارہ روز تک پڑھا کرے، اول و آخر دُرود شریف سات، سات بار، بہ لحاظ معنی پڑھے، اور یہ تصور کر کے پڑھے کہ روضہ اقدس کے پاس حاضر ہوں اور ”اللَّهُمَّ صَلِّ“ پر دُعا والتجارتِ رَبِّ تَعَالَى کی طرف اور ”عَلَى مُحَمَّدٍ“ یا ”عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ“ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصور کرے، اسی طرح تمام دُرود شریف کو معنی کے لحاظ سے ہزار بار گیارہ روز یا اکیس روز تک پڑھے، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بے بہرہ نہ رہے گا۔
 وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ اَجْمَعِيْنَ مِنَ الصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ اَفْضَلِهِمَا
 وَاكْمَلِهِمَا اَدْوَمَهُمَا

عبداللہ عقی عنہ
 نقشبندی، قادری، حنفی بہلوی
 شجاع آباد

چند نکاتِ تصوف

منقولہ از مکاتیب حضرت مجدد الف ثانیؒ

دُرود شریف:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف اگرچہ ریا و سمعہ سے پڑھا جائے، مقبول ہے، اور یہ دُرود شریف حضور علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں پہنچایا جائے گا، اگرچہ پڑھنے والے کو اس کا ثواب نہ ملے، کیونکہ وہ تصحیح نیت پر موقوف ہے، اور حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بہانہ بھی کافی ہے: ”وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا“۔

بڑی چوری:

کسی کا مال چرانا کبیرہ گناہ ہے۔ عورت بلا اجازت شوہر کا مال چھپا دے، یہ بھی چوری میں داخل ہے، اور بڑی چوری یہ ہے کہ نماز کے رُکوع، سجود، قومہ اور جلسہ وغیرہ پورے طور پر ادا نہ کرے، حدیث میں اس کو ”اسرق السارقین“ فرمایا ہے۔

تجلی دو قسم ہے:

تجلی دو قسم ہے: ایک وہ کہ حضور بے غیبت ہو، دائم ہو، چھپے نہیں، یہ اعلیٰ قسم

ہے۔ دوم یہ کہ تجلی ذاتی برقی ہو، چمکے اور پھر گرم ہو جائے، آئے اور چلی جائے، یہ بھی نعمت ہے۔

عشق و محبت:

عشق و محبت، مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ مقامِ عبودیت کے حصول کے لئے شاہراہ ہیں اور ماسوا کی گرفتاری سے خلاصی کے وسیلے ہیں۔

گناہِ کبیرہ:

ہر گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہوتا ہے۔ کبیرہ بھی نافرمانی ہے اور صغیرہ بھی نافرمانی ہے۔ اہل اللہ کے نزدیک صغیرہ سے بچنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کبیرہ سے بچنا۔ ہاں! آپس میں گناہوں کی نسبت یہ ہے کہ کوئی کبیرہ ہے، کوئی اس سے صغیرہ، (معاذ اللہ) چند کبیرہ گناہ شمار کئے جاتے ہیں:

۱:... شرک اور کفر سے نہ بچنا۔

۲:... مراسمِ شرک و کفر کا اختیار کرنا۔

۳:... امراض و غیرہ کے دفع کے لئے اہل قبور سے مدد طلب کرنا۔

۴:... ندائے غائبانہ، یعنی غیر اللہ کو دُور سے پکارنا۔

۵:... نذر غیر اللہ، خیرات سے ہو یا روزہ، نماز سے۔

۶:... زنا۔

۷:... قتلِ اولاد، اگرچہ پیٹ میں ہو۔

۸:... افتراء و بہتان۔

۹:... سرودِ بآلات۔

۱۰:... غیبت۔

۱۱... فال بد۔

۱۲... مسکرات (نشہ آور اشیاء) کا پینا۔

۱۳... ایذاء مؤمن، وغیرہ وغیرہ۔

علم، شہود، معرفت اور حیرت:

علم، شہود، معرفت اور حیرت انسان کے اندر کی چیز ہے، باہر کی نہیں، اگرچہ بعض اکابر نے باہر کی بھی فرمایا ہے، ایسے شخص کے لئے ہر بلا و مصیبت باعثِ فرحت و سرور ہوا کرتی ہے، اگرچہ ابتداء میں غم و حزن کی موجب ہو جاتی ہے، مگر بہت جلد وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی دُعا اتثالِ امر ”أَدْعُونِي“ کے لئے ہوتی ہے، دفعِ بلا و مصیبت کے لئے نہیں ہوتی، لیکن محققین کے نزدیک جیسے دُعا اتثالِ امر کے لئے ہوتی ہے، ویسے ہی اظہارِ افتقار کے لئے بھی ہوتی ہے، اور دفعِ بلا کے لئے دُعا کرنا بھی عجز و فقر ہے، ایسی دُعا نہ رضا بالقضاء کے مخالف ہے، نہ مقامِ معرفت کے منافی ہے، بلکہ عین معرفت ہے، فافہم! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دُعا اسی قبیل سے تھی، کذا قال المجدد۔

استغراق و استہلاک:

استغراق و استہلاک سے مراد رُوح اور نفس کا مشاہدہ انوار میں مست ہونا ہے، یہ مقامِ ولایت ہے، اس کے بعد اگر خلقت کو دعوتِ الی اللہ سے بھی منور کرے تو سیر من اللہ والی اللہ ہے، یہ مقامِ نبوت کے مناسب ہے، اور ارفع مقام ہے، اُنسِ محبت، مشاہدہ محبوب ہے، اور اُنسِ محبوب، بندگی و غلامیِ محبین سے ہوتا ہے۔

حسن و کمال:

حسن و کمال کے لئے آئینے کی ضرورت ہے، اور آئینہ مقابل میں ہوتا ہے،

لہذا خیر کے مقابل، شر، اور کمال کے مقابل، نقص ہے، پس جو شخص جتنا اپنے میں عیب و نقص دیکھتا ہے، اتنا ہی خیر و کمال میں زیادہ تر ہے:

ہر کہ بر عیب خود بینا شود

روح او را قوتے پیدا شود

مگر یہ علم ذوقی ہے، یہ نہیں کہ شر و نقص سے متصف ہو جائے۔

سنت و بدعت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام یا بطور عبادت ہیں یا بجہت عادت، پس جو کام بطور عبادت ہوں ان کے خلاف کرنا بدعت ہے، جو احداث فی الدین اور مردود ہے، اس کا روکنا ضروری ہے، اور جو کام بطور عادت ہوں، ان کا خلاف، بدعت اور منکر نہیں ہے۔ ہر شہر کا عرف و عادت اکثر دوسرے شہر کے عرف و عادت کے خلاف ہوتا ہے، تو اس چیز کا ہونا، نہ ہونا، عرف و عادت پر ہے، نہ کہ دین و ملت پر۔

فائدہ: ... بدعتِ حسنہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کے بعد ظاہر ہو اور رافعِ سنت نہ ہو، اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جو رافعِ سنت ہو۔

احداث فی الدین ممنوع ہے، اور احداث للدين جس پر دین کا فہم موقوف ہو، جیسے نحو، صرف وغیرہ، وہ بدعت میں داخل نہیں۔

جاننا چاہئے کہ سماع اور رقص در حقیقت لہو و لعب میں داخل ہیں، آیت: ”وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ“ سرود و غنا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کسی فقیہ نے کسی وقت اباحتِ سرود کا فتویٰ نہیں دیا، اور پاکوبی اور رقص کو جائز نہیں رکھا، اور صوفیوں کا فتویٰ حلت و حرمت میں سند نہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک بدعتِ حسنہ کو بدعتِ سیئہ کی طرح نہ چھوڑے،

حقیقت کی خوشبو ان کے دماغ میں نہیں آسکتی، کذا قال المجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

احوال، مواجید، علوم اور معارف:

وہ احوال، مواجید، علوم اور معارف جو صوفیوں کو راہ میں وارد ہوتے ہیں، مقاصد سے نہیں ہیں، مقاصد مقامات کا حصول ہے، اور وہ یہ ہیں: توبہ، توکل، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، فقر، قناعت اور رضا۔ بس ریاضات و مجاہدہ سے ان مقامات کو حاصل کرے اور مقام فنا و محبت ذاتیہ میں پہنچے، اور فنا کے بعد اخلاص حاصل ہوگا، اسی پر فرمایا ہے کہ بغیر فنا اخلاص حاصل نہیں ہوتا، اللہم ارزقنا بفضلك!

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واتباعہ اجمعین

عبداللہ عفی عنہ

نقشبندی، قادری، حنفی

ساکن بہلی، ضلع ملتان

مبشراتِ منامیہ

ذیل میں قطب الارشاد حضرت اقدس امام بہلوی نور اللہ مرقدہ کی چند مبشراتِ منامیہ ذکر کی جاتی ہیں جو کہ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اپنی کتاب ”حسن حصین“ میں تحریر فرمائیں، چونکہ ایک بشارت کے سوا سب عربی میں ہیں، اس لئے ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔

۱:.... ”رأیت بحمد اللہ ونعمته لیلۃ الثلاثاء فی رجب ۱۳۵۳ھ اکرم الخلق علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام دائماً، فاسقیتہ ماء، الحمد للہ رب العالمین حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ ومبارکاً علیہ.“

ترجمہ:.... ”اللہ پاک کے احسان و فضل کے ساتھ رجب ۱۳۵۳ھ منگل کی رات میں مجھے اس ہستی کی زیارت نصیب ہوئی جو مخلوق میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر ہمیشہ دُرود و سلام ہو، (زیارت کے دوران) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پلایا، ہر قسم کی مقبول، پاکیزہ اور بے نہایت تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔“

۲:.... ”ہکذا رأیت فی ۱۳۵۴ھ اکرم الخلق
 علیہ وعلی الہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام دائماً،
 فأجلسنی مع نفسه الشریف علی المائدة فأکلت معه
 شعباً، الحمد لله رب العالمین حمداً کثیراً مبارکاً فیہ
 ومبارکاً علیہ.“

ترجمہ:.... ”اسی طرح ۱۳۵۴ھ میں اکرم الخلق صلی اللہ
 علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ پر اور آپ کی آل پر
 ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دسترخوان پر
 اپنے ساتھ بٹھایا اور پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
 سیر ہو کر کھانا کھایا۔“

۳:.... ”ہکذا رأیت لیلۃ العرفۃ فی ذی الحجۃ
 ۱۳۵۴ھ الحمد لله حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ
 ومبارکاً علیہ.“

ترجمہ:.... ”اسی طرح ۹ رزی الحجہ ۱۳۵۴ھ کی رات میں
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔“

۴:.... ”ہکذا رأیت ذوالقعدة ۱۳۵۷ھ ان
 اکرم الخلق اسکن فی مسکنی وانا ارغب الناس فی
 زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم.“

ترجمہ:.... ”اسی طرح ذوالقعدہ ۱۳۵۷ھ کو میں زیارت
 مبارک سے مشرف ہوا، اور دیکھا کہ اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم
 میرے گھر میں فروکش ہیں اور میں لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت کے لئے ترغیب دے رہا ہوں۔

۵:.... ”رأیت فی ۱۳۶۰ھ ان اشرب من ماء

فی سکنہ المبارک۔“

ترجمہ:.... ”۱۳۶۰ھ میں زیارت سے مشرف ہوا اور

دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک میں آپ کا (بچا

ہوا) پانی پی رہا ہوں۔“

۶:.... ”بفضل اللہ وکرمہ رأیت اکرم الخلق

صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر الحج ۱۳۶۷ھ ومرة

زرت فتکلم معی بکلمات۔“

ترجمہ:.... ”۱۳۶۷ھ میں حرمین شریفین کے سفر میں

زیارت باسعادت نصیب ہوئی اور ایک مرتبہ زیارت نصیب ہوئی

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ کچھ گفتگو فرمائی۔“

۷:.... ”هكذا رأیت بفضل اللہ وکرمہ سید

المرسلین فی محرم ۱۳۷۴ھ فی نصف النهار يبلغ

التوحيد وعليه تاج النبوة والرسالة مربوعاً احسن

الصورة صلی اللہ علیہ وسلم صلوة وسلاماً دائمین

متلازمین ثم انه ابلغ التوحيد واقبح عبادة الأصنام ثم

ناظرت بأبی لهب ثم بمشرك اخر فی مجلسهم،

الحمد لله حمداً كثيراً طیباً مبارکاً فيه ومبارکاً علیه،

كما يحب ربنا ويرضى. عبد الله عفی عنه

مہتمم مدرسہ بھلوی۔“

ترجمہ:.... ”اللہ کے فضل و کرم سے محرم ۱۳۷۴ھ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے دوپہر کے وقت مشرف ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد، انتہائی خوبصورت شکل میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ صلوة و سلام نازل ہو، اور دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر پر نبوت و رسالت کا تاج ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کو خوب اچھی طرح بیان کیا اور بتوں کی قباحت و شناعیت بیان کی، پھر میں نے ابولہب اور ایک دوسرے مشرک کے ساتھ ان کی مجلس میں مناظرہ کیا۔“

۸:.... ”ہكذا رأيت بفضل الله تعالى وكرمه

سید المرسلین وعلیہ السلام اکرمہا وادومہا فی شعبان ۱۳۸۳ھ علیہ تاج مذہب منور لم یر مثله، الحمد لله حمداً مبارکاً كما يحب ربنا یرضی.“

ترجمہ:.... ”ایسے ہی شعبان ۱۳۸۳ھ میں اللہ پاک کے فضل و احسان سے مجھے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایسی حالت میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ایک چمک دار، نورانی، بے مثل تاج تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ و افضل دائمی صلوة و سلام نازل ہو۔“

۹:.... ”رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم انه

نائم فاستيقظ فنظر اليه، الحمد لله تعالى.“

ترجمہ:.... ”ایک دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت ایسی کیفیت میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے، اس کے فوری بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف شفقت بھری نگاہ کرم فرمائی۔“

۱۰:....”جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ کو صوفی عبدالحکیم ماسٹر نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پر تشریف فرما ہیں اور بندہ نابکار کے متعلق دیکھا کہ بارگاہ میں حاضر ہوں، صوفی مذکور نے عرض کیا کہ: میرے مرشد صاحب آئے ہوئے ہیں اور اللہ کے بندے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واقعی بڑے محنتی شخص ہیں، اور اللہ کے نیک بندے ہیں۔ الحمد للہ!“

تمہ حقوق الزوجین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرے، تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔“ (ترمذی ج: ۱ ص: ۱۳۸)

مگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ جائز نہیں، اس لئے عورت کو شوہر کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورت جب پانچوں نمازیں پڑھا کرے، رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنے دامن کو پاک رکھے، اور اپنے مرد کی اطاعت کرے، تو جس دروازہ بہشت سے چاہے داخل ہو۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۸۱)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”تین شخص ایسے ہیں جن کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی،

اور نہ ان کی نیکی اوپر کو چڑھتی ہے: ایک وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائے، تا آنکہ اپنے مالک کی طرف واپس نہ آجائے، دوسری وہ عورت جس کا مرد اس پر ناراض ہو، اور تیسرا نشے والا تا آنکہ ہوش میں آجائے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۸۳)